الرّفیقُ الفصِیح لمشکوٰۃ المَصَابِیح

جلد ۳

افادات

حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ

شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہ

ڈیزائننگ و کمپوزنگ
مجیب الرحمٰن قاسمی 7895786325

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ۳

افادات

حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ

شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہٗ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلات

نام کتاب ...... الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ج:۳

افادات .... حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ

مرتب .... محمد فاروق غفرلہ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ

کمپوزنگ .... مجیب الرحمن للّٰھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا

سن اشاعت .... ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء

صفحات ۵۳۳

قیمت

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

فہرست

الرفیق الفصیح

لمشکوۃ المصابیح

جلد سوم

اجمالی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح
جلد سوم

فہرست

الرفیق الفصیح لحل مشکاة المصابیح ٣

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	باب الایمان بالقدر	
	(الفصل الاول)	
١	حدیث نمبر ﴿٧٣﴾ آسمان وزمین کی تخلیق سے قبل مخلوق کی تقدیریں لکھدی گئی	٢٨
٢	ایمان بالقدر کا مطلب اور اس کا حکم	٢٩
٣	ارشاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ	٣٠
۴	قاضی ثناء اللہ امرتسریؒ اور پادری کا مناظرہ	٣١
۵	تقدیر کی تعریف	٣٢
٦	تقدیر اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے	٣٢
٧	قضاء اور قدر میں فرق	٣٣
٨	خلق وکسب میں فرق	٣٣
٩	ایک اشکال اور اس کا جواب	٣٣
١٠	قدریہ	٣۴
١١	قدریہ کی دلیل	٣۴

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	(الفصل الثانی)	
۷۲	حدیث نمبر ﴿۸۸﴾ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا ————	۹۵
۷۳	اولین مخلوق ————	۹۶
۷۴	حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی سے گفتگو ————	۹۷
۷۵	اشکال مع جواب ————	۹۸
۷۶	حدیث نمبر ﴿۸۹﴾ عہد الست کی تفصیل ————	۹۸
۷۷	چند مباحث ————	۱۰۲
۷۸	حدیث نمبر ﴿۹۰﴾ جنتی جہنمی کے نام لکھے جاچکے ————	۱۰۴
۷۹	اشکال مع جواب ————	۱۰۸
۸۰	حدیث نمبر ﴿۹۱﴾ دوا دارو، جھاڑ پھونک کیا تقدیر کو بدل دیتی ہے ————	۱۱۰
۸۱	رقیہ کے جواز اور عدم جواز کی بحث ————	۱۱۱
۸۲	حدیث نمبر ﴿۹۲﴾ تقدیر کے سلسلے میں بحث ومباحثہ درست نہیں ————	۱۱۲
۸۳	فوائد حدیث ————	۱۱۷
۸۴	اہم تنبیہ ————	۱۱۷
۸۵	وروی ابن ماجة نحوه عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کی بحث ————	۱۱۸
۸۶	حدیث نمبر ﴿۹۳﴾ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ایک مشت خاک سے ————	۱۲۰
۸۷	حدیث نمبر ﴿۹۴﴾ جس کو نور الٰہی نصیب ہوا وہ کامیاب ہوگیا ————	۱۲۲
۸۸	حدیث نمبر ﴿۹۵﴾ قلوب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں ————	۱۲۴
۸۹	فائدہ ————	۱۲۷
۹۰	حدیث نمبر ﴿۹۶﴾ دل پر کی طرح ہے ————	۱۲۸

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

تمت وبالفضل عمت

باب الایمان بالقدر

رقم الحدیث:......۷۳/ تا ۱۱۷/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الایمان بالقدر

﴿الفصل الاول﴾

آسمان وزمین کی تخلیق سے قبل مخلوق کی تقدیریں لکھ دی گئیں

﴿۷۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ" (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۲/۳۳۵،باب حجاج آدم وموسی، کتاب القدر، حدیث نمبر:۲۶۵۳۔

حل لغات: مقادیر، واحد مقدار، بمعنی عدد پیمائش، ناپ تول اور سائز میں مماثل شئی تقدیر فیصلہ خداوندی، الخلائق واحد خَلِيْقَةٌ مخلوق خدا، خلق خدا، جماعت انسان۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار

سال پہلے انسانوں کی تقدیریں لکھدیں تھیں، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔

تشریح: اس سے قبل ایمان کا تذکرہ باعتبار کلی ہورہا تھا، یہاں سے باعتبار جزئی ایمان کو ذکر فرمارہے ہیں، یا یوں کہہ لو کہ پہلے ایمان عام کا بیان تھا، اور یہاں سے ایمان خاص کا ذکر کررہے ہیں، اور کلی کے بعد جزئی اور عام کے بعد خاص کو ذکر کرنا اس جزئی اور خاص کے اہتمام شان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس کا اہتمام مقصود ہوتا ہے اس کو خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے جیسے قرآن شریف میں ملائکہ میں جبرئیل ومیکائیل سب شامل تھے۔ مگر علحدہ سے ان کو ذکر کیا، ان کی شان اور ان کی عظمت کے اظہار کے لئے۔

"**من کان عدوا للہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال فان اللہ عدو للکافرین**" (سورۃ البقرۃ) [اگر کوئی شخص اللہ کا اس کے فرشتوں اور رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہے تو (وہ سن رکھے کہ) اللہ کافروں کا دشمن ہے۔]

(آسان ترجمہ)

ایمان بالقدر کا مطلب اور اس کا حکم

ایمان بالقدر فرض اور ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ بندہ اس بات کا اعتقاد رکھے کہ بندوں کے تمام اعمال وافعال خواہ وہ اعمال اچھے ہوں یا برے تمام کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے لکھ دیا تھا؛ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: "**واللہ خلقکم وما تعملون**" پس ایمان اور کفر طاعت ومعصیت یہ تمام اللہ تعالیٰ ہی کے ارادہ اور مشیت اور اسی کے فیصلے کے مطابق ہیں۔ علاوہ ازیں ایمان اور طاعت سے وہ خوش ہوتا ہے اور ان پر ثواب کا وعدہ کیا ہے اور کفر ومعصیت سے ناراض ہوتا ہے اور ان پر عذاب وسزا

کی دھمکی دی ہے۔ ویضل اللہ الظالمین ویفعل اللہ مایشاء. (الطیبی :۲۳۲/۱،باب الایمان بالقدر)

الایمان بالقدر: ایمان عام اور ایمان بالقدر خاص کی وجہ سے بہت سے فرقے نکل گئے، بہت سوں نے اس تقدیر کا انکار کردیا اور اس میں الجھ کر رہ گئے، عقل والے اس میں الجھے اور گھٹنوں کے بل گرے، اس فرقہ کا نام جس نے تقدیر کا انکا کردیا قدریہ رکھا جاتا ہے۔ اور اس فرقے کی بہت سی شاخیں ہیں، تو ایمان بالقدر بڑا سخت اور مشکل مسئلہ ہے اسی وجہ سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں الجھنے سے منع فرمایا ہے۔

ارشاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کچھ حضرات اس مسئلہ میں بحث کررہے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنکر اندر سے باہر تشریف لائے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ غصہ میں سرخ ہورہا تھا، اور ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں اسی کا حکم کیا گیا ہے؟"الهذا بعثت" کیا میں اسی کے واسطے بھیجا گیا ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے سوال کیا: اخبرنی عن القدر قال طریق مظلم فلا تسلکه فاعاد السوال فقال بحر عمیق فلا تلجهٗ واعاد السوال فقال سر اللہ قد خفی علیک فلا تفتشهٗ" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تقدیر اندھیر اراستہ ہے اس پر نہ چلو ورنہ گر جاؤ گے۔ اس نے دوبارہ سوال کیا تو فرمایا یہ ایسا سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اس میں نہ گھس، تیسری مرتبہ پھر پوچھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے چھپا کر رکھا ہے تو اس کی تفتیش کے پیچھے مت پڑو۔

یہ ایسا معاملہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے بھی مخفی رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کا راز مخلوق کو معلوم نہیں ہوتا۔

اچھا بتلاؤ سائیکل کو آدمی چلاتا ہے یا سائیکل آدمی کو چلاتی ہے، ریل کو آدمی چلاتا ہے یا ریل آدمی کو چلاتی ہے، اس کا جواب یہی ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو چلاتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ ایمان بالقدر اپنے اندر ایک اہمیت رکھتا ہے دوسری ایمانیات کے مقابلہ میں، ایمان بالقدر میں سب اللہ کی صفاتِ متضادہ نظر آتی ہیں، بس یہی بہتر ہے کہ یہاں ہی رک جائیں۔ اور تحقیق و تفتیش میں نہ پڑیں۔

قاضی ثناء اللہ امرتسریؒ اور پادری کا مناظرہ

وہ تو قصہ سن رکھا ہے کہ ایک پادری آ گیا تقدیر کا منکر کہ تقدیر کچھ نہیں بس جو کچھ بھی کرتا ہے انسان کرتا ہے، اور اسی لئے تو انسان سے مواخذہ ہوتا ہے اگر جو کچھ ہوتا ہے وہ تقدیر سے ہوتا ہے تو پھر ثواب و عذاب کا ترتب کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

اس دین میں تقدیر کا ہونا اس کے باطل ہونے کے لئے کافی ہے تو اس پادری نے اعلان کر دیا کہ جو میرے اس مسئلہ کو حل کر دے میں اسی کے دین کو اختیار کر لوں گا۔

قاضی ثناء اللہ امرتسریؒ ابھی فارغ ہی ہو کر آئے تھے۔ مناظرہ کا اعلان ہو گیا، قاضی صاحب کو بھی بلایا گیا انہوں نے پادری کا اندازہ لگایا۔ اور اپنے لوگوں سے کہا کہ دیکھو مناظرہ میں جہاں علم کی ضرورت ہوتی ہے وہاں تدبیر کی بھی ضرورت پیش آتی ہے اور اپنے لوگوں کو بتلا دیا کہ دیکھو جب میں اشارہ کر دوں تو تالی بجا دینا اور شور کر دینا کہ پادری ہار گیا۔

چنانچہ پادری کا نمبر آیا اور اس نے شروع میں تقدیر کا مسئلہ چھیڑا تو قاضی صاحب نے

کہا کہ بھائی تقدیر سے پہلے تثلیث کو بیان کرو، تثلیث کا مسئلہ ان کے یہاں بھی عجیب ہے کہ خدا تین ہیں اور سب ایک، تو اس نے کہا کہ کیسی تثلیث قاضی صاحب نے جواب دیا کہ وہی جو تمہاری پتلون کے اندر ہے، پتلون میں بھی ایک تثلیث ہوتی ہے، اور تالیاں پٹ گئیں، اور سب کی زبان پر تھا کہ پادری ہار گیا، پادری ہار گیا، پوسٹر پہلے سے چھپوا لئے تھے جن پر موٹی موٹی سرخیوں میں لکھا ہوا تھا کہ پادری ہار گیا، پادری ہار گیا، سب جگہ چسپاں کر دئے گئے، چاروں طرف شور ہو گیا کہ پادری ہار گیا، پادری ہار گیا، ہر ایک کی زبان پر یہی کہ پادری ہار گیا، اور یہ کچھ نہ سمجھ سکے، کہ میں کس طرح ہار گیا، بیوی سے پوچھا کہ میں کس طرح ہار گیا اسے بھی کچھ پتہ نہ چلا کہ کس طرح ہار گئے آخر دونوں نے فیصلہ کیا کہ بس قاضی صاحب سے ہی پوچھیں گے کہ میں کیسے ہار گیا، قاضی صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ جی جو ہوا وہ تو ہوا مگر یہ تو بتاؤ کہ میں کیسے ہار گیا قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ تقدیر سے ہار گئے کہنے لگا کہ بس سمجھ میں آ گیا کہ واقعی تقدیر ہے کوئی حقیقت، اسی سے میں ہارا ہوں، تدبیر سے تو میں نہ ہار سکتا تھا، تقدیر سے ہی ہارا ہوں۔

تقدیر کی تعریف: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے وہ تمام حالات جو دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے ہیں، لوح محفوظ کے اندر لکھ دئے ہیں اسی کا نام تقدیر ہے۔

تقدیر اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے

تقدیر اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مقرب سے مقرب فرشتہ یا نبی کو بھی مطلع نہیں کیا اس میں غور و خوض کرنا اور اس میں بحث و مباحثہ عقل کے ذریعہ سے جائز نہیں ہے، بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرما کر اس کی دو جماعتیں بنا دیں، ایک اہلِ یمین ہے، جس کو جنتی بنایا اپنے فضل سے اور ایک اہل شمال ہے جس کو جہنمی بنایا

اپنے عدل وانصاف سے۔"ولقد ذرأنا لجهنم كثيرا من الجن والانس" [اور ہم نے بہت سے جنات وانسان کو جہنم کیلئے پیدا فرمایا] (بیان القرآن) (الطیبی: ۲۴۳/۱، باب الایمان بالقدر)

قضاء اور قدر میں فرق

اب بحث ہوئی کہ قضا وقدر ایک چیز ہے یا کچھ فرق ہے تو اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ دونوں ایک ہی ہیں اور بعض نے کہا کہ کچھ فرق ہے۔ احکام اجمالیہ جو ازل میں ہیں وہ قضا ہے اور احکام تفصیلیہ جو اجمال کے موافق ہوگا وہ قدر ہے۔ اور حضرت نانوتویؒ نے اس کا برعکس بیان کیا۔ مثلاً کسی مکان بنانے کا ارادہ ہو تو ایک اجمالی نقشہ ذہن میں آتا ہے یہ بمنزلہ قدر ہے اور اسی نقشہ کے مطابق جو مکان تیار ہو کر موجود فی الخارج ہوا یہ بمنزلہ قضا ہے۔

خلق وکسب میں فرق

خلق وکسب میں فرق یہ ہے کہ خلق ایجاد الفعل بغیر توسط آلہ ہے۔ اور کسب آلہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ دوسرا فرق علامہ ابن تیمیہؒ نے بیان فرمایا کہ جو فعل محل قدرت کے ساتھ قائم ہو وہ کسب ہے مثلاً ایمان العبد وکفرہ، بندہ کے ساتھ قائم ہے جو قدرت حادثہ کا محل ہے وہ کسب ہے اور اگر فعل محل قدرت کے ساتھ قائم نہ ہو تو وہ خلق ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ جو فعل قدرت قدیمہ سے صادر ہو وہ خلق ہے اور قدرت حادثہ سے صادر ہو وہ کسب ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہ بات مسلم ہے کہ معاصی وکفر سب اللہ کی قضا وقدر سے ہیں، اور رضا بالقضا بھی

واجب ہے۔اب نتیجہ یہ نکلے گا کہ رضا بالمعاصی والکفر واجب ہے۔ادھر رضا بالکفر کفر ہے۔ اب دونوں مسئلہ میں تعارض ہوگیا۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں، ایک قضا بمعنی مصدر ہے یعنی خلق وایجاد۔دوم قضا بمعنی مفعول یعنی جس کا فیصلہ کیا گیا جو بندہ کی صفت ہے تو رضا، اس قضا پر واجب ہے جو معنی مصدری یعنی اللہ کی صفت پر، اور رضا بالکفر کفر میں وہ قضا مراد ہے جو بمعنی مفعول ہو کر بندہ کی صفت ہو۔فلا اشکال لہ. تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ:۱۴۶/۱، باب الایمان بالقدر)

قدریہ

اس مسئلہ کی وجہ سے ایک جماعت الجھن ودلدل میں پڑ گئی ہے کہ جب سب چیزیں تقدیر خداوندی کی وجہ سے ہوتی ہیں تو پھر بندہ کا معذب ومثاب ہونا اور امر ونہی کیا معنی رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے تقدیر کا انکار کیا تو وہ قدریہ بن گئے ہیں۔اور وہ اس کے قائل ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ صرف خالق اعیان ہے اور بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے وہ اپنے اختیار کلی سے کام کرتا ہے، اس فرقہ کا نام قدریہ ہے۔

قدریہ کی دلیل

وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ افعال میں خیر وشر ہوتا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کو خالق افعال قرار دیا جائے تو شر وقبیح کی نسبت اللہ کی طرف کرنی پڑے گی اور یہ جائز نہیں۔دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ خالق افعال ہو تو بندہ مجبور ہو جائے گا پھر اس کو مکلف بنانا تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی۔کسی گناہ پر اس کا مواخذہ کرنا خلاف قانون ہوگا۔ایسی صورت میں ارسال رسل وانزال کتب بیکار ہوگا۔لہٰذا بندہ کو خالق افعال کہا جائے گا۔تاکہ یہ مشکلات

درپیش نہ ہوں۔

جبریہ

اس کے بالمقابل ایک فرقہ ہوا جس نے بندہ کو مجبور محض مانا کہ بندہ کو کسی قسم کی کوئی قدرت نہیں، بندہ جماد محض کی طرح ہے خیر وشر اچھے برے میں اسے کوئی اختیار و دخل نہیں ہے۔

اگر زید نماز پڑھتا ہے تو پڑھاتا ہے اللہ میاں، زید نماز نہیں پڑھتا تو اللہ میاں نہیں پڑھاتا۔

جس طرح گاڑی چلی جارہی ہے مگر چلاتا ہے گارڈ تو لوگ گارڈ کو پکڑتے ہیں گاڑی کو نہیں کہ اس نے تین آدمیوں کا خون کردیا، گاڑی کو پکڑ کر کون لیجاتا ہے گارڈ کو پکڑ کر لیجاتے ہیں۔

اسی طرح سب کام اللہ کراتا ہے تو پھر ابوجہل کیوں معذب ہوتا ہے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کیوں مثاب ہوتے ہیں۔ ابوجہل کے ہاتھ میں ابوجہل بننا نہ تھا۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ابوبکرؓ بننا نہ تھا۔ اس فرقہ کا نام جبریہ ہے۔

مذہب اہل سنت والجماعت

اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ اللہ نے دو فرقے بنائے ایک جنت کے واسطے دوسرا جہنم کے واسطے اللہ جنت میں بھیجتا ہے اپنے فضل سے اور جہنم میں بھیجتا ہے اپنے عدل سے۔ یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

قدریہ وجبریہ کی تردید

قدریہ کے مذہب کو اگر مانتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ تو تشریح غلط

جب تشریع غلط تو تکوین غلط اور جب تکوین غلط تو "ماخلقت هذا باطلا" یہ غلط۔ اور جبریہ کے مذہب کے ماننے سے لازم آتا ہے کہ سب چیزیں اللہ کراتا ہے تو بندہ کا معذب ومثاب ہونا غلط۔

ایک طرف عجز لازم آجاتا ہے کہ اللہ کچھ نہیں کرتا۔ دوسرے جہل کی نسبت لازم آجاتی ہے اور یہ دونوں اللہ کی طرف منسوب نہیں کیجا سکتیں، کیونکہ اللہ تو وہ ذات ہے جو جامع ہے تمام صفاتِ کمال کو اللہ تو تمام صفتِ کمال کو مستجمع ہوتا ہے۔ اور اگر اس میں عجز و لاعلمی ہے تو یہ کمال کے منافی ہے۔

ایک قدریہ کا واقعہ

کوئی قدری کسی شخص کے باغ میں گیا اور آم کھانے لگا پوچھا کہ کیا کر رہا ہے تو اس نے کہا کہ تم ہی تو کہتے ہو کہ سب چیز اللہ میاں کی ہیں تو میں بھی اللہ میاں کا باغ بھی اللہ میاں کا تو اگر اللہ کی ایک مخلوق دوسری مخلوق سے ملجائے تو اس میں کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ اچھا اور رسہ لیکر پیٹنا شروع کر دیا کہ میں بھی اللہ میاں کا رسہ بھی اللہ میاں کا اور تو بھی اللہ میاں کا تو بتلائیے کہ اس صورت میں دونوں میں کیسی بنی، اس قصہ سے یہ نتیجہ نکلا کہ سب کام کرتا تو اللہ ہی ہے مگر اللہ نے بندے کو کچھ اختیار بھی دیا ہے مگر اتنا نہیں کہ یہ خود خالق افعال ہی بن جائے بلکہ وہ کچھ با اختیار ہے اور کچھ بے اختیار۔ اختیار و غیر اختیار کے بین بین ہے۔ یعنی من وجہ اختیار ہے اور من وجہ اختیار نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے سامنے قدری کا مبہوت ہونا

حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے ایک قدریہ سے فرمایا کہ صاد، ضاد کو اپنے اپنے

مخرج سے پڑھو اس نے پڑھا پھر فرمایا تمہارے عقیدہ کے مطابق بندہ اپنے افعال کا خالق ہے تو تم اب صاد کو ضاد کے مخرج سے پڑھو۔ فَبُهِتَ

من وجہ اختیار من وجہ غیر اختیار

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے معلوم کیا کہ انسان کتنا اختیاری ہے اور کتنا غیر اختیاری، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پیر اٹھاتو اس نے ایک پیر اٹھا دیا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دوسرا پیر اٹھا تو اس نے کہا یہ تو نہیں اٹھتا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس یہی اختیار اور غیر اختیار ہے من وجہ اختیار من وجہ غیر اختیار نہ تو آدمی ہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے سائیکل کو چلایا اور نہ سائیکل ہی کہہ سکتی ہے کہ میں نے آدمی کو چلایا نہ بیوی کہہ سکتی ہے کہ بچہ میں نے جنا اور نہ باپ کہہ سکتا ہے کہ میں نے جنا۔

تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے انسان کو کچھ اختیار بھی دیا ہے اور جتنا اختیار دیا ہے صرف اسی کا مکلف بنایا ہے۔ "لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا" اسی اختیار کی وجہ سے بندہ دوزخ یا جنت کا مستحق ہوتا ہے۔

غیر اختیاری میں بیمار ہونا جوان ہونا بوڑھا ہونا وغیرہ ہے اس کے متعلق اللہ یہ نہ پوچھیں گے کہ تو بیمار کیوں ہوا جوان کیوں ہوا بوڑھا کیوں ہوا؟

اور اختیاری میں سونا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا نماز پڑھنا اور دوسرے اعمال کرنا چوری کرنا زنا کرنا وغیرہ چنانچہ ان کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ نماز کیوں نہیں پڑھی اس وقت کیوں سویا اس کی باز پرس ہوگی۔ فلاں گناہ کیوں کیا یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

مذہب اہل سنت والجماعت کی توضیح

اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ مسئلہ بین بین ہے کہ بندہ نہ مجبور محض ہے اور نہ مختار

کل ہے بلکہ کچھ اختیار ہے اور کچھ نہیں ہے کہ تمام افعال کا خالق حقیقی تو اللہ جل شانہ ہے اور بندہ اپنے فعل کا کاسب ہے تو خلق کا اختیار بندہ کو نہیں کسب کا اختیار ہے۔ وہ اپنے استدلال میں آیت قرآنی پیش کرتے ہیں کہ قال اللہ تعالیٰ "خالق کل شیء" اور شئی عام ہے خواہ اعیان ہوں یا افعال۔ دوسری دلیل قال اللہ تعالیٰ "و اللہ خلقکم وما تعلمون" الآیۃ کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے افعال کو پیدا کیا۔ نیز اگر بندہ کو خالق افعال کہا جائے تو بندوں کی مخلوق زیادہ ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے۔ کیونکہ اعیان کم ہیں افعال سے۔ قدریہ نے جو پہلی دلیل پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ خلق شر شر نہیں کسب شر شر ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی طرف شر کی نسبت نہیں ہوگی۔ دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ بندہ کسب کے اعتبار سے مکلف ہے اور کسب میں اس کا اختیار ہے بالکل جمادات کی طرح مجبور محض نہیں۔ اور اس اعتبار سے ارسال رسل وانزال کتب بیکار نہیں۔ اور اسی کسب پر مواخذہ ہے۔
(مرقاۃ: ۱۴۶/۱، باب الایمان بالقدر)

حاکمانہ جواب

اب دوسرے انداز سے سمجھئے کہ سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے بندہ کچھ نہیں کرتا۔ تو پھر ثواب ہونا عذاب ہونا اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ حاکمانہ جواب دیجئے کہ تیرا کیا چاہئے تیرا کیا اٹھتا ہے کہ بندہ اللہ میاں کا فعل اللہ میاں کا جنت اللہ کی دوزخ اللہ کی وہ جو چاہے کرے مالک سے نہیں پوچھا جاتا کہ تو نے اپنی ملک میں ایسا کیوں کیا۔

بس اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے حقیقی مالک وخالق ہیں۔ کیا اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اس نے گدھے کو گدھا کیوں بنایا، گھوڑے کو گھوڑا کیوں بنایا انسان کو انسان کیوں بنایا، مرد کو مرد کیوں بنایا، عورت کو عورت کیوں بنایا، بس اسی طرح کسی کو کہنے کی مجال نہیں کہ فلاں کو

جنت کے لئے اور فلاں کو جہنم کے لئے کیوں بنایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے اندازے (تقدیریں) آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس قبل لکھ لیا تھا۔ اور اللہ کا عرش اس وقت پانی کے اوپر تھا۔

کتب اللّٰہ: اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو لوحِ محفوظ پر جاری فرمایا اس تعلق کا اظہار کر کے جو ان کے درمیان تھا۔ اور ازل سے ابد تک آنیوالی تمام مخلوق کی تقدیریں اپنے ارادہ اور مشیت کے مطابق درج کرا دیں جیسے کاتب کا اپنے مافی الذہن کو درج کر دینا اپنے قلم سے اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو لوحِ محفوظ میں اپنی مشیت کے مطابق ان چیزوں کے درج کرنے کا حکم فرمایا جو مخلوق میں عنقریب پائی جائیں گی یعنی ذات وصفات فعل خیر وشر۔ اور اس کی حکمت فرشتوں کو مطلع کرنا تھا عنقریب پائی جانیوالی چیزوں سے تاکہ ان کا ایمان بڑھ جائے اور جان لیں کہ کون مدح کا مستحق ہے اور کون ذم کا اور ہر ایک کی قدر ومنزلت کو پہچان لیں۔ (مرقاۃ: ۱۴۶/۱، باب الایمان بالقدر)

پانی سے مراد

اس حدیث میں پانی سے یا تو روشنائی مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا عرش اس وقت قلم پر تھا۔ جیسے عام طور سے کہا جاتا ہے کہ آج فیصلہ بس جج کے قلم پر ہے۔

قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عرش اور پانی کے درمیان کوئی حائل نہیں تھا، عرش کا پانی سے متصل ہونا مراد نہیں۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پانی سے دریا کا پانی مراد نہیں بلکہ عرش کے نیچے ایک پانی ہے وہ مراد ہے۔

اولین مخلوق

اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی عرش سے بھی پہلے پیدا ہوا ہے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اولین مخلوق عرش ہے یا پانی یا قلم یا آسمان۔ اور یہ اختلاف کچھ بعید بھی نہیں۔

آج اگر کسی سے پوچھا جائے کہ تمہاری کتنی اولاد ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ بیوی سے پوچھ کر بتلاؤں گا بیوی سے معلوم کیا تو اس نے کہا مجھے اس کا کیا علم ہے دیکھو تمہارے سامنے پڑے ہوئے ہیں، دو بچے ان میں ساتھ ساتھ پیدا ہوئے تھے اب ان میں اختلاف ہوا کہ کونسا بچہ بڑا ہے تو سب نے کہہ دیا کہ جو شروع میں پیدا ہوا وہ بڑا ہے مگر کسی مولوی صاحب نے کہا کہ جو بعد میں پیدا ہوا ہے وہ بڑا ہے اور شیشی میں دانے ڈال کر اور پھر ان کو نکال کر دکھلا دیا کہ دیکھو بعد میں نکلنے والا پہلے نکلنے والے سے بڑا ہے۔ کیونکہ وہ پہلے داخل ہوا تھا اگرچہ نکلا بعد میں ہے پس ایسے ہی استقرار حمل سے شمار کرو بس جج کا قلم وہیں رک گیا۔

تو روایت کے اندر اختلاف ہے کہ کس چیز کو اللہ نے اول پیدا کیا ہے کہیں تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قلم پہلے پیدا ہوا۔ کہیں فرمایا کہ عرش پہلے پیدا ہوا اس کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے اول کو جان لیں کہ اول کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں۔

اول کی دو قسمیں

اول کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حقیقی (۲) مجازی

حقیقی طور پر اولیت کسی ایک ہی کو حاصل ہے اور دوسری کو اضافی اور مجازی اعتبار سے اولیت کا درجہ دے سکتے ہیں۔

اول حقیقی: تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا: "اول ما خلق اللہ نوری" کہ سب سے اول اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا، اور پھر اس نور کے ذریعہ لوح وقلم اور عرش وغیرہ پیدا کیئے، ان سب چیزوں کی پیدائش اتنی تیزی سے ہوئی کہ نہیں کہہ سکتے کہ ان میں پہلے کونسی چیز پیدا ہوئی۔

جس طرح اگر تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جائے تو ہم مشاہدہ کے باوجود نہیں بتا سکتے کہ کونسا دانہ پہلے گرا، حالانکہ ہماری آنکھیں ان کو گرتے ہوئے دیکھ رہی ہیں، کیوں کہ ان کا گرنا اتنی تیزی کے ساتھ تھا کہ ہم امتیاز نہ کرسکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنا اتنا تیز تھا کہ ادھر عرش ادھر قلم ادھر لوح کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کون اول ہے۔

اور یہ فلاسفہ اٹھے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل اول کو پیدا کیا، پھر عقل ثانی کو پھر عقل ثالث کو آگے تک۔

فوائد اعتقاد تقدیر

تقدیر پر اعتقاد رکھنا ضروریات دین میں سے ہے، اس اعتقاد کے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا، تقدیر کو ماننا حقیقت کو تسلیم کرنا ہے، اس عنوان کے ماتحت یہ بتانا ہے کہ تقدیر کے اعتقاد میں انسان کے لئے بہت فوائد وبرکات ہیں، تقدیر کو ماننا حقیقت شناسی تو ہے ہی اس کے علاوہ اس سے اور بہت سے فوائد حاصل ہوں گے۔

فوائد حدیث

تقدیر خداوندی پر ایمان رکھنے سے بے شمار فوائد صاحب ایمان کو حاصل ہوتے ہیں،

ان میں سے بعض کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

(۱)......تقدیر پر اعتقاد و استحضار رکھنے والے پر خواہ کتنے ہی مصائب آئیں وہ زیادہ گھبراتا نہیں ہے، طبعی صدمہ اور تکلیف تو مصیبت سے ہوتی ہی ہے، اور ہونی بھی چاہئے لیکن عقلی طور پر یہ مطمئن ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ سمجھتا ہے کہ جو مصیبت مجھ پر آئی ہے یہ کوئی نئی بات نہیں، یہ میرے لئے مقدر ہی تھی، اور پھر اس مصیبت کے بھیجنے والے میرے محبوب ہیں، اور مہربان ہیں، اور حکیم ہیں، اس میں ان کی حکمتیں ہیں، اور اس عنوان سے مجھ پر مہربانی کرنا مقصود ہے۔ اس عقلی اعتقاد اور اطمینان کی برکت سے وہ طبعی صدمہ حد سے نہیں گذرتا، بہت جلد دور ہو جاتا ہے۔

(۲)......تقدیر پر اعتقاد رکھنے والا ناجائز تدابیر اور اسباب اختیار کرنے سے گریز کرے گا، وہ یہ سمجھے گا کہ ہونا تو وہی ہے جو میرے لئے مقدر ہے، پھر میں ناجائز اسباب اختیار کر کے کیوں مجرم بنوں۔

(۳)......تقدیر پر اعتقاد و استحضار رکھنے والا کسی حالت میں بھی عُجب اور خود پسندی میں مبتلا نہیں ہوتا وہ سمجھتا ہے کہ میری جو بھی اچھی حالت ہے اس میں میرا تو کوئی کمال ہے نہیں، یہ تو ان کی طرف سے مقدر ہے۔

(۴)......تقدیر پر اعتقاد و استحضار رکھنے والا کبر و غرور سے محفوظ رہتا ہے، اس کے پاس کتنی بھی خوبیاں موجود ہوں وہ ڈرتا رہتا ہے کہ نامعلوم مستقبل میں میرے لئے کیا مقدر ہے۔

(۵)......کسی کام کے کتنے ہی زوردار اسباب جمع ہو جائیں اعتقادِ تقدیر رکھنے والا کبھی ان اسباب پر فریفتہ نہیں ہوگا، نہ ان پر نظر جمائے گا، اس کی نظر حق تعالیٰ شانہ پر ہی رہے گی، وہ سمجھتا ہے کہ کوئی سبب اس وقت تک کام نہیں کر سکتا جب تک وہ اثر نہ ڈالیں،

نہ معلوم انہوں نے میرے لئے کیا مقدر کیا ہے، ہو سکتا ہے کہ یہی مقدر ہو کہ ان اسباب کو بے اثر کر دینا ہے، اور کام نہیں ہونے دینا۔

(۶)......کسی کام کے اسباب خواہ کتنے ہی کمیاب یا نایاب ہوں تقدیر پر اعتقاد رکھنے والا کبھی مایوس نہیں ہوگا، وہ سمجھے گا کہ اگر چہ اس کام کے اسباب تھوڑے ہیں ہو سکتا ہے کہ سبب ساز انہی تھوڑوں میں اثر پیدا کر دے، یا فوری طور پر اور اسباب بنا دے، اس لئے وہ ایسی حالت میں بھی ہمت نہیں ہارتا، اور جو تقدیر کا قائل نہیں وہ ایسی حالت میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے، کوشش بھی چھوڑ دیتا ہے۔

ملحدین کے مغالطے کا جواب

اس آخری فائدہ سے ملحدین کے ایک مغالطہ کا جواب بھی ہو گیا، وہ کہتے ہیں کہ اسلام نظام چلانے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اس نے عقیدۂ تقدیر پیش کیا ہے، اس کو ماننے والا بے کار ہو کر بیٹھ جاتا ہے، تدبیر نہیں کرتا، یوں کہتا ہے کہ ہوگا تو وہی جو مقدر ہے تدبیر کر کے کیا لینا ہے، اس آخری فائدہ سے یہ سمجھ میں آیا کہ تقدیر کو ماننے والا ایسے وقت بھی تدبیر کرتا ہے جب کہ اس کام کے اسباب نظر نہیں آ رہے ہوتے، ایسے موقع پر سب ہمت ہار کر بیٹھ جاتے ہیں، لیکن قائل تقدیر کی ہمت اب بھی جوان ہوتی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ شاید اسباب قلیلہ ہی میں حق تعالیٰ شانہ اثر پیدا فرما دیں، یا غیب سے اور اسباب پیدا فرما دیں، مسلمانوں کی تاریخ اس عقیدہ کی برکت سے ایسے نازک مرحلوں پر بھی ہمت وجوانمردی کی داستانوں سے بھری ہوئی ہے۔

مراتب تقدیر

علمائے کرام نے تقدیر کے کئی مرتبے لکھے ہیں۔

(۱)......حق تعالیٰ کا علم ازلی یعنی تمام واقعات کے وقوع سے پہلے حق تعالیٰ کو ازل ہی سے ان کا علم ہے، اصل تقدیر اسی کا نام ہے۔

(۲)......جو کچھ ہونے والا تھا حق تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے مطابق لوح محفوظ میں لکھوا دیا ہے۔ لوح محفوظ میں لکھا ہوا بھی تقدیر کا ایک مرتبہ ہے، لیکن یہ حق تعالیٰ کے علم ازلی ہی کی حکایت ہے۔ کوئی الگ چیز نہیں، اس کے لکھوائے جانے میں حکمتیں ہیں۔

(۳)......حق تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان کی کچھ اولاد نکالی، ان کے بارے میں یہ اعلان فرمادیا کہ یہ جنتی ہیں، پھر ان کی اولاد کی ایک اور جماعت نکالی، ان کے بارے میں یہ اعلان فرمایا: کہ یہ دوزخی ہیں، لیکن یہ فیصلہ بھی کوئی نئی بات نہیں، ان جنتیوں کا جنتی ہونا اور دوزخیوں کا دوزخی ہونا پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں بھی تھا، اور لوحِ محفوظ میں بھی یہ لکھا ہوا تھا، یہ اسی کا حصہ تھا، بعض حکمتوں کے لئے اس کا الگ اعلان کیا گیا۔

(۴)...... حدیث شریف میں آتا ہے کہ بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو حق تعالیٰ فرشتے کو بھیجتے ہیں وہ اس کے بارے میں چند امور لکھ دیتے ہیں، مثلاً یہ کہ اس کی عمر کتنی ہوگی، روزی تنگ ہوگی یا فراخ، شقی ہوگا یا سعید وغیرہ وغیرہ یہ نوشتہ بھی کوئی الگ چیز نہیں ہے، جو کچھ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا تھا اسی کا ایک حصہ ہے۔

(۵)......تقدیر حولی: ہر سال شب براءت میں آئندہ سال تک ہونے والے واقعات اور حوادث یعنی کس کو مرنا ہے، کس کو پیدا ہونا ہے، ان امور کا فیصلہ ملائکہ کو بتادیا جاتا ہے، یہ بھی نوشتہ لوح محفوظ ہی کا ایک حصہ ہے، کوئی اس سے معارض بات نہیں ہے۔

(۶)......**تقدیر یومی**: روزانہ ہونے والے واقعات و حادثات ملائکہ کو بتادئے جاتے ہیں، یہ بھی ماقبل ہی کا ایک حصہ ہے، ان سب مراتب پر قضاء وقدر کا اطلاق کرتے رہتے

ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں ہے ہر بعد والا مرتبہ پہلے ہی کا ایک حصہ ہے۔

اہم تنبیہ

شریعت نے مسئلہ تقدیر میں گفتگو کرنے سے منع فرمایا ہے، سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ علوم وحی کا اتباع کیا جائے، شریعت جن عقائد و اعمال اخلاق کا حکم کرتی ہے، ان کو اختیار کیا جائے علوم وحی بے غبار، منزہ، خطرات سے پاک، صحیح اور مستقیم علوم ہیں، ان میں یہ گنجائش ہی نہیں کہ ان پر دماغی مشاقی کی جاسکے، علوم وحی میں دماغی مشاقی کا ثمرہ انتشار ذہنی کے سوا کچھ نہیں، بالخصوص مسئلہ تقدیر جیسے عمیق و دقیق مسائل میں جب گفتگو کی جائے گی، تو بحث اور جدل کے کئی نکتے پیدا ہوں گے، جس کا انجام انکار کے خطرات ہو سکتے ہیں، جس چیز کا انجام اور انتہا قبیح ہو، شریعت اس کی ابتداء کی ہی اجازت نہیں دیتی، مطلب کہنے کا یہ ہے کہ مسئلہ تقدیر میں جو گفتگو سے روکا گیا ہے اس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں تعلیم شریعت میں کچھ کجی اور میل ہے، بلکہ روکنے کا منشاء یہ ہے کہ یہ مسئلہ ایسا گہرا سمندر ہے جس میں تیراکی ہر کس و ناکس کا کام نہیں، شفقتاً یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تم ایسے سمندر میں تیرو ہی کیوں جس میں ننانوے فی صد امکانات ڈوبنے کے ہی ہوں، راہ سلامت اختیار کرو، وہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جو شریعت کہتی ہے مانتے چلے جاؤ، شریعت اعمال کی ترغیب دیتی ہے، تم کرتے چلے جاؤ، وہ جس درجہ کا تمہیں مختار بتاتی ہے مان لو، وہ ہمارے اختیار اور مشیت پر اللہ کے اختیار اور مشیت کی بالادستی بتلاتی ہے، مان لو۔

آخرت میں یہ حقائق مشاہدۃً منکشف ہوجائیں گے، عالم غیب کے پردے کھل جائیں گے، کسی کو بھی کوئی خلجان باقی نہ رہے گا، لیکن سعادت مند وہ ہے جو یہاں تعلیم شریعت پر اعتماد کرکے مشاہدہ عینی کے بغیر ان عقائد کو تسلیم کرے، اور امتحان میں پاس ہوجائے، یہ

مسئلہ حقیقت میں انسان کی آزمائش ہے، جس میں کامیابی تعلیم وحی کی اتباع ہے، اور بس۔
(اشرف التوضیح:۱/۲۳۹)

ہر چیز مقدر ہو چکی ہے

﴿۷۴﴾ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتّٰى الْعَجْزُ وَالْكَيْسُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۲/۳۳٦،باب کل شیء بقدر، کتاب القدر، حدیث نمبر:۲٦۵۵۔

حل لغات: العجز بے بسی، لاچارگی، معذوری، مجبوری، کمزوری، خرابی، نقصان، الکیس ذہانت، عقل ودانش، سمجھ بوجھ، جمع کیوس۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر چیز تقدیر سے ہے۔ حتی کہ بے وقوفی اور عقلمندی بھی تقدیر سے ہے۔''

تشریح: قَدَرَ یعنی دال کے فتحہ کے ساتھ اور قَدْر بسکون الدال دونوں طرح درست ہے، مگر عمدہ اور بہتر لغت سکون دال والی ہے۔

حتی العجز: یہ حتی ہے اس کے مابعد کو مرفوع مجرور دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں اگر اس کا عطف کل شیء پر کریں تو وہ مرفوع ہوگا اور اگر حتی کو حرف جر مانیں تو اس کے مابعد کو مجرور پڑھیں گے اور اگر اس کو حتی عاطفہ تسلیم کریں تو بھی اس کا مابعد مجرور ہی ہوگا۔

عجز: کہتے ہیں عدم قدرت کو قدرت اور عجز میں تقابل ہے اور تقابل کی کئی

قسمیں ہیں:

(۱) تقابل تضاد (۲) تقابل عدم وکون (۳) تقابل ایجاب وسلب

عجز اور کیس دو چیزیں ہیں۔

عجز: ضعف اور عدم طاقت کو کہتے ہیں اس کا مقابل قدرت ہے۔

کیس: ذہانت وفطانت کو کہتے ہیں اس کا مقابل بلادت وغباوت ہے۔

عجز وقدرت اور کیس وبلادت دل اور دماغ سے تعلق رکھنے والی صفات ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جب اللہ نے دل کے اعمال اور ذہن کے اعمال تک کو لکھ لیا تھا، تو جوارح کے اعمال وافعال تو بدرجۂ اولیٰ لکھ لئے ہوں گے۔[1]

اس حدیث شریف سے معتزلہ اور خوارج وغیرہ کا رد ہے، جو یوں کہتے ہیں کہ ہم خود اپنے افعال کے خالق ہیں تو یہ بے تکی اور غلط بات ہے۔

یوں تو ہزاروں خالق کا وجود لازم آتا ہے اور جو کچھ انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے ان سب کا خالق انسان ہوا۔

الکیس اس کے مقابلہ میں بلادت آتا ہے کیس کے معنی زیرکی ہوشیاری فطانت اور ذکاوت فقیہ ہونا۔ اور بلادت غبی ہونا سفیہ ہونا کند ذہن ہونا۔ وغیرہ یہ تمام چیزیں ذہن کی صفات ہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ جب ذہن وقلب کے اوصاف تک اللہ کے یہاں مقدر ہیں تو جوارح واعضاء کے اعمال وافعال بھی تو بدرجۂ اولیٰ مقدر ہوں گے، دو جزء بول کر ان سے کل کا ارادہ کیا ہے۔ اور یہ تاکید ہے کل شئی کی۔

---

[1] مظہرؒ کہتے ہیں کہ جو شخص جثہ اور رائے میں عاجز وکمزور ہو ناقص الخلقت ہو تو یہ چیزیں اس کو عار نہیں دلائیں گی اس لئے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے اور اس کو اسی صفت پر پیدا کیا ہے اور جو شخص کامل العقل اور صاحب بصیرت اور تام الجثہ ہو تو وہ اپنی قدرت اور طاقت سے نہیں بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہی تقدیر سے ہے۔

(مرقاۃ: ۱/۱۴۷، باب الایمان بالقدر)

حضرت آدم و حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان مباحثہ

﴿۷۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَّ آدَمُ وَمُوْسىٰ عِنْدَ رَبِّهِمَا فَحَجَّ آدَمُ مُوسىٰ قَالَ مُوْسىٰ اَنْتَ آدَمُ الَّذِیْ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُوْحِهٖ وَاَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهٗ، وَاَسْكَنَكَ فِیْ جَنَّتِهٖ ثُمَّ اَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيْئَتِكَ اِلَى الْاَرْضِ، قَالَ آدَمُ اَنْتَ مُوْسىٰ الَّذِیْ اِصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ وَبِكَلَامِهٖ وَاَعْطَاكَ الْاَلْوَاحَ فِيْهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَیْءٍ، وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا، فَبِكَمْ وَجَدْتَ اللّٰهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ، قَالَ مُوْسىٰ بِاَرْبَعِيْنَ عَامًا قَالَ آدَمُ فَهَلْ وَجَدْتَ فِيْهَا وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى، قَالَ نَعَمْ قَالَ اَفَتَلُوْمُنِیْ عَلٰى اَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَیَّ اَنْ اَعْمَلَهٗ قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَنِیْ بِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَجَّ آدَمُ مُوْسىٰ

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۳۳۵، باب حجاج آدم وموسیٰ الخ، کتاب القدر، حدیث نمبر: ۲۶۵۲۔

حل لغات: احتجَّ علیہ افتعال سے دلیل قائم کرنا، اعتراض کرنا، کسی سے احتجاج کرنا، نفخ (ن) نفخاً پھونک مارنا، اَسْجَدَ سر جھکانا، اَسْکَنَ فُلَانًا المکان وفیہ آباد کرنا، رہنے کی جگہ دینا، بسانا، اھبطت، نیچے اتارنا، اصطفاک افتعال سے منتخب کرنا، نَجِيًّا سرگوشی، پراسرار بات، ناجاہ مناجاۃ ونجاءً رازدارانہ بات کرنا، عصیٰ عصاہ مَعْصِيَةً وَعِصْيَانًا (ض) نافرمانی کرنا، حکم کی خلاف ورزی کرنا، غویٰ

(ض) غِیًّا وغِوَایَۃً گمراہ ہونا، تلومنی لامہ علی کذا لوماً (ن) کسی کوملامت کرنا، آڑے ہاتھوں لینا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے مباحثہ کیا، حضرت آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ”آپ آدم علیہ السلام ہیں، جن کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، آپ میں اپنی روح پھونکی، آپ کے واسطے اپنے فرشتوں کو سجدہ کرایا، آپ کو اپنی جنت میں آباد کیا، لیکن آپ نے اپنی غلطی کے ذریعہ لوگوں کو زمین پر اتروادیا“ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم موسیٰ علیہ السلام ہو، جس کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنی ہم کلامی کے لئے منتخب فرمایا، تمہیں ایسی تختیاں عطا کیں جس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود تھا، پھر اپنی سرگوشی کے لئے تم کو تقرب کا شرف بخشا، تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے کتنے سال پہلے تورات لکھی تھی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا چالیس سال پہلے، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ تم نے اس میں یہ چیز موجود پائی ”**فعصی آدم ربہ فغوی**“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا ہاں، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ ”کیا تم مجھ کو اس عمل پر ملامت کروگے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ میری تخلیق سے چالیس سال پہلے لکھدیا کہ میں اس عمل کو کروں گا“ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے“

تشریح: عمر میں بڑا فرق ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام سے پانچ ہزار سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ یہ واقعۂ ملاقات عالم ارواح کا ہے یا یہ واقعہ عالم برزخ کا ہے یا عالم غیب کا ہے۔

فحج اٰدم موسیٰ : کہا گیا ہے کہ یہ محاجہ عالم غیب میں روحانی طور پر ہوا اوراس کی تائید الفاظ حدیث عند ربھما سے ہوتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جسمانی طور سے ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ کیا ہو یا آدم علیہ السلام کو موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی میں زندہ کیا ہو اور پھر دونوں بارگاہِ مقدس کے اندر اکٹھا ہو گئے ہوں جیسا کہ حدیث اسراء سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جمع ہوئے یا اس لئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔
(مرقاۃ:١/١۴٧، باب الایمان بالقدر)

برزخ کے معنیٰ بین بین کے ہیں یہ مقام دنیا اور آخرت دونوں کے بین بین ہے، اور وہ عالم اس دنیا سے اتنا ہی بڑا ہے جتنی یہ دنیا بڑی ہے ماں کے پیٹ سے، جیسی نسبت اس زمین وآسمان کو ماں کے پیٹ سے ہے ویسی ہی نسبت اس برزخ کو دنیا سے ہے۔

اور آخرت کو برزخ سے ویسی ہی نسبت ہے جیسی ماں کے پیٹ کو عالم دنیا سے۔

بہر حال عالم برزخ میں حضرت آدم اور موسیٰ علیہم السلام دونوں کی ملاقات ہوگئی، حضرت آدم علیہ السلام تو عمر کے اعتبار سے بڑے تھے اور یہ درجہ کے اعتبار سے بڑے تھے یہ اولوالعزم پیغمبروں میں سے تھے۔ انہیں بڑی کتاب دی گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو چھوٹے چھوٹے صحیفے دیئے گئے تھے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام سے مرتبہ میں بڑھے ہوئے ہیں گو عمر میں چھوٹے اور ان کی اولاد ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ ہی ہیں وہ آدم جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے اور پھر اپنی روح پھونک دی اور فرشتوں سے سجدہ کرایا اور اپنی جنت میں ٹھیرایا اور پھر آپ نکال کر ہی رہے تمام مخلوق کو جنت سے، باپ کی کرنی اولاد کو بھرنی۔ ایک ''لاتقربا'' پر عمل نہیں ہوا۔

ثم اھبطت الناس بخطیئتک: یعنی جو غلطی آپ سے صادر ہوئی وہ آپکے علو مقام کی وجہ سے آپکی شایان شان نہیں تھی اگر چہ ایسا بھولے سے ہوا اس لئے کہ کاملین کی گرفت ان چیزوں پر ہو جاتی ہے جن پر غیر کاملین کی گرفت نہیں ہوتی۔ **حسنات الابرار سیئات المقربین** وہی غلطی اور شجرۂ ممنوعہ سے کھالینا سبب بنا ان کو جنت سے نکالنے کا جس کو آج تک آپ کی اولاد بھگت رہی ہے اور دنیا کی مشقتوں اور آزمائشوں میں پڑی ہوئی ہے۔ **(مرقاۃ: ۱/۱۴۷، باب الایمان بالقدر)**

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا آپ ہی ہیں وہ موسیٰ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی پیغمبری کے لئے چنا تھا اور جس نے "**ربی ارنی**" کہا تھا۔ اور اس کو جواب ملا تھا کہ پہلے پہاڑ کی طرف دیکھو اگر تحمل کر سکو گے تو دیکھ لو گے ورنہ نہیں۔ ذرا سی تجلی کی جیسا کہ سوئی کا نکوا ہوتا ہے۔ "**فجعله دکاً**" پس پہاڑ چکنا چور ہو گیا، اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور وہی آپ موسیٰ ہو جنہیں تختیاں دی تھیں جن میں ہر حکم شریعت کی وضاحت تھی اور تجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا مقرب کیا تھا یہ سب باتیں حضرت آدم علیہ السلام اس وجہ سے بتلا رہے تھے کہ ہمیں بھی تو معلوم ہے جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا اور جو تم نے کیا۔ "**فبکم وجدت الله کتب التوراۃ قبل ان اخلق**" پوچھا کہ آپ نے یہ بھی پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ کب لکھی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ کے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے۔

---

[۱] **الواح:** سے مراد زمرد کی وہ تختیاں ہیں جن پر پوری تورات لکھی ہوئی تھی جو آسمان سے اتری تھیں اور وہ تختیاں تعداد میں اتنی زیادہ تھی کہ ستر اونٹوں پر لادی جاتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس شریعت کے ساتھ مبعوث کیا تھا اور ان کی قوم کے لئے جو احکام و ہدایات مقرر فرمائے تھے وہ سب ان ہی تختیوں پر لکھے ہوئے تھے اور انہی کے مجموعہ کا نام تورات ہے۔ **(مظاہر حق جدید: ۱/۱۳۶، باب الایمان بالقدر)**

اشکال مع جواب

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ تقدیر لکھی گئی پچاس ہزار سال پہلے اوراس حدیث میں چالیس سال قبل لکھی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اجمالاً تو تقدیر لکھی گئی، پچاس ہزار سال قبل پھر اس کی نقل کی گئی، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چالیس سال قبل پھر ہر ایک کی تقدیر نقل کی جاتی ہے، اس میں روح پھونکنے سے چالیس یوم قبل جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ فقط

تواس میں تو نے یہ بھی دیکھا کہ نہیں۔ "وعصی آدم ربه فغوی" کہا کہ ہاں تو تم مجھے ملامت کرتے ہو جب کہ اللہ میاں نے میرے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ دیا تھا۔ جو بات اللہ نے لکھی تھی اسے کیسے پورا نہ کرتا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

دنیا میں تقدیر کا حوالہ جائز نہیں

اس قصہ کو سنا کر یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی نافرمانی کا راز یہی تقدیر تھا۔ اوراس دنیا میں تقدیر کا حوالہ جائز نہیں ہے۔ ہاں عالم برزخ میں تقدیر کا حوالہ جائز ہے اگر کوئی دنیا میں یہ حوالہ دے کہ تقدیر ہی میں یوں تھا۔ تو یہ حوالہ نہیں دے سکتے (بلکہ بندے دنیا میں تدبیر وکوشش کے) مکلّف ہیں۔

چنانچہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ ارے رات کو اٹھ کر دو رکعت پڑھ لیا کرو۔ انہوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہے تو ہم کو اٹھا دے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناراض ہو کر چلے آئے اور فرمایا

انسان بڑا جھگڑالو ہے۔ مقصد یہ تھا کہ دنیا میں تقدیر کا حوالہ جائز نہیں۔

ورنہ تو ہر گنہگار اپنے گناہ پر یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ میری تقدیر میں اسی طرح لکھا ہوا تھا میں کیا کروں، اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کے جواب کی مختلف توجیہ کی گئی ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے جواب کی توجیہات

(۱)...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض حضرت آدم علیہ السلام کی نظر میں غیر معقول تھا اس لئے ان کو خاموش کرنے کے لئے تقدیر پیش کی، عذر معصیت پر پیش نہیں کی۔

(۲)...... دوسری وجہ یہ تھی کہ جہاں انہوں نے اعتراض کیا وہ دارالتکلیف نہ تھی۔

(۳)...... تیسری وجہ یہ ہے کہ کسی گناہ پر ملامت اس لئے کی جاتی ہے کہ اس کی اصلاح ہو سکے اور وہ دارالتکلیف کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا اب ملامت کرنا بیکار ہوگا۔ سوائے شرمندہ کرنے کے اور کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوگا۔

(۴)...... چوتھی وجہ یہ تھی کہ کسی کے گناہ معاف ہونے کے بعد اس کو ملامت کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ بناء بریں حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاموش کرنے کے لئے الزامی طور پر تقدیر پیش کی عذر معصیت پر پیش نہیں کی۔

یہی وجہ ہے کہ جب وہ دارالتکلیف میں تھے، برسوں اپنے گناہ پر روتے رہے اور توبہ کرتے رہے۔ اس وقت تو تقدیر پیش نہیں کی، لہٰذا دارالتکلیف میں رہ کر کسی گنہگار کو اپنی معصیت کے عذر پر تقدیر پیش کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ معاملہ ہے عالم غیب کا اور یہ معاملہ ہے عالم دنیا کا۔ اور ایک عالم کے معاملہ کو دوسرے عالم کے معاملہ پر قیاس کرنا درست نہیں۔

(۵)...... پانچویں بات یہ ہے کہ یہاں حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی معصیت پر تقدیر پیش

نہیں کی بلکہ مصائب پر تسلی دینے کیلئے تقدیر پیش کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کی خطاء کی بناء پر آپ کی ذریت دنیا میں آکر کتنے مصائب جھیل رہی ہے، تو حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دینے کیلئے تقدیر پیش کی کہ بیٹا کیا کرو گے تقدیر میں یہی تھا تو یہاں مسئلہ تسلی علی المصائب کا ہے، اعتذار عن المعاصی کا نہیں، جیسے کفار کو جب جہنم میں ملامت کی جائیگی تو وہ تسلی کے لئے تقدیر پیش کریں گے، جیسا کہ کلام پاک میں ہے: "قالوا بلیٰ ولکن حقت کلمة العذاب علی الکافرین" الآیة. لہذا اب حدیث میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ (مرقاۃ: ؟؟/؟ باب الایمان بالقدر)

تقدیر کا لکھا غالب آکر رہتا ہے

﴿۷۶﴾ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ "إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْماً نُطْفَةً، ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ إِلَيْهِ مَلَكاً بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَأَجَلَهُ وَرِزْقَهُ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ، فَوَالَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَيْهِ مَلَكاً بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَأَجَلَهُ وَرِزْقَهُ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ، فَوَالَّذِيْ لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا الاذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ لَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ

بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۵۶، باب ذکر الملائکة، کتاب بدء الخلق، حدیث نمبر: ۳۲۰۸، مسلم شریف: ۲/۳۳۲، باب کیفیة خلق الآدمی، کتاب القدر، حدیث نمبر: ۲۶۴۳۔

حل لغات: النطفة منی جمع نُطَفٌ، العلقة بستہ خون کا ٹکڑا جس سے رحم مادر میں جنین بنتا ہے، المضغة گوشت کا ٹکڑا، جمع مضغ، الاجل، مدت عرصہ، موت، جمع أجال، الشقی، بد بخت، گمراہ، جمع اشقیاء، السعید بامراد و خوش نصیب، جمع سعداء، ذراع ہاتھ، انسان کا ذراع کہنی سے درمیان انگلی کے سرے تک ہوتا ہے، جمع اَذْرُعٌ وَذُرْعَانٌ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صادق اور مصدوق ہیں، ہم سے ارشاد فرمایا: ''کہ تم میں سے ہر ایک شخص کی پیدائش اس طور پر ہوتی ہے کہ اپنی ماں کے پیٹ میں نطفہ کی شکل میں چالیس دن تک جمع کیا جاتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں تک خون کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دن گوشت کے ٹکڑے کی صورت میں رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس فرشتے کو چار باتیں دے کر بھیجتے ہیں، وہ فرشتہ اس کا عمل، اس کی موت، اس کا رزق اور اس کا بد بخت یا نیک بخت ہونا لکھ دیتا ہے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے، پس اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تم میں سے ایک شخص جنتیوں جیسے کام کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، مگر تقدیر کا لکھا اس پر غالب آ جاتا ہے، چنانچہ وہ جہنمیوں جیسے کام کرتا ہے، اور دوزخ میں چلا جاتا ہے، اس کے برخلاف تم میں سے ایک شخص جہنمیوں جیسے کام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ

جاتا ہے لیکن اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے، چنانچہ وہ جنتیوں جیسے کام کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

تشریح: صادق ومصدوق: دونوں کے ایک ہی معنی آتے ہیں، صیغہ بدل کر تاکید مقصود ہے، اور مصدوق لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صادق تو تھے ہی مصدوق بھی تھے۔

وهو الصادق و المصدوق: ای صادق فی جمیع افعاله و اقواله ومصدوق فی جمیع ما اتاه من الوحی اس کو جملہ معترضہ بنانا زیادہ بہتر ہے، حالیہ نہیں، تاکہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام حالتوں کو شامل ہو جائے اور یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ بن جائے۔ اور معنی ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام افعال کے اندر سچے ہیں حتی کہ قبل النبوۃ بھی، اسی وجہ سے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان محمد الصادق الامین کے ساتھ مشہور تھے۔ **(مرقاۃ: ۱۴۹/۱، باب الایمان بالقدر)**

صادق: انسان کا سچا ہونا چاہے دوسرے لوگ سچا مانیں یا نہ مانیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سچا ہوتا ہے مگر لوگ اسے سچا ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے، اس کو صادق کہتے ہیں۔

مصدوق: اس انسان کو کہتے ہیں جس کا سچا ہونا لوگوں کو تسلیم بھی ہو۔

تو یہاں صادق مصدوق دو لفظ لا کر بتلا دیا کہ لوگوں نے آپ کو سچا مانا بھی ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صادق ہونا سب نے تسلیم کیا ہے اگرچہ عناد کی وجہ سے کافروں نے زبان سے انکار کر دیا مگر دلوں میں ان کے بھی یقین تھا۔ **وجحدو بها واستيقنتها انفسهم ظلما وعدوا.** [اور اگرچہ ان کے دلوں کو ان (کی سچائی) کا یقین ہو چکا تھا، مگر انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کیا۔] (آسان ترجمہ)

اور یہ الفاظ اظہار محبت و اظہار عقیدت کے الفاظ ہیں، جب کسی انسان کو کسی سے الفت ومحبت ہوتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کی شان میں کچھ کہوں اس کی کچھ تعریف کروں، حضرت عبداللہ ابن مسعود کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو الفت ومحبت تھی وہ محتاج بیان نہیں، آپ رضی اللہ عنہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اس کثرت سے آتے جاتے تھے کہ دوسرے لوگ خیال کرتے کہ آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے ہی آدمی ہیں، اور بعض تو برسوں تک یہی سمجھتے رہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر ہی کے آدمی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ان کو اجازت دیدی تھی کہ جب جی چاہا کرے آجایا کرو تمہیں ہروقت حاضری کی اجازت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہرایک کا پیدا کرنا جمع کیا جاتا ہے[۱]۔

نطفہ: ماں کے پیٹ میں نطفہ چالیس دن تک نطفہ ہی کی شکل میں رہتا ہے۔ ویسے بڑھتا رہتا ہے، مگر اسکی بڑھوتری محسوس نہیں ہوتی، نطفہ کمیت میں پہلے دن سے ہی بڑھنا شروع ہوجاتا ہے، مگر چالیس روز تک اسکی شکل نطفہ ہی کی رہتی ہے کیونکہ جوشی **بطی المشی** ہو اسکی رفتار محسوس نہیں ہوتی، جیسا کہ گھڑی کی بڑی سوئی، سیکنڈ والی چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے؛ مگر گھنٹہ والی سوئی چلتی ہوئی محسوس نہیں ہوتی، حالانکہ وہ بھی برابر چلتی رہتی ہے۔

---

[۱] **افادہ**: ممکن ہے جمع سے مراد نطفہ کا ٹھہرا رہنا ہو رحم میں یعنی نطفہ رحم میں چالیس دن ٹھہرا رہتا ہے اور چالیس دن ٹھہر کر خمیر بن جاتا ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی تفسیر میں مروی ہے کہ نطفہ جب رحم میں وقوع پذیر ہوتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو انسان بنانا چاہتے ہیں تو وہ نطفہ عورت کی کھال میں ہر بال اور ناخن کے نیچے سرایت کر جاتا ہے پھر وہ چالیس رات ٹھہرا رہتا ہے، پھر خون بن کر رحم میں اترتا ہے پس یہ اس کا جمع ہونا ہے۔
(الطیبی: ۲۳۷/۱، باب الایمان بالقدر)

تو یہ نطفہ بھی اسی طرح چالیس دن تک نطفہ ہی کی شکل میں رہتا ہے اس کے بعد وہ علقہ بن جاتا ہے۔

علقہ: خون بستہ کو کہتے ہیں، یہ بھی چالیس دن تک بندھا ہوا خون ہی رہتا ہے، اوراس میں بھی مسلسل انقلابات وتغیرات ہوتے رہتے ہیں، مگر محسوس چالیس دن کے بعد ہی ہوتے ہیں، جبکہ وہ گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے۔

مضغہ: اس میں جب گوشت کی شکل آجاتی ہے تو وہ چالیس دن تک اسی شکل کا رہتا ہے اوراس زمانہ میں اس میں بھی غیر محسوس طریقہ پر زیادتی ہوتی رہتی ہے۔

فائدہ: یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس تحویل میں کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دفعۃً بچہ بنانے پر بھی قادر ہیں، مگر اس تحویل اور تدریج میں بے شمار فوائد اور حکمتیں ہیں، ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر اس مادہ کو دفعۃً بڑھادیں تو والدہ اس کو برداشت نہیں کرسکے گی، بعض دفعہ بیاری سمجھ کر پریشان ہوجائے گی۔

اس لئے بتدریج اس کے اندر بڑھوتری کو رکھا ادھر نطفہ میں بڑھوتری ہو آہستہ آہستہ ادھر والدہ میں قوت تحمل بڑھتی رہے۔

دوسرا فائدہ: مثلاً یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اوراس کے عظیم احسان کو سوچ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت وشکر گذاری کو اختیار کرے، کہ اس نے کیسے ناپاک نطفہ سے کن کن تغیرات کے بعد انسان کو وجود بخشا اور کیسا کامل اور حسین وجمیل بنایا۔

تیسرا فائدہ: یہ ہے کہ انسان غور کرے کہ جو اللہ تعالیٰ ایک نطفہ کو ایسے ایسے تغیرات کے بعد ایسا کامل اور حسین انسان بنا سکتا ہے، وہ مرنے کے بعد دوبارہ اس کو زندہ بھی کرسکتا ہے وغیرہ۔ اس طرح کی متعدد حکمتیں ہیں۔

سوال مع جواب

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ زیادتی اور بڑھوتری کہاں سے ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بڑھوتری ماں کی خوراک سے نکل کر اس کو پہنچتی ہے، یعنی ماں جو کچھ کھاتی ہے اس میں کا کچھ حصہ بچہ کی خوراک بن جاتا ہے۔

ثم یبعث اللّٰہ الیہ ملکا الخ: تو اللہ تعالیٰ چار کلمات لکھنے کے لئے ایک فرشتہ کو اس کے پاس بھیجتا ہے۔ اور وہ فرشتہ اس کا عمل لکھ دیتا ہے کہ عمل کیا کرے گا اور اس کی عمر لکھ دیتا ہے اس کی عمر کتنی ہوگی، اس کا رزق بھی لکھ دیتا ہے کہ یہ اتنا رزق کھائے گا، اتنا پانی پئے گا، اتنی ہوا پھانکے گا اور یہ بھی لکھ دیتا ہے کہ یہ شقی ہے یا سعید ہے یہ سب لکھ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ پھر اس میں روح پھونکتا اور ڈالتا ہے۔

مزید توضیح

یعنی اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتے کو چوتھے مرحلہ میں بھیجتا ہے جس وقت اس کی بناوٹ مکمل ہو جاتی ہے اور اس کے اعضاء صورت اختیار کر لیتے ہیں پھر وہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور نوشتہ تقدیر کے مطابق اس بندے کے اعمال اور عمر اور رزق وغیرہ بندے کے حسب حال نقش کر دیتا ہے پس جس کو حق کی قبولیت کے لئے مستعد اور اس کا متبع پاتا ہے اور اس کو بھلائی اور نیکی کا اہل اور نیکی کے اسباب کی جانب راغب دیکھتا ہے تو اس کو سعداء و نیک بختوں میں شمار کر دیتا ہے اور اسی طرح جس کو حق سے اعراض کرنے والا اور سخت دل اور طبعاً مضر پاتا ہے تو اس کو اشقیاء اور ہالکین کی فہرست میں درج کر دیتا ہے اور جن افعال کی اس سے توقع ہوتی ہے یعنی شرور اور معاصی ان کو لکھ دیتا ہے۔ (الطیبی: ۲۳۸/۱، باب الایمان بالقدر)

اشکال: (۱)......پھر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ تیسرے اربعین کے بعد آتا ہے، اور مسلم شریف میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ بیالیس دن کے بعد فرشتہ آجاتا ہے اور نطفہ کو علقہ، مضغہ بناتا رہتا ہے، فتعارضا

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں الگ الگ فرشتہ مراد ہے، ایک نطفہ کی حفاظت کے لئے بھیجا جاتا ہے، اس کا بیان مسلم شریف کی روایت میں ہے۔ اور دوسرا فرشتہ تقدیر لکھنے کے لئے بھیجا جاتا ہے جو تیسرے دور کے بعد آتا ہے، لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

اشکال: (۲)......دوسرا اشکال یہ ہے کہ روایت ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ روح سے پہلے تقدیر لکھی جاتی ہے اور بیہقی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ روح کے بعد تقدیر لکھی جاتی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ بیہقی کی روایت میں ترتیب اخبار ہے ترتیب واقع نہیں۔ یا پھر شیخین کی روایت کو راجح قرار دیا جائے گا۔

اشکال: (۳)......تیسرا اشکال یہ ہے کہ اس میں چار کلمات لکھنے کا ذکر ہے، دوسری روایت میں پانچ کلمات کا ذکر ہے۔

جواب: جواب یہ ہے کہ یہاں اختصار ہو گیا، یا ایک عدد کو ذکر کرنے سے دوسرے عدد کی نفی نہیں ہوتی۔ فلا اشکال. (مرقاۃ: باب الایمان بالقدر)

ایک غلط نظریہ کی تردید

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کا رزق وغیرہ پہلے سے لکھدیا جاتا ہے اس سے ان لوگوں کے غلط نظریہ کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ بچے زیادہ ہوں گے تو کھانے کو کہاں سے آئے گا، اور اسی غلط نظریہ کے تحت وہ نسبندی وغیرہ

کراتے ہیں۔

نوشتہ تقدیر غالب آتا ہے

فو الذی لا الہ غیرہ ان احدکم لیعمل بعمل اھل الجنۃ الخ: پس قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی لائق پرستش نہیں ہے کہ تم میں سے ایک انسان بے شک جنتیوں کے عمل کرتا ہے، یہاں تک کہ اس انسان اور جنت کے درمیان صرف ایک ذراع کا فاصلہ رہ جاتا ہے پس اس پر نوشتۂ تقدیر غالب آتا ہے اور وہ جہنمیوں کا سا عمل کرتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور ایک انسان جہنمیوں جیسا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ذراع کا فاصلہ رہ جاتا ہے، مگر پھر وہ جنتیوں جیسا عمل کرتا ہے، اور بالآخر جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

فوائد

(۱)......ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث پاک میں تنبیہ ہے اس بات پر کہ سالک کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنے اعمال حسنہ کی وجہ سے دھوکہ میں نہ پڑ جائے اور عجب وتکبر اور اعمال سیئہ سے پرہیز کرے اور رضا بالقضاء کو تسلیم کرتے ہوئے خوف اور امید کے درمیان کا راستہ اختیار کرے۔

(۲)......اسی طرح جب اس سے اعمالِ سیئہ کا صدور ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے مایوس نہ ہو اس لئے کہ جب اس کی عین عنایت ظاہر ہو گی تو بندے کے اعمالِ سیئہ کو اعمال حسنہ کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا۔

(۳)......اسی طرح کسی کو نیک اعمال وافعال میں مشغول دیکھ کر اس پر جنت کا حکم نہیں

لگا سکتے۔

(۴)......اسی طرح کسی کو برے اعمال کا خوگر دیکھ کر اس کے بارے میں جہنم کا فیصلہ کر دینا قطعی غلط ہے اس لئے کہ اعتبار ان اعمال وعقائد کا ہے جن پر زندگی کا خاتمہ ہوا اور اس پر عالم الغیب والشہادۃ کے علاوہ کوئی مطلع نہیں ہے۔ (مرقاۃ: باب الایمان بالقدر: ۱/۱۵۲)

(۵)......اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بڑے سے بڑے گنہگار کو بھی حقیر نہ جانو، اور اپنے اعمال پر فخر وغرور نہ کرو، ہوسکتا ہے کہ جنت میں اور آپ میں تھوڑا سا فرق رہجائے اور نوشتہ ازل غالب آ جائے اور جہنم میں داخل ہونا پڑے، اور جسے تم گنہگار سمجھ رہے ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے۔

پس طاعات وعبادات کی وجہ سے نہ کبر وغرور اور عجب وخود پسندی میں مبتلا ہونے کی گنجائش ہے، بلکہ کرتے رہنا ہے اور ڈرتے رہنا ہے، اور نہ کسی کو اس کے اعمال سیئہ کی وجہ سے حقیر وذلیل جاننے کی گنجائش ہے۔

(۶)......چلہ کا ثبوت

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نطفہ علقہ پھر علقہ سے مضغہ وغیرہ چالیس چالیس دن میں ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ چالیس دن کو تغیر ہونے میں خاص دخل ہے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں چالیس دن تکبیر اولیٰ سے نماز پڑھنے پر خاص فضیلت وارد ہوئی ہے کہ اس کے لئے دو برائتیں لکھ دی جاتی ہیں۔

(۱)......براۃ من النار.

(۲)......براۃ من النفاق.

ایسے ہی حرم مدینہ میں چالیس نمازیں باجماعت تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھنے کی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے، پس اس حدیث پاک سے چلہ کا ثبوت نکل آیا، اسی وجہ سے مشائخ کے یہاں بھی سالکین کے لئے چلہ تجویز کیا جاتا ہے، اور تبلیغی جماعت میں بھی چلہ طلب کیا جاتا ہے، کہ بندہ جب چالیس روز باجماعت نماز ادا کریگا، گناہوں سے بچے گا، پس نماز کی اور دیگر نیک اعمال کی عادت اسکی پختہ ہوجائے گی، اسی طرح گناہوں کا چھوڑنا اس کیلئے آسان ہوجائیگا۔

اعتبار خاتمہ کا ہے

﴿۷۷﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ" (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۲/۹۷۸، باب العمل بالخواتیم، کتاب القدر، حدیث نمبر: ۶۶۰۷، مسلم شریف: ۱/۷۲، باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسه، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۱۲۔

حل لغات: خواتیم واحد خاتمۃ انجام، انتہاء۔

ترجمه: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ یہ بات سچی ہے کہ کوئی شخص دوزخیوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے، لیکن وہ جنتی ہوتا ہے، اسی طرح کوئی شخص عمل جنتیوں جیسا کرتا ہے، مگر وہ دوزخی ہوتا ہے، اعتبار اسی عمل کا ہے جس پر خاتمہ ہو۔

تشریح: پس انسان کو جب تک ایمان پر خاتمہ نہ ہوجائے برابر ڈرتے رہنا چاہئے۔

اور پختگی سے عمل کرتے رہنا چاہئے۔ اور کسی گنہگار بلکہ کافر و فاسق کو بھی حقیر و ذلیل نہ سمجھنا چاہئے کیا معلوم اسکو موت سے پہلے ایمان کی توفیق ہو جائے اور اسی پر اسکا خاتمہ ہو جائے۔

نیز اس حدیث پاک میں اسطرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ملکیت میں جو تصرف چاہتا ہے کرتا ہے، اسکا تصرف عدل و انصاف ہے اسمیں کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں اسلئے کہ وہ مالک ہے، خالق ہے، مالک و خالق کو اپنی مملوک و مخلوق میں ہر طرح تصرف کرنے کا حق ہے، پس بندوں کا کام اسکی عبادت و طاعت برابر کرتے رہنا اور برابر ڈرتے رہنا ہے۔ فقط

جنت و جہنم میں دخول طے ہو چکا ہے

﴿۷۸﴾ **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ دُعِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى جَنَازَةِ صَبِيٍّ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ طُوبٰى لِهٰذَا عُصْفُورٌ مِنْ عَصَافِيرِ الْجَنَّةِ، لَمْ يَعْمَلِ السُّوءَ وَلَمْ يُدْرِكْهُ فَقَالَ أَوَ غَيْرَ ذٰلِكَ يَا عَائِشَةُ أَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۳۳۷، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ، کتاب القدر، حدیث نمبر: ۲۶۶۲۔

حل لغات: العصفور چڑیا، چھوٹا پرندہ، جمع عصافیر، اصلاب واحد صلب نسل، خاندان، فلان من صلب فلان، فلاں فلاں کی اولاد سے ہے۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انصار کے ایک بچے کے جنازہ میں شرکت کے لئے

بلایا گیا، میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مبارک باد ہے، اس بچے کے لئے وہ تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا کے مانند ہے، اس نے نہ تو کوئی برا کام کیا اور نہ ہی برے کام کے پاس بھٹکا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عائشہ! اس کے سوا بھی کچھ ہے، اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو جنت میں جانے کے لئے پیدا کیا ہے، اور ان کے لئے جنت کا اسی وقت فیصلہ کر دیا تھا، جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو جہنم میں جانے کے لئے پیدا کیا ہے، اور ان کے لئے اسی وقت دوزخ طے کر دی تھی جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔

تشریح: طوبی[1] لھذا عصفور من عصافیر الجنۃ: اس کے واسطے خوشخبری ہو کہ یہ ایک چڑیا ہے جنت کی چڑیوں میں سے یعنی چڑیا کے مثل ہے کہ چڑیا جس طرح چمن میں جس درخت پر چاہتی ہے جاتی ہے، کھاتی ہے، اسی طرح یہ بھی ہے۔ کیونکہ اس نے تو کوئی برا عمل نہیں کیا، اور نہ زمانہ کو ایسا پایا جس میں کوئی برا عمل کرتا یعنی زمانہ بلوغ کو نہیں پایا کیونکہ بلوغ سے پہلے تو بچہ مکلف ہی نہیں ہوتا اور نہ اچھائی برائی کا محل ہوتا ہے۔

وقال او غیر ذلک[2]: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

---

[1] طوبیٰ: یہ فُعْلیٰ کے وزن پر ہے طیب سے مشتق ہے یا کو واؤ سے بدل دیا گیا، اس کے ماقبل ضمہ ہونے کی وجہ سے طوبیٰ ہوگیا۔ (الطیبی: ٢٤٠/١، باب الایمان بالقدر)

[2] او غیر ذلک: اس میں ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور واؤ عاطفہ ہے، معطوف علیہ محذوف ہے، اور غیر مرفوع ہے، پوشیدہ عامل کے ذریعہ سے اور تقدیری عبارت "اوقع ھذا او غیر ذلک" ہے۔ او تردید بین الشیئین کے لئے بھی ہوسکتا ہے، یعنی تم جو کہتی ہو وہ ہوگا یا دوسرا احتمال ہوگا کسی پر یقین نہیں، اور او 'بل' کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: "وارسلناہ الیٰ مائۃ الف او یزیدون" ای بل یزیدون۔ یہاں او بل کے معنی میں ہے۔ (الطیبی: ٢٤١/١، باب الایمان بالقدر)

معاملہ اس کے خلاف بھی تو ہوسکتا ہے، اس کو جو بات تم نے بیان کی ہے دوسری طرح بھی بیان کر سکتے ہیں یا یوں کہ بغیر تحقیق کے کوئی بات نہ کہو۔

اشکال مع جواب

پھر حدیث ہذا میں اشکال ہوتا ہے کہ مؤمنین کے نابالغ بچوں کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ بہشتی ہیں اس کے باوجود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکیر کیوں فرمائی۔

تو علامہ تورپشتیؒ نے یہ جواب دیا کہ بہشتی ہونے کے حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ یا اس لئے نکیر فرمائی کہ بچے والدین کے تابع ہو کر بہشتی ہونگے اور والدین کا خاتمہ بالخیر نامعلوم ہے۔ سب سے واضح جواب یہ ہے کہ یہاں اطفال مؤمنین کے بہشتی ہونے پر انکار نہیں فرمایا بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کلام کا ادب سکھانا مقصد تھا کہ غائب کے امر کے بارے میں اتنے یقین کے ساتھ کہنا مناسب نہیں۔ پھر صاحب وحی کے سامنے جبکہ وہ خود خاموش ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت والوں کو پیدا کر دیا تھا حالانکہ وہ اپنے باپوں کی پیٹھوں میں ہی تھے، ایسے ہی جہنم والوں کو جبکہ وہ باپ کی پیٹھوں ہی کے اندر تھے۔

فوائد حدیث

(۱)...... اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ بغیر تحقیق کے کوئی بات نہیں کرنی چاہئے، اگر چہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ یہ جنت ہی میں جائیگا مگر آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ بغیر تحقیق بات نہ کہنی چاہئے چاہے وہ فی الواقع صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

(۲)......اور دوسری بات تقدیر کی معلوم ہوئی کہ سب کا جنتی یا جہنمی ہونا پہلے ہی سے لکھ دیا گیا ہے، ہر انسان اپنے مکتوب کے مطابق عمل کرتا ہے۔اور اپنے مقام کو پالیتا ہے۔

(۳)......حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جنت کا ملنا اعمال کی بنیاد پر نہیں، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے لطف وفضل کی بنیاد پر ہے، اور نیک اعمال کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کے لطف وفضل پر ہی موقوف ہے۔

تقدیر کا مطلب عمل ترک کرنا نہیں ہے

﴿۷۹﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى" الآية (متفق عليه)

حوالہ: بخاری شریف:۲/۷۳۸،باب واما من بخل واستغنی، کتاب التفسیر، سورۃ اللیل، حدیث نمبر:۴۹۴۷،مسلم شریف:۲/۳۳۴،باب کیفیۃ خلق الآدمی، کتاب القدر، حدیث نمبر:۲۶۴۷۔

حل لغات: المقعد بیٹھنے کی جگہ،سیٹ،جمع مقاعد، مُيَسَّرٌ يَسَّرَ لَهٗ كذا

تفعیل سے کسی کے لئے کوئی چیز فراہم کرنا، تیار کرنا، آسان بنانا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر شخص کا جنت اور جہنم میں ٹھکانا لکھا جا چکا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم اپنے لکھے ہوئے پر بھروسہ کرلیں اور عمل کو ترک کر دیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمل کرتے رہو، ہر شخص کے لئے وہی آسان کیا جائے گا جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، چنانچہ جو شخص نیک بختوں میں سے ہے اس کے لئے نیک بختی آسان کردی جاتی ہے، اور جو شخص بدبختوں میں سے ہوتا ہے اس کے لئے بدبختی آسان کردی جاتی ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت تلاوت فرمائی جس نے اللہ کی راہ میں صدقہ کیا، اور تقویٰ اختیار کیا، اور اچھی بات کی تصدیق کی تو اس کے لئے ہم آسانی کی جگہ آسان کر دیں گے الخ۔

تشریح: مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ: فرمایا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا ٹھکانا نہ لکھ دیا گیا ہو جنت میں یا جہنم میں۔

لوگوں نے کہا کہ جب سیٹیں لکھ دی گئیں تو وہاں تو جانا ہی پڑیگا اگر جنت میں لکھدی تو وہاں اور اگر دوزخ میں لکھدی تو وہاں پھر عمل کا کیا دخل ہے۔ ہم تو لکھے ہوئے پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں، اور عمل کو چھوڑ دیں۔

افلا نتکل: دراصل اس میں ایک سوال ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آیا۔

سوال: جب ہر ایک کے لئے جنت یا جہنم کا فیصلہ کیا جا چکا تو ہمارے عمل کرنے اور سعی کرنے سے کیا فائدہ ہے اس لئے کہ ہمارا عمل اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو تو نہیں بدل سکتا تو ہم کیوں نہ نوشتۂ تقدیر اور ازلی فیصلہ پر اعتماد و بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں اور عمل کو چھوڑ دیں؟

جواب: اعملوا: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد: "اعملوا" سے اس کا جواب دیا اور نہایت حکیمانہ اسلوب اختیار فرمایا اور ترکِ عمل اور نوشتۂ تقدیر پر تکیہ کرنے سے ان کو منع فرمایا اور اپنے مولیٰ کے حکم کو بجالانے کا حکم فرمایا اور وہ ہے بلا تاخیر بلا چون وچرا اس کی غلامی کرنا اور اس کا انجام اپنے مولیٰ کے حوالے کر دینا یعنی تم غلام ہو تمہارے لئے غلامی ضروری ہے، پس تم پر اس کی اطاعت وفرمانبرداری لازم وضروری ہے، اور امور الٰہیہ میں تصرف سے بچنا اور ان میں چون وچرا کرنے سے احتراز کرنا بھی ضروری ہے۔ "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" [اور میں نے جن وانس کو اسی واسطے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کیا کریں] (بیان القرآن) پس تم عبادت اور اس کے ترک کو جنت اور جہنم میں داخل ہونے کا سبب مستقل نہ بناؤ، بلکہ اعمال تو ان کے دخول کی نشانیاں ہیں، چنانچہ قبولیت کے لئے اس کا لطف وکرم ضروری ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل کی بنا پر جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ (الطیبی: ۲۴۳/ ۱، باب الایمان بالقدر)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیکار کیوں بیٹھتے ہو عمل کرو، جب پورا عالم اور کائنات عمل میں لگی ہوئی ہے تو تو ہی کیوں بیکار بیٹھا ہے عمل کرو عمل۔

فکل میسر لما خلق اللہ لہ: ہر انسان سہولت دیا جاتا ہے اس کی جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے، اگر جنت میں اس کی جگہ لکھ دی گئی ہے تو جنت ہی کے اعمال کی اس کو سہولت دی جاتی ہے اور جس کی سیٹ جہنم میں ہوتی ہے تو وہی اعمال اس کے لئے آسان کر دئے جاتے ہیں، چنانچہ دیکھا ہوگا کہ ایک ہی ماں کے دو بیٹے ہوتے ہیں ان میں سے ایک علم حاصل کرتا ہے اور علم کے تمام اسباب اس کے لئے آسان کر دئے جاتے ہیں، اور ایک علم حاصل کرنے کے بجائے واہی تباہی میں مشغول ہوتا ہے، فلم دیکھتا ہے بیڑیاں پیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اورآنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

فاما من اعطی و اتقی و صدق بالحسنی فسنیسرہ للیسری: 'یسریٰ' سے جنت اور 'عسریٰ' سے جہنم مراد ہے۔

فاما من اعطی: جوشخص عطا کرے صدقہ کرے اور مطلب یہ ہے کہ جو قوت اللہ نے اس کو دی ہے وہ اسے نیک عمل میں لگادے۔

و اتقی: اورتقویٰ اختیار کرے۔

و صدق بالحسنی: اورتصدیق کرے کلمۂ حسنیٰ کی جو "لاالہ الا اللہ" ہے یعنی اس نے لاالہ الا اللہ کی تصدیق کی تو اس کو یسریٰ یعنی جنت آسان کردی جاتی ہے، یہاں عمل کومقدم کیا ہے اور ایمان کو مؤخر حالانکہ ایمان مقدم ہوتا ہے اور عمل مؤخر، اس کی وجہ یہ ہے کہ عمل ظاہر ہوتا ہے اور ایمان مخفی اس لئے ظاہر کو مخفی پر مقدم کردیا۔

چنانچہ اعطیٰ سب سے ظاہر ہے تو اس کو سب سے مقدم کیا اور تقویٰ مخفی ہے اس لئے اس کو اعطیٰ کے بعد میں بیان کیا، اور ایمان چونکہ ابطن واخفی ہے اس لئے اس کو سب سے بعد میں بیان کیا، ان کو اللہ نے اس ترتیب سے بیان کیا ہے۔

و اما من بخل: لیکن جو بخل کرے یعنی جو قوت اللہ نے اس کو دی ہے اس کو عمل میں نہ لگاوے ہاتھ سے ہاتھ کا کام نہ کیا زبان سے زبان کا کام نہیں کیا، مال خرچ کرنے کا موقع آئے تو بخل کرے۔

و استغنی: اور مستغنی ہوجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے۔

و کذب بالحسنی: اور کلمۂ حسنیٰ "لا الہ الا اللہ" کی تکذیب کرے۔

فسنیسرہ للعسری الخ: اس کے لئے عسریٰ یعنی جہنم آسان کردی جاتی ہے۔

مقصد اس حدیث شریف کا یہ ہے کہ نتائج اگر چہ مقدر کردیئے گئے ہیں۔مگر عمل چونکہ اختیار میں ہے اس وجہ سے ان پر مؤاخذہ ہوگا، یعنی اعمال اختیاری اور ان کے نتائج غیر اختیاری ہیں اور اعمال پر چونکہ مؤاخذہ ہوگا اور اعمال کا نتیجہ چونکہ اللہ کو معلوم ہے اس لئے اس کو بیان کردیا کہ انسان کو عمل کرنا محنت وکوشش کرنا ضروری ہے، ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیکار بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے۔

نفس خواہشات کا مرکز ہے

﴿۸۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ عَلَی ابْنِ آدَمَ حَظَّہٗ مِنَ الزِّنَا اَدْرَکَ ذٰلِکَ لَامُحَالَۃَ فَزِنَا الْعَیْنِ النَّظَرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ، وَالنَّفْسُ تَمَنّٰی وَتَشْتَھِیْ وَالْفَرْجُ یُصَدِّقُ ذٰلِکَ وَیُکَذِّبُہٗ" (متفق علیہ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ کُتِبَ عَلَی ابْنِ آدَمَ نَصِیْبُہٗ مِنَ الزِّنَا مُدْرِکٌ ذٰلِکَ لَامُحَالَۃَ، اَلْعَیْنَانِ زِنَاھُمَا النَّظَرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاھُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاہُ الْکَلَامُ وَالْیَدُ زِنَاھَا الْبَطْشُ، وَالرِّجْلُ زِنَاھَا الْخُطَا وَالْقَلْبُ یَھْوٰی وَیَتَمَنّٰی وَیُصَدِّقُ ذٰلِکَ الْفَرْجُ وَیُکَذِّبُہٗ۔

حوالہ: بخاری شریف:۲/۹۲۳،۹۲۲، حدیث نمبر:۶۲۴۳، باب زنا الجوارح دون الفرج، کتاب الاستئذان، مسلم شریف:۲/۳۳۶، باب قُدِّرَ علی ابن آدم حظه، کتاب القدر، حدیث:۲۶۵۷۔

حل لغات: الحظ نصیب، قسمت، حصہ جمع حُظُوظ، تمنی الشئ تفعل سے آرزو کرنا، خواہشمند ہونا، تشتھی واحد مؤنث غائب فعل مضارع الشئَ زیادہ چاہنا یھوٰی

هَوِیَ (س) فلانٌ فلاناً چاہنا، محبت کرنا، **البطش** طاقت، سختی، **بَطَشَ بَطْشاً (ن ض)** سخت گیری کرنا، تشدد کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدمی کی تقدیر میں زنا کا جو حصہ مقرر کر دیا ہے وہ ضرور اس پر عمل کرے گا، چنانچہ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بات کرنا ہے، نفس خواہش وآرزو کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ (بخاری ومسلم) مسلم کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے مقدر میں زنا کا جو حصہ مقرر فرمادیا وہ یقیناً اس کو کرگزرے گا، چنانچہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور دونوں کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا بات کرنا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، پیر کا زنا چل کر جانا ہے، دل خواہش وآرزو کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

تشریح: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان اگر زنا کرتا ہے تو اس کا زنا بھی اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ یہ زنا کریگا۔ اور وہ انسان اس کو کریگا، لامحالہ ضروری طور پر پھر زنا کی بہت سی قسمیں ہیں ان کی تفصیل آگے ذکر کی ہے۔

کتب علی ابن آدم حظه من الزنا: کہا گیا ہے کہ کتب کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طور سے ثابت کر دیا کہ اس کے لئے ایسے حواس پیدا فرمائے جن کے ذریعہ آدمی اس کی لذت کو پاتا ہے اور ایسے قویٰ دئے ہیں جن کے ذریعہ سے آدمی زنا پر قادر ہو جاتا ہے۔ **من الزنا** میں **من** بیانیہ ہے، اور جو اس سے متصل ہے وہ **حظه** سے حال ہے، **حظ** سے مراد مقدماتِ زنا ہیں، یعنی اس کی تمنا کرنا اور اس کی طرف چلنا اور اس کا کلام کرنا اور دیکھنا چھونا اور خلوت اختیار کرنا وغیرہ اور مقدماتِ زنا کو زنا کا نام دینا بطور مبالغہ کے ہے یا مسبب کا اطلاق سبب پر کر دیا گیا ہے۔ **(مرقاۃ: ۱/۱۵۶، باب الایمان بالقدر)**

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں ان اشیاء کا یعنی مقدمات زنا کو زنا اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ متعلقات اس کے وقوع کی خبر دیتے ہیں اور تصدیق وتکذیب کا فرج کی جانب منسوب کرنا اس لئے ہے کہ وہ اس کا مصدر اور مکان ہے۔(مرقاہ:۱۵۷/ ۱، باب الایمان بالقدر)

زنا العین النظر: آنکھ کا زنا اس کا دیکھنا ہے۔

زنا اللسان المنطق: زبان کا زنا اس کا گفتگو کرنا ہے۔منطق یہ مصدر ہے اس سے بولنا مراد ہے، کلام فاحش کرنا، ناخوش باتیں کرنا زانیہ سے عہد و معاہدہ کرنا، جو شخص درمیان میں واسطہ ہو اس سے زنا سے متعلق باتیں کرنا، زنا پر ابھارنے والے عشقیہ اشعار بنانا اوران کا پڑھنا۔(مرقاۃ):۱۵۸/۱، باب الایمان بالقدر) یہ زبان کا زنا ہے اور نفس تمنا کرتا ہے اور اس زنا کی خواہش کرتا ہے دل ہی ہاتھوں کو حکم کرتا ہے کہ معشوقہ کے پاس خط لکھو، آنکھ کو حکم دیتا ہے کہ اس کو دیکھو، اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کردیتی ہے۔

اگر فرج تک نوبت پہونچ گئی ہے تو وہ اس کی تصدیق کردیتی ہے کہ ہاں اس کے تمام اعضاء زانی ہیں اور اگر وہاں تک نوبت نہیں پہنچتی تو تکذیب کردیتی ہے کہ اعضا زانی نہیں ہیں۔

مقصد اس حدیث شریف کا یہ ہے کہ بنی آدم کے جرائم بھی لکھے ہوئے ہیں زنا کو ذکر کردیا اور اس سے تمام جرائم مراد ہیں کہ سب جرائم لکھ دئے جاتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان جرائم پر دلیر ہوجائے، بلکہ اس کے لئے لازم ہے پورے طور پر اجتناب کرے، چونکہ لکھے جانے سے بندہ کا اختیار سلب نہیں ہوا اس لئے ان جرائم کے ارتکاب پر پکڑ اور سزا ہوگی۔

وفی روایۃ لمسلم قال کتب الخ: اس کا مطلب بھی یہی ہے جو پہلی حدیث کا ہے۔

فائدہ: حدیث پاک کا مقصد یہ بھی ہے کہ جس طرح حقیقی زنا کو برا سمجھتے ہیں اور اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح زنا کے متعلقات اور مبادی وذرائع کو بھی برا سمجھنا اور ان سے اجتناب ضروری ہے۔

انسان وہی کرتا ہے جو پہلے سے طے ہے

﴿۸۱﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی الله عنه اَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ مُزَيْنَةَ قَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ الْيَوْمَ وَيَكْدَحُوْنَ فِيْهِ اَشَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضٰى فِيْهِمْ مِنْ قَدْرٍ سَبَقَ اَوْ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُوْنَ بِهٖ مِمَّا اَتَاهُمْ بِهٖ نَبِيُّهُمْ وَثَبَتَتِ الْحُجَّةُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لَا بَلْ شَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضٰى فِيْهِمْ وَتَصْدِيْقُ ذٰلِكَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ "وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۳۳۴، باب کیفیة خلق الآدمی فی بطن امه، کتاب القدر، حدیث نمبر: ۶۵۰۔

حل لغات: یکدحون، کَدَحَ فی العمل کدحاً (ف) محنت کرنا، مشقت اٹھانا، فالهمها الهم الله خیراً، اللہ کا کسی کے دل میں خیر کی بات ڈالنا، فجور فجر (ف) فجراً بے پرواہی کے ساتھ گناہوں میں مبتلا ہونا۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ مزینہ کے دو آدمیوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! یہ بتایئے کہ آج کل لوگ جو کام کرتے ہیں اور اس سلسلے میں جو محنت برداشت کرتے ہیں، کیا یہ وہی چیز ہے جو ان کے لئے

مقدر ہو چکی ہے، اور اسی تقدیر کا حصہ ہے جس کا پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے، یا یہ وہ چیز ہے جو آئندہ پیش آنے والی ہے اور ان باتوں میں سے ہے جو ان کا نبی ان کے پاس لے کر آیا ہے اور واضح دلیل سے ان پر ثابت ہو چکی ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ یہ وہی چیز ہے جو ان کے لئے مقدر ہو چکی ہے اور جس کا فیصلہ ان کے بارے میں پہلے ہی ہو چکا ہے، اور اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب کی اس آیت سے ہوتی ہے۔ "قسم ہے جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو پیدا کیا، اور پھر اس کو اس کی پرہیزگاری اور بدکاری کا الہام فرمایا۔

تشریح: ار أیت: اس میں ہمزہ استفہام کا ہے کہ کیا آپ نے دیکھا اور جو دیکھتا ہے تو اس کو علم بھی ہو جاتا ہے اس لئے اس کا ترجمہ ہوا کیا آپ جانتے ہیں اور اس سے مراد معلوم کرنا ہوتا ہے تو اس لئے اس کا ترجمہ اخبرنی کے ساتھ کرتے ہیں کہ آپ خبر دیجئے، کہ لوگ جو عمل کرتے ہیں۔ روزہ رکھتے ہیں، اور دوڑ دھوپ کرتے ہیں تو یہ کوئی طے شدہ حقیقت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے، یا استقبال میں ہی ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام اعمال تقدیر خداوندی کی وجہ سے ہوتے ہیں، یا بغیر تقدیر کے؟ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے **"فیما یستقبلون به الخ"** جملہ ثانیہ کی نفی کر دی کہ نہیں بلکہ ہر شئی کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے اسی کے اعتبار سے وہ ہوتا ہے اور اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے۔ **"ونفس وماسوٰها فالهمها فجورها وتقوٰها"** اللہ تعالیٰ نے نفس کی، نفس کے بنانے والے کی قسم کھائی کہ اللہ نے اس کو بنا دیا اور الہام کر دیا اس کو اس کی برائیوں اور اچھائیوں کا۔

قضا وقدر میں فرق

قدر سے مراد تقدیر ہے اور قضاء سے خلق، جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے **فقضاهن**

سبع سمٰوٰت فی یومین یہاں فقضاهن خلقهن کے معنی میں ہے پس قضاء اور قدر دو متلازم چیزیں ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ ان میں سے ایک بنیاد واساس کے درجہ میں ہے اور وہ قدر ہے اور دوسری تعمیر کے درجہ میں ہے اور وہ قضاء ہے، (الطیبی:۲۵۶/۱، باب الایمان بالقدر)

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ قدر نقاش کے ذہن میں صورت کے مقدر کرنے کی طرح ہے، اور قضا ایسا ہے کہ اس صورت کو شیشہ پر بنادینا اور طالب علم اپنے استاذ کے نشان کی اتباع میں اس پر رنگ چڑھاتا ہے وہ کسبی اور اختیاری ہے، اور طالب علم کے اپنے اختیار میں ہے۔ اس کے باوجود استاذ کے نشانات سے نہیں نکل سکتا، اسی طرح بندہ کا فعل اختیاری ہونے کے باوجود قضا اور قدر سے رہائی نہیں پا سکتا۔ (الطیبی:۲۴۷/۱، باب الایمان بالقدر)

پس اللہ نے ایک انسان کو کافر بنایا اور جہنم میں بھیج دیا اور دوسرے کو مسلم بنایا اور جنت میں داخل کردیا یہ عدل کے خلاف نہیں ہے بلکہ جس کو مسلم بنایا اسے اپنے فضل سے بنایا اور جس کو کافر بنایا اسے اپنے عدل سے بنایا۔

جس طرح ایک انسان اپنی مملوک زمین میں ایک جگہ بیت الخلاء بناتا ہے اور ایک جگہ باورچی خانہ جس طرح یہ ظلم نہیں ہے اسی طرح یہ بھی ظلم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ابوجہل بنادیا اور کسی کو ابولہب بنادیا، اور کسی کو عمر فاروق اور ابوبکر رضی اللہ عنہما بنادیا۔

نفع نقصان بھی مقدر ہے مگر لوگ نفع ڈھونڈتے ہیں، تجارتوں میں زراعتوں میں اور ان میں نقصان سے بچتے ہیں اور جنت دوزخ بھی مقدر ہے مگر نمازوں سے روزوں سے زکاتوں سے جنت نہیں ڈھونڈتے، اور گناہوں سے نہیں بچتے۔

تقدیر میں جولکھا ہے وہ ہوکر رہے گا

﴿۸۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ رَجُلٌ شَابٌّ وَاَنَا اَخَافُ عَلٰی نَفْسِیْ الْعَنَتَ وَلَا اَجِدُ مَا اَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَاءَ كَاَنَّهٗ یَسْتَاْذِنُهٗ فِی الْاِخْتِصَاءِ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّیْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّیْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّیْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَااَبَاهُرَیْرَةَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ فَاخْتَصِ عَلٰی ذٰلِكَ اَوْذَرْ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف:۲/۷۶۰،۷۵۹،باب مایکره من التبتل، کتاب النکاح، حدیث نمبر:۵۰۷۶۔

حل لغات: الاختصاء افتعال سے خصی کرانا،ہیجڑا بنانا، جَفَّ الشَّیْءُ (ض) جُفُوفاً وَجَفافاً خشک ہونا،سوکھنا،ذَرْ امر ہے وَذَرَهٗ چھوڑنا،اس باب سے صرف مضارع وامر مستعمل ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ”میں ایک جوان آدمی ہوں مجھے اپنے نفس کے زنا میں ملوث ہونے کا خطرہ رہتا ہے، اور مجھ میں اتنی استطاعت نہیں ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرلوں، گویا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خصی ہونے کی اجازت طلب کررہے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ کو کوئی جواب نہیں دیا، میں نے وہی بات پھر عرض کی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر خاموش رہے، میں نے اپنی بات پھر دہرائی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر کچھ نہیں بولے، میں نے اپنی بات پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے رکھی، تو حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے ابو ہریرہ! تم کو جو کچھ بھی پیش آنا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہوگیا، اب چاہے تم خصی بن جاؤ یا نہ بنو۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں جوان آدمی ہوں۔

دیکھئے یہ حضرات کتنے صاف گو تھے کتنے بے تکلف آدمی تھے جو کچھ کہنا چاہتے صاف صاف کہہ دیتے تھے ایسا نہیں کہ کچھ سمجھ میں آیا اور کچھ نہیں کہ کیا کہا۔

تو یہ جوان آدمی تھے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آپڑے تھے نکاح کا موقع نہ ملا تھا چنانچہ آپ سے بیان کیا کہ حضرت میں جوان آدمی ہوں، اگر چہ عقلمند آدمی اسی سے سمجھ جاتا ہے کہ کیا مقصد ہے مگر پھر بھی انہوں نے وضاحت کی کہ حضرت میں اپنے نفس پر عنت کا خوف کرتا ہوں۔

عــنــت کے معنی مشقت کے آتے ہیں، اور زنا پر اس کا اطلاق ہوتا ہے چونکہ زنا میں بڑی بڑی مشقتیں ہیں، اور بڑی شرطیں پانچ سو روپئے کی شرط، اب پھرتے ہیں مزدوری کرتے اور پھر اور مشقت گھٹنے پھوٹ گئے، اور پھر بعد میں رجم کا خوف، آخرت میں جہنم کا خوف۔

لا اجد ما اتزوج به النساء: اور نہیں پاتا ہوں میں ایسی شی جس سے نکاح کروں عورتوں سے اور وہ اکثر مال ہی ہوتا ہے اور آپ کے پاس مال کہاں رکھا تھا، جہاں سات سات روز کے فاقے ہوتے ہوں۔ اور کہاں ان کی شادی ہوتی چنانچہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اور ان کا مقصد اس سے شادی کرنا یا زنا کرنا کچھ نہ تھی، بلکہ خصی ہونے کی اجازت طلب کرنی تھی، تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری، کہ نہ یہ چیز رہے اور نہ وہ کام ہی ہو، کہ جب یہی نہ ہوگا تو زنا بھی نہ ہوگا۔

توانہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ کہا اور آپ نے کوئی جواب نہ دیا انہوں نے پھر بیان کیا کہ شاید سنا نہ ہو مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سکوت جواب ہی تھا۔ کیونکہ خاموش ہو جانا بھی جواب ہوتا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے چار مرتبہ بیان کیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

یا ابا ھریرۃ: اگرچہ وہ سامنے موجود تھے، مگر پھر بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یا حرف ندا کے ساتھ ندا کی۔

اس کا مزہ وہ جانتا ہے جس کو کسی سے محبت ہوگئی ہو اور اس کا محبوب اسکو نام لے کر آواز دے۔

تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جف القلم" قلم خشک ہو گیا ہے۔

یہ کنایہ ہے تقدیر خداوندی سے کہ تم سے زنا کا صدور ہوگا یا نہیں، یہ پہلے ہی لکھدیا گیا ہے پھر تم کیوں خصی ہوتے ہو۔

قلم کب سوکھتا ہے، جب اس کو لکھ کر رکھدیا جائے۔

فاختص علی ذلک او ذر: پس تو خصی ہو جا اس پر یعنی اس بات کے علم پر یعنی جب تمہیں اس کا علم ہو گیا تو آپ خصی ہوں یا نہ ہوں، آپ نے اس میں خصی ہونے کی نہ اجازت دی ہے اور نہ اس کا علاج بتایا ہے، بلکہ علاج دوسری حدیث میں مذکور ہے، کہ روزہ رکھنے سے خواہشات نفسانی مردہ ہو جاتی ہیں اور اگر انسان نسبندی کرالے تو پھر بھی بعض دفعہ تین تین بچے ہو جاتے ہیں، جیسا کہ آئے دن اخبار میں خبریں آتی رہتی ہیں۔

چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خصی نہیں ہوئے بلکہ آپ کی شادی ہوئی اور آپ کا خاندان چلا۔[1]

[1] اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ظاہری اسباب مدابیر کو تقدیر کا مقابل جاننا اور نوعیت تقدیر سے غافل ہو کر محض الٹی سیدھی تدبیریں کرنا جائز نہیں۔ (مظاہر حق جدید: ۱۴۷/۱، باب الایمان بالقدر)

مخلوق کے قلوب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں

﴿۸۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ آدَمَ کُلَّھَا بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ کَقَلْبٍ وَاحِدٍ یُصَرِّفُہٗ کَیْفَ یَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ" (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۳۳۵، باب تصریف اللہ تعالیٰ القلوب کیف شائہ کتاب القدر، حدیث نمبر: ۲۶۵۴۔

حل لغات: یُصرفُہ صرف الشیء تفعیل سے بالکل پلٹ دینا، بدل دینا، اامر تدبیر کرنا۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ "تمام لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ایسے ہی ہیں جیسے کہ وہ ایک دل ہو، وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو الٹتا پلٹتا ہے" پھر اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا مانگی: "اے دلوں کے پلٹنے والے خدا! ہمارے دلوں کو تو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے"۔

تشریح: بین اصبعین من اصابع الرحمن: اصبعین سے رحمٰن کی دو صفتیں صفت رحمت اور صفت قہاری مراد ہیں، صفت قہاری کے ذریعہ سے بدی اور فسق و فجور کا القاء کرتا ہے اور صفت رحمت کے ذریعہ سے تقویٰ و بھلائی کا الہام کرتا ہے، یعنی کبھی اس کو برائی اور بدکاری سے تقویٰ کی جانب پلٹ دیتا ہے، اس طریقہ

پر کہ وہ فسق و فجور کو چھوڑ کر متقی اور پرہیز گار بن جاتا ہے اور پھر دوبارہ اس کو تقویٰ سے فجور کی جانب پھیر دیتا ہے، اور متقی ہونے کے بعد وہ ایک فاسق و فاجر شخص بن جاتا ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے: "فالھمھا فجورھا وتقوٰھا" (الطیبی: ۱/۲۵۲، باب الایمان بالقدر)

اللہ تعالیٰ کیلئے ید، اصابع، وجہ، قدم وغیرہ کا مطلب اور اسمیں اختلاف

یہاں اللہ جل شانہ کے حق میں اصابع کا اطلاق کیا گیا، اسی طرح قرآن کریم وحدیث میں اللہ کے حق میں ید، قدم اور وجہ کا اطلاق کیا گیا، حالانکہ یہ سب اجسام کے لوازمات میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بالکل منزہ و پاک ہے۔ تو اس کے بارے میں امت کے تین فریق ہو گئے۔

ایک گروہ مجسمہ ومشبہ ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ممکنات کی طرح ید وقدم وغیرہ ہے۔ لیکن اہل السنّت والجماعت کہتے ہیں کہ اللہ اس سے پاک ہیں۔ اب ان میں دو گروہ ہیں۔ (۱) متقدمین حضرات کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ پیر ہیں، مگر ممکنات کی طرح نہیں، بلکہ خدا کی شان کے مطابق ہے، اور اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔ یہی جمہور سلف کی رائے ہے اور ہمارے امام ابو حنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ان کو مفوضہ کہتے ہیں، (۲) اور دوسرا گروہ مؤولہ ہے جو متاخرین کا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ کی ایسی تاویل کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے موافق ہو اور نصوص قطعیہ کے خلاف بھی نہ ہو۔ مثلاً ید سے قدرت مراد لی جائے اور وجہ سے ذات مراد ہو، ان کو تاویل کی ضرورت اس لئے پیش آئی تاکہ عوام کے ایمان کی حفاظت ہو، ورنہ یہ لوگ ایسے الفاظ کے معنیٰ نہ سمجھنے کی بنا پر انکار کر بیٹھیں گے۔

لہٰذا اصبعین سے مراد اللہ تعالیٰ کی طاقت وقوت کی طرف اشارہ ہے کہ تمام بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، جیسا کہ ہم بھی کہتے ہیں کہ فلاں آدمی میرے

ہاتھ میں ہے، اس کا مطلب تو یہ نہیں کہ وہ شخص تمہارے ہاتھ میں سمویا ہوا ہے، بلکہ مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ماتحت ہے۔ میں جو کہوں گا وہ مانے گا۔ یا اصبعین سے اللہ تعالیٰ کی دو صفت مراد ہیں، صفت جلالی وصفت جمالی، جمالی سے الہام تقویٰ وحسنات ہوتا ہے اور جلالی سے فسق وفجور کا القاء ہوتا ہے۔ یہ ان متشابہات میں سے ہیں جن کے لغوی معنیٰ معلوم ہیں، دوسرے متشابہات وہ ہیں جن کے معنیٰ لغوی ہی معلوم نہیں، اوائل سور کے حروف مقطعات ہیں، جن کے بارے میں بیضاوی شریف میں الـــــم کے تحت تفصیل سے ذکر کی ہے۔ (مرقاۃ: باب الایمان بالقدر)

سوال وجواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمام مخلوق کے دلوں کا اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہونے کا کیا مطلب ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سمجھانے کے لئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا آسان ہے جتنا کہ ایک دل کو دو انگلیوں میں پکڑ لینا، پورے انسانوں کے دلوں کو پکڑ لینا اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا ہی آسان ہے اور اس زمانہ میں تو اس کا سمجھنا اور بھی آسان ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی بہت بڑا کارخانہ ہے جس کے اندر نہ معلوم کتنے کام ہوتے ہیں اور کتنی مشینیں ہیں مگر ان سب کا دارومدار صرف ایک انگلی پر ہے، بجلی کے سوئچ پر انگلی لگانے سے تمام مشینیں چلتی اور بند ہوتی ہیں، جب اتنا بڑا کارخانہ صرف ایک انگلی میں ہے تو اسی طرح تمام مخلوق کے قلوب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں میں ہیں[1]۔

---

[1] قاضی صاحب فرماتے ہیں دلوں کو پھیرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب اس بات کی خبر دینے کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ قلوب کو خود حکم فرماتے ہیں، ان کو پلٹنے کا یہ کام اپنے ملائکہ میں سے کسی کو نہیں سونپا ہے، اور لفظ رحمٰن کو خصوصاً اس لئے ذکر کر دیا کہ یہ پھیرنا اور دل کا پلٹنا محض اس کی رحمت اور انعام واحسان کی بناء پر ہے تاکہ اس کے علاوہ کوئی بندوں کے رازوں سے باخبر نہ ہو۔ (الطیبی: ۱/۲۵۲، باب الایمان بالقدر)

اللہ تعالیٰ ان قلوب میں تصرف کرتا رہتا ہے، کبھی ایسا خیال آتا ہے کہ تقویٰ کے اعلیٰ مراتب پر پہنچ جاؤں، اور کبھی فسق وفجور کا خیال آتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ شرائع کے قوانین پر عمل کرنا چاہئے۔ صرف جذبات میں آ کر نہ رہنا چاہئے۔

اللّٰھمّ[1] مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک:

[اے اللہ! دلوں میں تصرف کرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر جما دے] اس سے اس کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو نیک اعمال کی کوشش کرتے رہنا چاہئے، اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہئے۔

ہر بچہ نیک فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے

﴿۸۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ "فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ" (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف:۱۸۵/۱، اذا مات الصبی فمات هل یصلی علیه کتاب الجنائز، حدیث نمبر:۱۳۵۸، مسلم شریف:۲/۳۳۶، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة، کتاب القدر، حدیث نمبر:۲۶۵۸۔

[1] اللّٰھمّ: اس کی اصل "یا اللہ" ہے پس حرف ندا یا کو حذف کر دیا گیا، اور اس کے عوض میں میم لے آئے، اسی وجہ سے لفظ یا اور میم جمع نہیں ہوتے اور کہا گیا ہے کہ اس کی اصل "یا الله امنا بخیر" ہے پس جو کچھ حذف کیا گیا ہے اس کو اختصاراً حذف کر دیا گیا۔ (مرقاة: ۱۶۱/۱، باب الایمان بالقدر)

حل لغات: یھودانہ تثنیہ ہے، ھَوَّدَ فلانا تفعیل سے یہودی بنانا، ینصرانہ نَصَّرَہٗ تفعیل سے کسی کو نصرانی بنانا، یمجسانہ مَجَّسَہٗ مجوسی بنانا، آتش پرست بنانا، تنتج انتجت الناقۃ افتعال سے بچہ جننا، فلان الشیء پیدا کرنا، البھیمۃ چوپایہ، درندہ کے علاوہ، ج بھائم، جدعاء ج جُدُعٌ کٹی ہوئی ناک والا، جدع (ف) جدعاً ناک کٹی ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ''ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، یا نصرانی، یا مجوسی بنا دیتے ہیں، جیسے کہ مادہ چوپایہ جب جنتی ہے تو صحیح سالم بچہ جنتی ہے، کیا تم اس میں کوئی کمی محسوس کرتے ہو؟'' پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اللہ کی یہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا اور یہی مضبوط اور درست دین ہے۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی بھی بچہ ایسا نہیں ہے مگر یہ کہ وہ فطرۃ اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے۔

مـــا اور الا لا کر استغراق کر دیا کوئی بھی بچہ ایسا نہیں ہے مگر وہ فطرۃ اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے اور قبول اسلام کی پوری صلاحیت اس میں ودیعت کر دی جاتی ہے لیکن اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ماحول کا خاص اثر ہوتا ہے ماحول کا خاص طور سے لحاظ رکھنا چاہئے، اگر اچھا ماحول ہے تو اچھے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور اگر غلط ماحول ہے تو غلط جذبات ابھرتے ہیں، تو اس وجہ سے ماحول اور صحبت کا خاص طور سے لحاظ رکھنا چاہئے۔

فطرت سے کیا مراد ہے؟

یہاں فطرت سے کیا مراد ہے، اس میں علماء کرام کی مختلف رائے ہیں، اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے اسلام مراد ہے، چنانچہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں، **وھو المعروف عند عامۃ السلف** اور آیت قرآنی **فطرۃ اللہ التی الخ** میں بھی یہی مراد ہے اور امام احمدؒ سے بھی یہی مروی ہے، اور بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ عیاض بن حماد کی حدیث ہے، "**انی خلقت عبادی حنفاء مسلمین**" تو اس وقت حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان کی پیدائش اسلام پر ہوتی ہے، اگرچہ کافر کے گھر میں ہو، مگر ماحول اس کو بگاڑ کر غیر مسلم بنا دیتا ہے اگر ماحول کے بیچ میں نہ پڑتا تو ہمیشہ مسلمان ہی رہتا، علامہ طیبیؒ وقرطبیؒ فرماتے ہیں کہ فطرت سے مراد اسلام قبول کرنے کی استعداد ہے کہ جو بھی ہو پیدائشی طور پر اس کے اندر اسلام قبول کرنے کی صلاحیت واستعداد موجود ہوتی ہے، گرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو، مگر ماحول خصوصاً والدین اس استعداد کو ظاہر ہونے نہیں دیتے اس لئے وہ یہودی، نصرانی اور مجوسی ہوجاتے ہیں اگر یہ ماحول سے بالکل الگ ہوتا تو یہ استعداد ظاہر ہوکر مسلمان ہوجاتا، اور یہ قول زیادہ صحیح وراجح ہے اس لئے کہ پہلے قول کے اعتبار سے تین اشکالات پیش آتے ہیں۔

پہلا اشکال: یہ ہے کہ فطرت سے اسلام مراد لینے سے قرآن کریم اور حدیث میں تعارض واقع ہوجاتا ہے، اس لئے کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت (اسلام) کو کوئی بدل نہیں سکتا اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماحول والدین اس کو بدل دیتے ہیں، استعداد مراد لینے پر یہ تعارض نہیں ہوتا کہ والدین یہودی اور نصرانی بنانے کے باوجود استعداد کو بدل نہیں سکتے۔ لہٰذا لاتبدیل اپنی جگہ پر ٹھیک ہے۔

دوسرا اشکال: یہ ہے کہ مسلم شریف کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل کیا تھا، طبع کافراً تو اس سے تعارض ہو گیا۔ استعداد مراد لینے سے یہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ کافر ہونے کے باوجود استعداد موجود ہے۔

تیسرا اشکال: یہ ہے کہ اسلام قبول کرنا مامور بہ ہے اور یہ امر اختیاری میں ہوتا ہے۔ اب اگر اسلام ہی پر سب کی پیدائش ہے تو یہ امر غیر اختیاری ہوگا۔ لہذا یہ مامور بہ نہیں ہو سکتا، اور لوگوں کو مکلّف بالاسلام قرار نہیں دیا جا سکتا، اور یہ بدیہی البطلان ہے اور فطرت سے استعداد مراد لینے پر کوئی اشکال نہیں آتا، لہذا یہی اولیٰ اور راجح ہوگا۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ فطرت مقدمات اسلام میں سے ہے، عین اسلام نہیں کہ ہر ایک انسان کا مادہ کفر و شرک سے خالی ہوتا ہے اگر کوئی مانع پیش نہ ہو تو آئندہ جا کر اقرب الی الایمان ہو کر صحیح وسالم باقی رہے گا جیسا کہ بوتل کہ اگر کوئی تصادم نہ ہو تو ہمیشہ باقی رہے گی۔ اور اگر کسی سے ٹکر لگ جائے تو ٹوٹ جائیگی۔ یہ قول دوسرے قول کے قریب قریب ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جیسا کہ حیوانات کے ہر نوع کے لئے خاص خاص فہم علم وادراک دیا گیا جیسا شہد کی مکھی کو یہ خاص علم دیا گیا کہ اس کے مناسب درخت سے اس کو حاصل کر کے خاص قسم کا گھر بنا کر وہ شہد اس میں رکھتی ہے۔ کبوتر کو خاص علم دیا گیا کہ وہ کس طرح آشیانہ بنائے، اور کس طرح بچہ کو دانہ کھلائے، کس طرح اڑائے۔ وقِس علی ھذا.

اسی طرح نوع انسانی کو بھی ایک خاص علم وادراک دیا گیا جس سے اپنے خالق اور اس کی اطاعت کی شناخت ہو، وہی ''فطرت'' ہے۔ یہ تین چار اقوال ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سے اقوال ہیں مگر اکثر غیر معتبر ہیں۔ (مرقاۃ: باب الایمان بالقدر)

یہاں والدین سے وہ ماحول مراد ہے جس کے اندر بچہ کی پرورش ہو، اور چونکہ اکثر بچہ

کی پرورش والدین ہی کے پاس ہوتی ہے اس لئے والدین ہی اس کا ماحول ہوئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو ایک تمثیل سے بیان کیا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی، کہ آپ ہر مضمون کو تمثیل سے سمجھاتے تھے، کہ جیسے چوپایہ جانور، جانور کو جنتا ہے اور وہ صحیح الخلقت ہوتا ہے، کوئی جانور کن کٹا تک نہیں ہوتا، کامل الاعضاء اور صحیح الخلقت ہوتا ہے، اسی طرح ہر انسان صحیح الفطرۃ پیدا ہوتا ہے۔ اور جس طرح بعد میں جانوروں کے کانوں کو کاٹ دیا جاتا ہے اسی طرح یہ بچے بھی ماحول کے اثر کو قبول کر لیتے ہیں، جس طرح عورتوں کے خلقتاً کان ناک وغیرہ چھدے ہوئے نہیں ہوتے مگر بعد میں چھید دئے جاتے ہیں، اسی طرح ہر انسان کی فطرۃ صحیح ہوتی ہے مگر گردوپیش کے اثر سے اس میں تبدیلی ہو جاتی ہے، اور وہ ماحول کے اثر کو قبول کر لیتا ہے، اس حدیث شریف سے بچوں کی صلاحیت کا علم ہوا اور والدین کی ذمہ داری کا کہ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں والدین کی بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ ماحول کو صحیح بنائیں، تاکہ صحیح ماحول میں بچہ کی پرورش ہو اور اس کی فطری صلاحیت محفوظ رہے۔

اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور بعض صفات

﴿۸۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوسیٰ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِ کَلِمَاتٍ فَقَالَ: "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ یَنَامَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَیَرْفَعُهٗ وَیُرْفَعُ اِلَیْهِ عَمَلُ اللَّیْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّیْلِ حِجَابُهُ النُّوْرُ لَوْ کَشَفَهٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰی اِلَیْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ" (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۱/۹۹،باب قولہ علیہ السلام ان اللہ لا ینام الخ، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۱۷۹۔

حل لغات: ینام نام فلان (س)نوماً لیٹنا،سونا،اونگھنا،ولا ینبغی لہ اس کے لئے مناسب نہیں ہے،یخفض خفض خفضاً (ض)الشیء پست کرنا،اتارنا،کم کرنا، قسط ترازو،ج اقساط،حجاب پردہ،آڑ،حُجُبٌ، کشف الشئ (ض)وعنہ کشفاً کھولنا،پردہ ہٹانا،احرق الشیء افعال سے بھسم کرنا،جلانا،فنا کردینا،سبحات اللہ اللہ تعالیٰ کا جلال وعظمت اور انوار وتجلیات۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے پانچ باتوں پر مشتمل خطبہ ارشاد فرمایا،آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ''اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے،اور اللہ تعالیٰ کے لئے سونا مناسب بھی نہیں ہے،وہ ترازو کو جھکاتا اور بلند کرتا ہے،دن کے عمل رات کے عمل سے پہلے اور رات کے عمل دن کے عمل سے پہلے اس کے پاس پیش کردئے جاتے ہیں،اس کا پردہ نور ہے،اگر وہ اپنے پردہ کو ہٹادے تو اس کی ذات کی تجلیات جہاں تک اس کی نگاہ جاتی ہے اس کی مخلوقات کو جلادے گی۔''

تشریح: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے پانچ باتوں کو لیکر یعنی پانچ باتوں کی تقریر فرمائی،جن میں بطور تمہید یہ بھی فرمایا:

ان اللہ لا ینام و لا ینبغی لہ ان ینام[1]: کہ اللہ تعالیٰ سوتا نہیں

---

[1] ولا ینبغی لہ ان ینام: یہ جملہ نفی جواز کیلئے ہے اور نفی وقوع کیلئے تاکید ہے علی سبیل التتمیم. یعنی نہ اس کیلئے درست ہے اور نہ ہی اس کیلئے نوم ممکن ہے اسلئے کہ نیند یہ موت کی طرح ہے،نیز اسلئے کہ نیند قویٰ کو آرام پہنچانے کیلئے ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔(مرقاۃ:۱/۱۶۳، باب الایمان بالقدر)

ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو یہ مناسب ہے اگر اللہ میاں سو جائے تو پورا عالم سو جائے۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور جس کی شہادت قرآن شریف میں ہے: "لاتأخذہ سنة ولانوم"

یخفض القسط و یر فعہ: وہ ترازو کو پست اور بلند کرتا رہتا ہے، کسی کو بلند کسی کو پست کسی کو عزیز اور کسی کو ذلیل کرتا ہے۔

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ بعض نے القسط کی تفسیر رزق سے کی ہے یعنی یقترہ ویوسعہ یعنی وہ تنگ دست بنا دیتا ہے اور رزق کے اندر وسعت دیتا ہے اور قسط کو رزق سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ وہ ہر مخلوق کا حصہ ہے اور بعض نے اس کی تفسیر میزان سے کی ہے اور میزان قسط نام رکھا ہے، اس لئے کہ اس سے تقسیم کے اندر انصاف واقع ہوتا ہے اور یہ دوسرے معنی زیادہ بہتر ہیں اس وجہ سے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یرفع المیزان ویخفضہ آیا ہے اور میزان سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو تولا جاتا ہے، یعنی بندوں کا نیچے اترنے والا رزق اور چڑھنے والے اعمال پس اللہ تعالیٰ بعض کو رزق کی تنگی اور ذلت وخواری میں مبتلا کر دیتا ہے، اور معصیت کے ذریعہ سے پست کر دیتا ہے اور دوسرے کو وسعت رزق اور طاعت کی توفیق دیکر باعزت بنا دیتا ہے۔ (مرقاة: ۱/۱۶۳، باب الایمان بالقدر)

یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النہار وعمل النہار قبل عمل اللیل: رات کے عمل دن سے پہلے اس کے پاس پہنچا دئے جاتے ہیں اور دن کے عمل رات سے پہلے پہنچا دئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے کارخانوں کی تنظیم بیان کی ہے۔

اسی طرح اللہ میاں سب کو جانتا ہے حتی کہ زمین کے ذرات تک کو اس کا علم محیط ہے، مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے خیر وشر کے فرشتے متعین کر دئے ہیں جو ہر اچھے برے عمل کو اس کے

پاس پہنچادیتے ہیں۔

حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجھہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ[1]: کہ اس کا حجاب اس کا پردۂ نور ہے، اگر اس پردہ کو ہٹا دیا جائے تو اس کے چہرے کے انوار تمام مخلوقات کو جلا کر راکھ بنا دیں گے جہاں تک بھی اس کی نظر پہنچے گی اور اللہ تعالیٰ کی نظر ہر جگہ ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا بے حجاب ہو جانا تمام مخلوق وہستی کی فنا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ تو ایسا نور ہے جس کے پردے بھی نور ہی کے ہیں تو جس کی چلمن بھی نور کی ہوں تو آپ اندازہ لگائے کہ وہ خود کیسا ہوگا، اور اس کو کیسے جانا جا سکتا ہے، اگر نورِ حق سے پردۂ نور کو ہٹا دیا جائے تو اس کے انوار حدِ نظر تک تمام مخلوق کو جلا ڈالیں اور پوری دنیا ختم ہو جائے۔

اور انسان تو خود اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتا، خود اپنی آنکھ اس کو نظر نہیں آتی۔ ہاں خود کو دیکھنے کے لئے آنکھوں کو آئینہ کی ضرورت پڑتی ہے، آئینہ میں انسان خود کو دیکھ لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو بھی جو دیکھنا چاہے وہ اس کو آئینہ میں دیکھے آسمانوں میں دیکھے پہاڑوں میں دیکھے، درختوں میں دریاؤں میں دیکھے، انسانوں میں حیوانوں میں دیکھے، تمام مخلوق اس کا آئینہ ہے،

---

[1] لاحرقت سبحات وجھہ: سین اور با کے ضمہ کے ساتھ سُبْحَۃ کی جمع ہے جیسے غرفۃ اور غرفات بعض محققین فرماتے ہیں کہ وہ انوار جن کو دیکھنے والے دیکھتے ہیں، یعنی ملائکہ ان کو دیکھ کر سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی جلالت شان اور اس کی عظمت سے مرعوب ہو کر۔ (الطیبی: ۲۵۹/۱، باب الایمان بالقدر)

ما انتھی الیہ بصرہ: الیہ کے اندر ضمیر ما کی طرف راجع ہے اور کہا گیا ہے کہ بصرہ میں ضمیر ما کی طرف راجع ہے اور اسم موصول ہے، لاحرقت کا مفعول بہ ہے اور الیہ کی ضمیر راجع ہے وجھہ تعالیٰ کی طرف اور من خلقہ ما کا بیان ہے یا من خلقہ متعلق ہے احرقت کے اور من خلقہ سے مراد تمام کائنات ہے۔ (مرقاۃ: ۱۶۴/۱، باب الایمان بالقدر)

کہ مخلوق کے ہر ذرہ میں اس کا جمال ہے، اس کی قدرت اس کا کمال نظر آتا ہے[۱]۔

ہاں ایک ایسا عالم بھی آئے گا کہ بغیر آئینہ کے اللہ تعالیٰ نظر آئیگا، انسان خود اپنے کو اپنی آنکھ کو اور آنکھ خود اپنے کو اور روح کو جو اس دنیا میں نظر نہیں آتی وہاں سب کچھ دکھائی دیگا۔ اور وہ عالم آخرت ہے۔

اللہ کے ہاتھ میں ترازو ہے

﴿۸۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَدُ اللّٰهِ مَلْاٰی لَاتَغِيْضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ اَرَأَيْتُمْ مَا اَنْفَقَ مُذْ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ فَاِنَّهٗ لَمْ يَغِضْ مَافِیْ يَدِهٖ، وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَاءِ وَبِيَدِهِ الْمِيْزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ (متفق علیه) وَفِیْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ يَمِيْنُ اللّٰهِ مَلْاٰی قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ مَلَآنُ سَحَّآءٌ لَا يَغِيْضُهَا شَیْءٌ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۶۷۷، باب وکان عرشه علی الماء تفسیر سورة الهود، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۴۹۷، مسلم شریف: ۱/۳۲۲، باب الحب النفقة وتبشیر المنفق، حدیث: ۹۹۳۔

حل لغات: ملأی بھرا ہوا، پُر، تغضیها اغاض فلان الماء کم کرنا، النفقة خرچ، خرچ کی جانے والی مال کی مقدار، ج نفقاتٌ، السحاء ہمیشہ بہنے یا بہانے والی، یمینه سحاء وہ بڑا فراخ دست ہے۔

[۱] فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ کے اشعار ''شاہد قدرت'' اس موضوع پر قابل مطالعہ ہیں۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات و دن خوب خرچ کرتا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمان وزمین کی تخلیق سے پہلے ہی سے کس قدر خرچ کرتا چلا آ رہا ہے: لیکن جو اس کے ہاتھ میں ہے اس میں کمی واقع نہیں ہوئی ہے، اس کا عرش اس وقت پانی پر تھا، اس کے ہاتھ میں ترازو ہے، جس کو وہ جھکاتا اور بلند کرتا ہے۔'' (بخاری ومسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اللہ کا داہنا ہاتھ بھرا ہوا ہے اور ابن منیر نے کہا اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، خوب عطا کرتا ہے، رات و دن کی داد و دہش کسی چیز میں کوئی کمی واقع نہیں کرتی ہے۔

تشریح: **یــد اللّٰہ مــلای:** اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے نعمتوں سے، انعامات سے خزائن سے بھرپور ہے، اور ہر بھری ہوئی شی خالی ہو جاتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ خالی نہیں ہوتے، اور وہ ایسے بھرے ہوئے ہیں کہ اس میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اس کے خزائن اس کا قول ''کــن فیــکــون'' ہے، اس لئے ان میں کمی کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔

نفقۃ سحاء اللیل و النہار[1]**:** دن رات کا خرچ کیا جانا بھی اس کو کم نہیں کرتا، یہ اللیل اور النہار ظرف واقع ہو رہا ہے سحاء کا یا نفقۃ کا۔

کیونکہ اللہ میاں بنانا جانتا ہے اور جو بنانا جانتا ہے اس کے یہاں کمی نہیں ہوتی۔

تم ہی بتلاؤ جب سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اس پر کتنا خرچ کر دیا مگر اس

---

[1] **نفقۃ سحاء اللیل و النہار:** نفقۃ موصوف ہے، اور سحاء صفت ہے اور اللیل والنہار ظرف ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایسا خرچ جو رات دن کیا جائے۔ ید اللہ ملای ید مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر موصوف ہے اور ملائی صفت ہے۔ ید چونکہ مؤنث ہے اس لئے اس کی صفت بھی مؤنث ہے، اور یمین اللہ ملای ملیان دونوں ٹھیک ہے، چونکہ ید لفظاً مذکر ہے۔ اور معناً مؤنث ہے، اور اہل عرب کے نزدیک تمام اعضا مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں۔

کے ہاتھ میں کچھ کمی نہیں آئی، اب تک اتنا غلہ پیدا ہوا، کتنے پھل پیدا ہوئے اور برابر ہو رہے ہیں، مگر اس کے خزانوں میں کیا کمی آئی۔

اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر ہے۔ "وبیدہ المیزان یخفض ویرفع[1]" اور اللہ کے ہاتھ میں میزان ہے، کسی کی میزان پست کسی کی بلند کرتا رہتا ہے، یہ حدیث متفق علیہ ہے اور مسلم نے ید اللہ کی جگہ یمین اللہ کا لفظ نقل کیا ہے، کہ اللہ کا یمین بھرا ہوا ہے ابن منیر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں، نہیں کم کرتا ان کو رات دن کا خرچ کرنا۔

مشرکین کے بچے جنت میں جائیں گے یا نہیں؟

﴿۸۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَرَارِيِّ الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ: "اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ" (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۸۵/۱، باب ماقیل فی اولاد المشرکین، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۳۸۴، مسلم شریف: ۳۳۶/۲، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ، کتاب القدر، حدیث نمبر: ۲۶۵۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی

---

[1] یخفض ویرفع: یعنی اللہ تعالیٰ کم کر دیتا ہے اس کے حصہ اور رزق کو اس کے اعتبار سے جس کو وہ اس سے قبل دے رہا تھا اور اسی کی طرف نظر کرتے ہوئے بڑھا دیتا ہے اپنے اس ازلی فیصلے اور اس کی تقدیر کے تقاضہ کے مطابق، اور پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے، بندوں کے اعمال کی میزان کو جیسا کہ وہ شخص کہ جس کے ہاتھ میں میزان ہوتو وہ کبھی پست کر دیتا ہے، اور کبھی بلند کر دیتا ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ میزان سے مراد عدل ہے، یعنی کبھی زمین میں اس کو کم کر دیتا ہے، ظلم اور اہل ظلم کو غلبہ دے کر اور کبھی اس کو بلند کر دیتا ہے، یعنی عدل اور اہل عدل کو غلبہ دیکر۔ (مرقاۃ: ۱۶۵/۱، باب الایمان بالقدر)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ''اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرتے''۔

تشریح: ان ہی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کافروں کی اولاد کے بارے میں۔

ذراری: جمع ہے ذریت کی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**اللہ اعلم بما کانو عاملین الخ**'' کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے، اس کو جو وہ کرتا، یعنی جیسے وہ عمل کرتے اللہ تعالیٰ ان کو جانتے ہیں اور اسی کے اعتبار سے اس کے ساتھ معاملہ ہوگا، تو اس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لاعلمی ظاہر فرمائی، غالباً یہ آپ کا اجتہاد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جنت میں داخل ہوں گے اور بعض جہنم میں، اس مسئلہ میں مختلف روایتیں ہیں، ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صراحۃً کہہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا علم ہے، مجھے علم نہیں۔

تو اب آپ کو انکشاف ہوگیا ہوگا اس وجہ سے یوں بیان کردیا، اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذراری کافرین جنت میں داخل ہوں گی۔

جمہور کا مسلک یہی ہے کہ کافروں کی اولاد جنت میں داخل ہوگی، اور مسلمانوں کی خدمت کرے گی، مگر امام اعظم جیسے جلیل القدر امام اس معاملہ میں خاموش ہیں، اور اللہ کے علم پر اس کو چھوڑ دیتے ہیں، چونکہ اس کا تعلق اعمال سے کچھ نہیں ہے۔ اور امام اعظم ان جیسے معاملات میں سکوت فرماتے ہیں، اور اعمال کے بارے میں تلاش وتتبع فرماتے ہیں۔

ذراری مشرکین کے بارے میں مختلف اقوال

ذراری مشرکین کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱)...... ایک قول یہ ہے کہ وہ اہل جہنم سے ہیں، والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے۔

(۲)...... بعض کا قول ہے کہ وہ اہل جنت سے ہیں، اصل فطرۃ کی جانب نظر کرتے ہوئے۔

(۳)...... ایک قول یہ ہے کہ وہ اہل جنت کے خدام ہوں گے۔

(۴)...... ایک قول یہ ہے کہ وہ جنت اور جہنم کے درمیان میں رہیں گے نہ ان پر انعامات کی بارش ہوگی اور نہ ان کو عذاب دیا جائیگا۔

(۵)...... اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کون ایمان لاتا اور ایمان پر کس کی وفات ہوتی اگر وہ آئندہ زندہ رہتا۔ لہذا جنتی ہوگا اور جس کے بارے میں علم ہے کہ وہ ایمان لانے سے اور اس پر قائم رہنے سے عاجز تھا اور آئندہ زندہ رہتا تو کفر ہی پر مصر رہتا لہذا وہ جہنمی ہوگا۔

(۶)...... ایک قول یہ ہے کہ توقف کرنا چاہئے، چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی قطعی فیصلہ اس بارے میں منقول نہیں ہے اس لئے یہی اولیٰ اور بہتر ہے کہ ان کے بارے میں توقف کیا جائے، اسی پر اکثر اہل سنت والجماعت ہیں۔

(مرقاۃ: ١٦٦/١، باب الایمان بالقدر)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا

﴿۸۸﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَہٗ اُکْتُبْ قَالَ مَا

أَكْتُبُ، قَالَ "أُكْتُبِ الْقَدَرَ" فَكَتَبَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

حواله: ترمذی شریف:۲/۳۸، باب ما جاء في الرضاء بالقضاء، کتاب القدر، حدیث نمبر:۲۱۵۵۔

حل لغات: الأبد زمانہ، ج آباد، و اُبُوْدٌ ہمیشگی، لازوال۔

ترجمه: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ"اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا فرمائی وہ قلم ہے، پھر اس کو حکم دیا کہ لکھو، اس نے کہا کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا"تقدیر لکھو" چنانچہ قلم نے ہر وہ چیز لکھدی جو واقع ہو چکی ہے اور جو ابد تک واقع ہونے والی ہے۔" ترمذی نے اس روایت کو نقل کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ اور اس سے کہا کہ لکھ اس نے کہا کہ کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تقدیرات لکھ اس نے لکھ دیا جو ہوا اور جو آخر تک ہوگا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں کو مقدر کر دیا ہے، اور سب کچھ اسی کے مطابق ہوتا رہتا ہے۔

اولین مخلوق

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قلم کو سب سے پہلے پیدا کیا۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش کو سب سے پہلے پیدا کیا اور بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اول پانی پیدا کیا۔ اور بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو

سب سے پہلے پیدا کیا۔

اس کا جواب تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ اولیت کی دو قسمیں ہیں، حقیقی اور اضافی اول تو اللہ نے نور نبی کو پیدا کیا، اور اس کے بعد میں ان تمام چیزوں کو پیدا کیا، چونکہ یہ تمام چیزیں دوسری مخلوق سے پہلے پیدا کی گئی ہیں اس لئے اس اعتبار سے کہا کہ ان کو اول پیدا کیا۔

اب رہا یہ کہ قلم سے اللہ تعالیٰ نے کس طرح کہا اور وہ کس طرح بولا تو وہ قلم آج کے قلموں کی طرح نہ تھا۔ اور آج کا قلم بھی بولتا ہے، آپ نے خط لکھوا کر بھیجدیا اور مکتوب الیہ سب سمجھ گیا تو آپ تھوڑا ہی بولے وہ قلم ہی تو بولا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تو ہر چیز بولتی ہے جب دنیا کی تمام چیزیں تسبیح خواں ہیں، تو کیا وہ بولتی نہیں سب بولتی ہیں، و لکن **لاتفقھون تسبیحھم** لیکن تم سمجھتے نہیں تو معلوم ہوا کہ سب چیزیں بولتی ہیں، مگر ہم سمجھتے نہیں اور بعض نبیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت دی ہے کہ وہ سب جانوروں کی بولیاں سمجھتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی سے گفتگو

چنانچہ ایک وادی کے اندر سلیمان علیہ السلام کا تخت اترا تو آپ نے تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سنی جب اس نے چیونٹیوں سے کہا کہ تم اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں تمہیں سلیمان اور اس کا لشکر بے خبری میں کچل نہ ڈالے، سلیمان علیہ السلام نے اس کو گرفتار کرلیا کہ تو نے ہم کو ظالم سمجھا تو چیونٹی نے جواب دیا کہ آپ نے میری پوری بات سنی ہی نہیں، میں نے تو **وھم لایشعرون** بھی کہا ہے، اور غیر شعوری طور پر ظلم نہیں ہوتا، تو سلیمان علیہ السلام نے معلوم کرلیا کہ یہ بڑی علامہ ہے، پھر چیونٹی نے سلیمان علیہ السلام کو سلیمان نام رکھنے کی وجہ بتلائی کہ تم سلامتی قلب والے ہو اس لئے تمہارا نام سلیمان رکھا، اور تمہارے باپ

کا نام داؤد اس وجہ سے رکھا کہ وہ قلوب کی دوا کیا کرتے تھے۔

پھر اس نے سلیمان علیہ السلام کو نصیحت کی کہ میں چیونٹیوں کی بادشاہ ہوں اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں میری رعایا ہیں، میں روزانہ فرداً فرداً ہر ایک سے پوچھ لیتی ہوں کہ کچھ تکلیف تو نہیں، تو تم بھی بادشاہ ہو اس لئے لوگوں پر رحم کا خاص طور سے لحاظ رکھنا تو یہ کچھ مستبعد بات نہیں ہے کہ اللہ چیونٹیوں سے یا قلم سے بات کریں، ایسی باتیں تو قرآن سے بھی معلوم ہوتی ہیں، "واوحیٰ ربک الی النحل" اسی طرح پہاڑوں کو حکم دیا اور دوسری باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اشکال مع جواب

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہاں ایک اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ جو چیز لامحدود اور لامتناہی ہے، یعنی ازل سے مخلوق کو تسلسل کے ساتھ جو چیزیں پیش آنے والی ہیں اور اخیر تک چلتی رہیں گی ان کا انحصار اور انکا منضبط کرنا قلم کے تحت کیسے ہو سکتا ہے۔ دراں حالیکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جف القلم ان چیزوں کو لکھ کر قلم خشک بھی ہو چکا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے امور اجمالیہ کلیہ کا لکھنا مراد ہے، یعنی کلیات کو اجمالی طور پر لکھدیا تھا اس سے تفصیلی اور جزوی احوال مراد نہیں ہیں۔

(مرقاۃ: ۱/۱۶۷، باب الایمان بالقدر)

عہد الست کی تفصیل

﴿۸۹﴾ وَعَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ عُمَرُ بْنُ

الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ هٰذِهِ الآيَةِ وَإِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ الآية، قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ عَنْهَا، فَقَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ بِيَمِيْنِهٖ، فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُوْنَ، ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً، فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُوْنَ، فَقَالَ رَجُلٌ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ إِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اِسْتَعْمَلَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ، حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِنْ اَعْمَالِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخِلَهٗ بِهِ الْجَنَّةَ وَإِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اِسْتَعْمَلَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِنْ اَعْمَالِ اَهْلِ النَّارِ فَيُدْخِلَهٗ بِهِ النَّارَ۔ (رواه مالك والترمذی وابوداؤد)

حوالہ: مؤطاامام مالک: ۳۶۳/۳۶۲، باب النهی عن القول بالقدر، کتاب القدر، حدیث نمبر: ۲، ترمذی شریف: ۲/۱۳۸، کتاب تفسیر القرآن سورۂ اعراف، حدیث نمبر: ۳۰۷۵، ابوداؤد: ۲/۶۴۷، باب فی القدر کتاب السنة، حدیث نمبر: ۴۷۰۳۔

حل لغات: الذرية نسل انسان، اولاد، عورتیں اور بچے، جمع ذریات، مسح، مسحاً الشیء (ف) چھونا، ہاتھ پھیرنا۔

ترجمه: حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آیت "و اذ اخذ ربک الـــخ" کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا، انہوں نے جواب دیا کہ اس آیت کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پوچھا گیا تھا، میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم

علیہ السلام کو پیدا کیا، پھر ان کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا، پھر ان کی ذریت میں سے کچھ لوگوں کو نکالا اور فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کو جنت اور جنتیوں جیسے عمل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، یہ لوگ جنتیوں جیسے کام کرتے رہیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا اور ان کی ذریت میں سے کچھ لوگوں کو نکالا، اور کہا کہ میں نے ان کو دوزخ اور دوزخیوں جیسے کام کے لئے پیدا کیا ہے، لہٰذا یہ وہ کام کریں گے جو دوزخی کرتے ہیں ایک شخص نے کہا کہ ''پھر ہمارے عمل کا کیا فائدہ ہے؟'' آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو جنت کے لئے پیدا فرماتا ہے تو اس سے جنتیوں جیسے اعمال کرواتا ہے، حتی کہ وہ شخص ایسے ہی عمل پر مرتا ہے جو عمل جنتی کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو اسی عمل کی وجہ سے جنت میں داخل فرمادیتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوزخ کے لئے پیدا فرماتے ہیں تو اس سے دوزخیوں جیسے اعمال کرواتے ہیں، چنانچہ اس کی موت بھی جہنمیوں جیسے کاموں میں سے کسی کام پر ہوتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو اسی کام کی وجہ سے جہنم میں داخل کردیتے ہیں۔''

تشریح: حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے آیت: ''**واذ اخذ ربک الخ**'' کی تفسیر پوچھی جس کے اندر بتلایا گیا ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے تمام ذریت کو چیونٹی کی شکل میں پیدا کیا، اور سب سے عہد لیا اور ان تمام ذریت کے اندر علم وشعور قوت سامعہ اور باصرہ وغیرہ سب قوتیں موجود تھیں، اور یہ کوئی مستبعد بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو چیونٹی کی شکل میں بنادے اور تمام قویٰ بھی اس کے اندر موجود رہیں، دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ برگد کے ذرا سے بیج میں سیکڑوں من سوختہ موجود ہوتا ہے حالانکہ کوئی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ نے اس کو سمیٹا تو اتنا سا بنادیا اور اس کو دراز کیا تو کتنا لمبا چوڑا بنادیا، تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ازل میں تمام ذریت کو پیدا کیا

اس کے بارے میں حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ حضرت رسول کریم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، تو اس سے تمام ذریت نکل پڑی[1]، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تو وہ تو اسی کی شایان شان ہوگا۔

جب مادیات اور اجسام کے اندر اتنا شدید ترین فرق ہے، مرد اور عورت میں فرق ہے مغربی، مشرقی، شمالی اور جنوبی کے اندر فرق ہے تو ذاتِ باری تعالیٰ کو انسانوں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

تو ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا کیا تو فرمایا کہ ان کو جنت کے واسطے پیدا کیا ہے اور جنت والوں جیسے عمل کے واسطے پیدا کیا ہے، یہ جنت جیسے عمل کریں گے، اور اس کے بعد بایاں ہاتھ پھیرا اور اس سے دوسری ذریت نکلی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو جہنم کے واسطے پیدا فرمایا ہے یہ جہنم والے اعمال کریں گے اور اس کے اندر جائیں گے۔

کسی نے سوال کیا کہ حضرت پھر عمل میں کیا ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے اس سے ویسے ہی کام کراتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اختیار دیا ہے اور کچھ اختیار نہیں دیا، جیسے آنکھ ناک کان وغیرہ کا بنانا

---

[1] **افادہ: مسح:** ممکن ہے ماسح وہ فرشتہ ہے جو بچے کی پیدائش اور اس کی رحم مادر میں شکل وصورت بنانے پر مامور ہے اور مسح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب اس لئے ہے چونکہ آمر اور حاکم اللہ تعالیٰ ہیں جیسا کہ وفات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہے، الله يتوفى الانفس حين موتها حالانکہ وفات دینے والے وہ ملائکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر مامور ہیں یا ماسح اللہ تعالیٰ ہی ہوں اور مسح باب تمثیل تفعیل سے ہو اور کہا گیا ہے کہ مسح مساحة سے ہے تقدیر کے معنی میں گویا کہ کہا قدر مافی ظهره من الذرية یعنی ان کی پشت میں جو ذریت تھی ان کی تقدیر مقدر فرمادی۔ (الطیبی: ۱/۱۶۶، باب الایمان بالقدر)

غیر اختیاری ہے اور ان سے دیکھنا سونگھنا اور سننا اختیاری ہے۔ فعل اختیاری پر مواخذہ ہے اور غیر اختیاری پر مواخذہ نہیں ہے۔

عمل نماز روزہ زکوۃ وغیرہ اختیاری ہیں اس لئے ان پر مواخذہ ہے، موٹر کی بھیڑ ریل کی بھیڑ میں جب انسان نماز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو اس کی توفیق ہو جاتی ہے اور جگہ بھی مل جاتی ہے اور جو نہیں پڑھتا اس کو جگہ بھی نہیں ملتی، تو جب انسان کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے واسطے آسان بھی کر دیتے ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کا مالک ہے اور مالک کو اختیار رہوتا ہے کہ مملوک کے اندر جو چاہے اور جیسے چاہے تصرف کرے، دنیا میں جب مجازی مالک اختیار رکھتے ہیں، جبکہ وہ ایک کنکری بھی پیدا نہیں کر سکتے، چیونٹی بھی پیدا نہیں کر سکتے، اور اللہ تعالیٰ نے تو سب کو پیدا کیا ہے، اس لئے وہ جب چاہیں اور جیسا چاہیں تصرف کریں اس میں کسی کا کیا اٹھتا ہے۔

چند مباحث

اس حدیث میں چند مباحث ہیں۔

پہلی بحث: یہ ہے کہ ظاہراً قرآن کریم وحدیث میں تعارض معلوم ہو رہا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی آدم کی پیٹھ سے ذریات نکالی گئی۔ اور حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر عہد لیا گیا۔ تو اس کا حل یہ ہے کہ اصل میں اخراج کی کیفیت یہ تھی کہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے چند ذریات مثلاً ہابیل، قابیل کو نکالا گیا۔ پھر ان سے ترتیب خارجی کے اعتبار سے قیامت تک آنے والی اولاد نکالی گئی تو قرآن کریم میں ترتیب خارجی کے اعتبار سے بیان کیا گیا، اور

حدیث میں اصل کے اعتبار سے بیان کیا گیا۔ کیونکہ بالواسطہ اصل سب کی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے چند ذریات نکالی گئیں پھر انہیں کی پشت پر ایک دوسرے سے قیامت تک آنے والی ذریات نکالی گئیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ایک ساتھ سب کو نکال دیا گیا۔ تو آیت میں اخراج اولی کو بیان کیا۔ اور حدیث میں اخراج ثانوی کو بیان کیا گیا۔ **فلا تعارض.**

دوسری بحث: یہ ہے کہ اخراج کی کیفیت کیا تھی؟ تو بعض کہتے ہیں کہ سر کے بال کے نیچے سے نکالا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ پیٹھ میں سراخ کر کے نکالا گیا۔ سب سے صحیح قول یہ ہے کہ پیٹھ کے مسامات سے نکالا گیا۔

تیسری بحث: یہ ہے کہ اخراج کہاں ہوا تھا۔ تو بعض کہتے ہیں کہ اخراج عن الجنۃ کے بعد بمقام ہند ہوا تھا۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ ''وادی نعمان'' میں ہوا تھا، جو عرفہ کے قریب ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے۔

چوتھی بحث: یہ ہے کہ ''عہد الست'' کوئی حقیقی واقعہ تھا یا تمثیل ہے؟ تو بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی واقعی قصہ نہیں تھا بلکہ سمجھانے کے لئے بطور تمثیل بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ذریات کو پیدا کر کے ان کے اندر صلاحیت واستعداد ڈالدی جس سے انہوں نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کرلیا، اس کو ''عہد الست'' سے تعبیر کیا گیا۔ حقیقۃً کوئی قصہ نہیں تھا، یہی قاضی بیضاوی کی رائے ہے، مگر جمہور سلف وخلف کہتے ہیں کہ حقیقت میں یہ ایک قصہ تھا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وادیٔ نعمان میں ہوا تھا۔ اور آمنے سامنے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور یہ اللہ تعالیٰ سے بعید نہیں ہے۔ نیز ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گویائی دی اور سب نے کلام کیا۔ اتنے

قرائن کے باوجود اس کو تمثیل پر محمول کرنا قرین قیاس نہیں ہے۔

پانچویں بحث: یہ ہے کہ انہوں نے زبان حال سے اقرار کیا۔ اور بعض نے کہا کہ زبان قال سے جواب دیا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ قال وحال سے اقرار کیا۔

چھٹی بحث: یہ ہے کہ جب سب نے اقرار کیا تو دنیا میں آ کر بعض نے کیوں انکار کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافروں پر رعب و ہیبت طاری ہوگئی تھی، اس لئے انہوں نے خوف کی وجہ سے "بلیٰ" کہدیا، اور مسلمانوں پر رحمت کی تجلی ڈالی، اس لئے انہوں نے بخوشی "بلیٰ" کہا۔

پھر اشکال ہوا کہ جب ایک واقعہ ہوا تو پھر ہمیں یاد کیوں نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرور زمانہ کی بناء پر نسیان ہوگیا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً انبیاء اور رسل علیہم السلام بھیجے، اور بعض حضرات سے منقول ہے کہ ہمیں "عہد الست" یاد ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "عہد الست" کی آواز اب تک میرے کان میں گونج رہی ہے، اور کون میری دائیں طرف اور کون بائیں طرف تھا سب مجھے یاد ہے۔ اور سہل بن عبد اللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے "عہد الست" کی شاگردی یاد ہے۔ ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ گویا کہ وہ کل کا واقعہ ہے۔ لہٰذا اگر ہمیں یاد نہیں ہے تو اس سے عدم وجود ثابت نہیں ہوتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (مرقاۃ: باب الایمان بالقدر)

جنتی جہنمی کے نام لکھے جاچکے

﴿۹۰﴾ **وَعَنْ** عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ يَدَيْهِ كِتَابَانِ فَقَالَ: "أَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَانِ

الْكِتَابَانِ؟" قُلْنَا: "لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنَا" فَقَالَ: "لِلَّذِيْ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجْمِلَ عَلٰى آخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَداً" ثُمَّ قَالَ: "لِلَّذِيْ فِيْ شِمَالِهِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ النَّارِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجْمِلَ عَلٰى آخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا" فَقَالَ أَصْحَابُهُ: "فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ كَانَ أَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ" فَقَالَ: "سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا فَإِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ عَمِلَ أَيَّ عَمَلٍ وَإِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ وَإِنْ عَمِلَ أَيَّ عَمَلٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "بِيَدَيْهِ فَنَبَذَهُمَا ثُمَّ قَالَ فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ" (رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف:۲/۳۶،باب ماجاء ان الله كتب كتابا لاهل الجنة الخ، كتاب القدر، حدیث نمبر:۲۱۴۱۔

حل لغات: دَرَىَ الشيءَ وبه درياً ودرايةً جاننا،سددوا سدد الله فلانا اللہ کا کسی کوراہ راست پر لگانا،الشيء سیدھا ودرست کرنا،نبذ ـ نبذا الشيء ڈالنا،پھینکنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک میں دو کتابیں تھی،آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ''کیا تم جانتے ہو یہ دونوں کتابیں کیسی ہیں؟'' ہم لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول!صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تو کچھ بھی نہیں معلوم: البتہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتائیں گے تو معلوم ہو

جائے گا" چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کتاب کے بارے میں جو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے داہنے ہاتھ میں تھی فرمایا: "یہ ایک کتاب ہے سارے جہاں کے رب کی جانب سے، اس میں جنتیوں کے نام ان کے باپوں اور قبیلوں کے نام کے ساتھ درج ہیں۔ اور آخر میں ان کی میزان اجمالاً ذکر کردی گئی ہے، اس میں نہ تو کبھی کسی نام کا اضافہ ہوگا اور نہ ہی اس میں سے کسی نام کو کبھی کم کیا جائے گا۔" پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کتاب کے بارے میں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بائیں ہاتھ میں تھی فرمایا: "کہ یہ ایک کتاب ہے سارے عالم کے پروردگار کی جانب سے، اس میں جہنمیوں کے نام ان کے باپوں اور قبائل کے ساتھ ذکر کردئے گئے ہیں۔ اور آخر میں ان کی میزان (مجموعی تعداد) جوڑ دی گئی ہے۔ اس میں نہ تو کسی نام کا کبھی اضافہ ہوگا اور نہ ہی کبھی کوئی نام اس میں سے کم کیا جائے گا۔" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم اگر معاملہ نمٹا دیا گیا ہے تو ہمارے عمل کا کیا فائدہ ہے؟" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے عمل کو درست رکھو اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو، جو شخص جنتی ہے اس کا خاتمہ جنتیوں والے اعمال پر ہوگا، اگرچہ اس نے کیسے ہی عمل کیوں کر رکھے ہوں۔ اور جو شخص جہنمی ہے اس کا خاتمہ جہنم والوں کے عمل پر ہوگا، اگرچہ اس نے کیسے ہی عمل کئے ہوں۔" پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دی اور ان دونوں کتابوں کو ڈال دیا، پھر ارشاد فرمایا تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ہے، ایک گروہ جنت کے واسطے ہے اور ایک گروہ جہنم کے واسطے ہے۔"

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف نکلے دراں حالیکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں، یا تو حقیقتاً وہ دو کتابیں تھیں۔ محققین کے نزدیک حقیقۃً غیب کی دو کتابیں

تھیں اور اس میں کوئی استبعاد نہیں، لہٰذا حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کرنا ہی افضل ہے۔ یا یوں کہئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بطور مثال بیان کیا ہے۔

کوئی سمجھدار بڑا آدمی جب کوئی بات سمجھاتا ہے تو وہ مثال دیکر ہی سمجھاتا ہے اس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی بطورِ تمثیل بیان کیا کہ دیکھو تم یوں سمجھو کہ میرے ہاتھوں میں دو کتابیں ہیں اور جانتے ہو ان کے اندر کیا لکھا ہوا ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جواب دیا کہ نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مگر یہ کہ آپ ہی خبر دیں۔

الا ان تخبرنا: یعنی انہوں نے جاننے کا اشتیاق ظاہر کیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کتاب کے متعلق جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھی۔ یہ فرمایا کہ دیکھو اس کے اندر جنت والوں کے نام لکھے ہوئے ہیں ان کے والدین اور قبائل کے نام لکھے ہوئے ہیں اور پھر اس پر اجمال کردیا گیا ہے، یعنی اس کا میزان لگادیا گیا ہے جس طرح تمام حساب جوڑ کر اس کا اجمال کردیتے ہیں اعداد کے اندر تو ویسے ہی اس میں سب کا اجمال کردیا گیا ہے کہ اس قدر لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان میں بالکل بھی نہ کمی کی جائیگی اور نہ زیادتی۔

پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا کہ اس کے اندر جہنم والوں کے نام لکھے ہوئے ہیں اور ان کے والدین وقبائل کے نام بھی درج ہیں اور پھر ان کا میزان یعنی ٹوٹل لگادیا گیا ہے۔ اور ان میں کمی زیادتی نہیں کی جائیگی۔

قولہ ھذا کتاب من رب العلمین: رب العلمین کے ذکر کو خاص کیا اس بات کو بتانے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کا مالک ہے اور وہ اس کی مملوک ہیں اور مالک اپنی مملوک میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے جس کو چاہے سعید و نیک بخت بنائے اور جس کو

چاہے شقی ومحروم بنائے اس کا ہر تصرف سراپا انصاف اور درست ہے، اس کے اوپر کسی کو لب کشائی کرنے کا حق نہیں ہے۔(مرقاۃ: ۱/۱۷۰، باب الایمان بالقدر)

اشکال مع جواب

و لاینقص منهم ابدا: اور وہ ان میں سے کم نہیں کرے گا کبھی بھی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم بدلتا نہیں ہے، اور فرمانِ باری تعالیٰ "لکل اجل کتاب یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب" [ہر زمانہ کے لئے الگ کتاب دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ جس (حکم) کو چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے، اور (جس کو چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے، اور تمام کتابوں کی جو اصل ہے وہ اسی کے پاس ہے۔] (آسان ترجمہ) اس سے محو واثبات کی زیادتی کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر انتہا کے لئے ایک متعین مدت ہے جس کا وقت ختم ہو جاتا ہے اس کو مٹا دیتے ہیں اور جس کا وقت باقی رہتا ہے اس کو اس کے مطابق باقی رکھتے ہیں جو ان کے یہاں درج ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ام الکتاب میں ہر چیز درج ہے اور یہی تقدیر ہے، جیسا کہ مٹانا اور باقی رکھنا قضاء ہے، پس یہ تقدیر ہی ہے جو ازل میں اسی طرح لکھی جا چکی ہے، یہ مٹانا اور باقی رکھنا تغیر وتبدل نہیں ہوگا۔

یا اس سے منسوخ احکام کا مٹانا اور ناسخ کا ثابت رکھنا مراد ہے۔

یا یہ کرنیوالے کی برائیوں کا مٹانا اور ان کے مقابلہ میں نیکیوں اور بھلائیوں کا ثابت کرنا مراد ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ محو اور اثبات کا تعلق تقدیرِ معلق سے ہو نہ کہ تقدیرِ مبرم سے۔

(مرقاۃ: ۱/۱۷۰، باب الایمان بالقدر)

کسی نے سوال کیا کہ پھر عمل کیوں کیا جاتا ہے؟

قولہ ففیھم العمل یا رسول اللہ ان کان امر قد فرغ منہ: یعنی جب مدارِ نجات نوشتۂ ازلی پر ہے تو پھر عمل کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''سَدِّدُوْا'' سے نہایت حکیمانہ اسلوب سے جواب دیا کہ سیدھے راہِ حق پر چلتے ہوئے اپنے اعمال کو کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کا قرب اس کی طاعت وفرمانبرداری کے ذریعہ سے اپنی قدرت وطاقت کے مطابق حاصل کرتے رہو، اور تقدیر کے ذکر کے پیچھے نہ پڑو، ''وانما خلقتم للعبادۃ'' تمہیں تو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے پس تم عمل کرتے رہو اور راہِ حق کو اختیار کر کے اس کا قرب حاصل کرتے رہو۔ (مرقاۃ: ۱/۱۷۱، باب الایمان بالقدر)

قد فرغ ربکم: یعنی ان کی تقدیر سے فارغ ہو چکا ہے اور یہ اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دو گروہ کے اندر تقسیم کر دیا اور ہر گروہ کے لئے متعین طور پر جنتی یا جہنمی ہونا مقدر کر دیا جو متعین کرنا تغیر وتبدل کو قبول نہیں کرتا تو گویا کہ وہ ان کے معاملہ سے فارغ ہو چکا۔ ورنہ فارغ ہونے کا حکم لگانا اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے۔

قال بیدہ: اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اہل عرب تمام افعال کو قول سے تعبیر کرتے ہیں اور قول کا اطلاق غیر کلام اور غیر لسان پر کرتے ہیں، پس کہا جاتا ہے، ''قال بیدہ'' یعنی اَخَذَ اور قال برجلہ یعنی مشیٰ۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے اعمال ٹھیک کرو اس لئے کہ ان کا تمہیں اختیار ہے چونکہ جو صاحب جنت ہوتا ہے اس کا خاتمہ جنت کے عمل پر ہوتا ہے چاہے وہ کیسا ہی عمل کرتا رہے اور جو صاحب نار ہے اس کا خاتمہ جہنم کے عمل پر ہوتا ہے چاہے وہ کیسے ہی عمل کرتا رہے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دستِ مبارک جھاڑ دئے چاہے ان میں کتاب ہو یا نہ ہو۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فارغ ہو گیا ہے،

"فریق فی الجنة وفریق فی السعیر"

فائدہ: اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کو حقیر نہ جاننا چاہئے، اور اپنے عمل پر ہرگز فخر نہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ کسی کو ان کا انجام اور نتیجہ معلوم نہیں جب کہ اعتبار انجام ہی کا ہے۔

دوادارو، جھاڑ پھونک کیا تقدیر کو بدل دیتی ہے؟

﴿۹۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ خِزَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اَرَأَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْھَا وَدَوَاءً نَتَدَاوٰی بِہٖ تُقَاةً نَتَّقِیْھَا ھَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ شَیْئًا قَالَ: "ھِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ"۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجة)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۲۷، باب ماجاء فی الرقی والادویة، کتاب الطب، حدیث: ۲۰۶۵، مسند احمد: ۳/۴۲۱۔

حل لغات: رقی رقی المریض (ض) رقیا تعویذ گنڈے سے علاج کرنا، جھاڑ پھونک کرنا۔ استرقی فلانا کسی سے تعویذ لینا، دم کرنے کو کہنا، التقاة ڈر، پرہیز گاری۔

ترجمہ: حضرت ابوخزامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ جھاڑ پھونک جو ہم کرواتے ہیں اور وہ دوادارو جس کے ذریعے سے ہم علاج کرتے ہیں، کیا یہ چیزیں تقدیر الٰہی کو بدل دیتی ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ چیزیں بھی تقدیر الٰہی میں شامل ہیں''۔

تشریح: ارأیت پر ہمزہ استفہامیہ داخل ہے، کیا دیکھا آپ نے اور جب

دیکھا جاتا ہے تو اس کا علم بھی ہو ہی جاتا ہے اور جس کو علم ہوتا ہے اس سے پوچھا جاتا ہے اس لئے ارأیت کے معنی اخبرنی ہوئے۔

رقی جمع ہے رقیة کی جیسے منی جمع ہے منیة کی بضع جمع ہے بضعة کی۔

رقیہ: ان الفاظ وکلمات کو کہا جاتا ہے، جن کے ذریعہ جھاڑ پھونک کرتے ہیں، جیسے اعوذ بکلمات اللہ الخ پڑھ کر دم کرنا۔

دو اء نتداوی بہ: اور ایسی دوا جس سے ہم علاج کرتے ہیں۔

تقاة نتقیہا: تقاة ہر ایسی شئ کو کہا جاتا ہے جس سے بچا جائے، جس سے حفاظت کی جائے۔ یہ وقی سے مشتق ہے۔ وقی یقی بچنا اسی سے یہ مشتق ہے۔

مگر اس کا استعمال تعویذ اور گنڈوں وغیرہ پر ہوتا ہے، انہوں نے معلوم کیا کہ حضرت یہ تعویذ گنڈے جن سے ہم حفاظت کرتے ہیں؟ تو کیا ان کو بھی تقدیر میں کچھ دخل ہے اور کیا ان سے تقدیر بدل جاتی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف ایک جملہ میں اس کا مسکت جواب دیدیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ھی من قدر اللہ کہ یہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں یعنی اگر تقدیر میں ہو تب ہی تو تعویذ گنڈے اور دواء وعلاج وغیرہ کرائے گا اور تقدیر میں ان چیزوں کے ذریعہ نفع لکھا ہو تب ہی نفع ہوگا، ورنہ نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ بھی تقدیر خداوندی میں داخل ہیں لہٰذا ان سے تقدیر کے ٹلنے کا سوال ہی نہیں۔

رقیہ کے جواز اور عدم جواز کی بحث

نہایہ میں ہے کہ بعض احادیث میں رقیہ کا جواز آیا ہے جیسے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے، استرقوا لھا فان بھا النظرة کہ اس کے لئے جھاڑ پھونک کرنے والے کو تلاش کرو اس پر نظر ہے اور بعض احادیث میں اس کی نہی آئی ہے، جیسا کہ

باب توکل میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے الذین لایسترقون ولایکتوون دونوں قسم کے بارے میں احادیث کثیرہ ہیں ان دونوں میں جمع کی صورت یہ ہے کہ اس رقیہ کی ممانعت ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات اس کے کلام اور آسمانی کتابوں میں جو نازل کیا گیا ہے اس کے بغیر اور عربی زبان کے بغیر ہو، اور اعتقاد بھی رکھے کہ وہ یقیناً نافع ہے، اور پھر اسی پر تکیہ لگالے، اور اسی کا ارادہ کیا ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد عالی: "ماتوکل من استرقیٰ" سے اور جو اس کے علاوہ ہو اس کی ممانعت نہیں ہے جیسے تعوذ پڑھنا اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ذریعہ اور رقیہ مرویہ کے ذریعہ سے جھاڑ پھونک کرنا اور اسی کو فرمایا حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے جو قرآن کے ذریعہ سے جھاڑ پھونک کرے اور اس پر اجرت لےمن اخذ برقية باطل فقد اخذت برقية حق جس نے رقیہ باطل پر لیا ہو تم نے تو رقیہ حق پر لیا ہے، نیز دوسرے موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خذوه و اضربو لی بسهم کہ اس کو لے لو اور میرا بھی حصہ لگاؤ البتہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول لا رقية الا من عين او حمة تو اس کے معنی یہ ہیں کہ رقیہ ان دونوں موقعوں کے علاوہ زیادہ نفع بخش اور زیادہ مناسب نہیں ہے۔ (الطیبی: ۲۸۴ / ۱ ، باب الایمان بالقدر)

تقدیر کے سلسلے میں بحث ومباحثہ درست نہیں

﴿۹۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدْرِ فَغَضِبَ حَتّٰی اِحْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰی كَاَنَّمَا فُقِیَ فِیْ وَجْنَتَیْهِ حَبُّ الرُّمَّانِ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَیْكُمْ

إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِيْنَ تَنَازَعُوْا فِيْ هٰذَا الْأَمْرِ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَتَنَازَعُوْا فِيْهِ" (رواه الترمذی) وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ۔

حوالہ: ترمذی شریف:۲/۴۳، حدیث نمبر:۲۱۳۳، باب ماجاء فی التشدید فی الخوض فی القدر، ابواب القدر، ابن ماجہ ص:۹، باب فی القدر، حدیث:۸۵۔

حل لغات: تنتازع تنازع القوم فی شیء باہم جھگڑا کرنا، فقیء مجہول ہے فقأ (ف) فقأ حب الرمان وغیرہ انار وغیرہ کے دانوں کو نچوڑنا، وجنتیہ واحد وجنۃ گال، گال کا ابھرا ہوا حصہ، جمع وجنات، الرمان واحد رمانۃ انار۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ تقدیر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ کر رہے تھے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس قدر شدید غصہ آیا کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخساروں پر انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہیں، پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے؟ یا میں تمہارے درمیان اسی وجہ سے بھیجا گیا ہوں؟ حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے کے لوگ اس وقت ہلاک ہو گئے جب وہ اس معاملے میں بحث ومباحثہ کرنے لگے، دیکھو میں تم کو قسم دیتا ہوں، میں تم کو قسم دیتا ہوں، کہ تم اس مسئلہ میں بحث ومباحثہ مت کرنا۔ (ترمذی) ابن ماجہ نے اس روایت کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے پاس تشریف لائے دراں حالیکہ ہم تقدیر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم پر غصہ ہو گئے یہاں تک کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فطرت صحیحہ ایسی تھی کہ آپ کے اندر جو ہوتا اسی کا اثر چہرہ انور پر ظاہر ہوتا اگر خوشی ہوتی تو خوشی کے اثرات ظاہر ہو جاتے اور اگر ناراضگی ہوتی تو اس کے اثرات نمایاں ہو جاتے پھر خوبصورت چہرہ پر رنج وخوشی کے اثرات زیادہ محسوس ہوتے ہیں پھر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر رنج وخوشی کے اثرات زیادہ ظاہر ہوتے تھے جبکہ بعض لوگ اس کے برخلاف ہوتے ہیں جن کے دل میں ناراضگی اور چہرہ پر خوشی اور چہرہ پر ناراضگی مگر دل میں خوشی ہوتی ہے مگر ایسے انسانوں سے نفع کم ہوتا ہے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک اندر کا ترجمان ہوتا تھا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک مسئلہ تقدیر میں بحث ومباحثہ کا منظر دیکھ کر سرخ ہو گیا اور اتنا زیادہ سرخ ہوا **کان ففقی فی وجنتیہ حب الرمان** گویا حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخساروں میں انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہیں انار کا دانہ سرخ ہوتا ہے اور اس کا عرق بھی سرخ ہوتا ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک بہت زیادہ سرخ ہو گیا۔

اور فرمایا **ابھذا امرتم ابھذا ارسلت** کیا تم کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ تم تقدیر کے مسئلہ میں تنازع کرو کیا میں اس بات کے لئے بھیجا گیا ہوں کہ تم کو ایسے مسائل میں الجھاؤں مطلب اس کا یہ تھا کہ تنازع فی القدر نہ تمہارے ماموارت میں سے ہے اور نہ میرے مقاصد بعثت میں سے اور مقصد کو سامنے رکھنا چاہئے بدون مقصد کسی مسئلہ میں الجھنا محض بے وقوفی ہے

تو یہ بے کار اور بے فائدہ بحث ہے تم اس میں نہ الجھو اور اپنے مقاصد سے بے خبر نہ رہو۔

انماھلک من کان قبلکم حین تنازعوا فی ھذا الامر: تم سے پہلے لوگ صرف اس بنا پر ہلاک ہو گئے کہ وہ اس امر میں تنازع کرتے تھے معلوم ہوا کہ تقدیر کے اندر بحث کرنا (جو مقصد کے خلاف ہے) یہ ہلاکت کا ذریعہ ہے۔

طالب علموں کے مقاصد میں سے تو یہ ہے کہ وہ اچھی طرح کتابیں پڑھیں ان کا مطالعہ اور تکرار کریں اگر اس کو چھوڑ کر صبح سے شام تک کسی دوسرے بحث ومباحثہ میں مشغول رہیں، انتظامی امور میں مباحثے کریں، تو یہ ان کے مقاصد کے خلاف ہے، اور ان کے لئے سخت مضر ہے، تو پہلے لوگ تقدیر کے مسئلہ میں ایسے الجھے کہ الجھ کر رہ گئے قدری اور جبری نظریات میں الجھ کر رہ گئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو فرمایا کہ پہلے لوگ اس امر میں الجھ کر ہلاک ہو گئے تو تم اس سے بچو اس میں بحث نہ کرو۔

اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی عزمت علیکم ان لا تنازعو فیہ کہ میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ اس مسئلہ میں بحث وتکرار نہ کرو کیونکہ پہلے لوگ اسی کی وجہ سے برباد ہو گئے اور تم صرف اتنا یاد رکھو کہ تقدیر کا مسئلہ اللہ کی تقدیس کا مسئلہ ہے اور اللہ تمام اشیاء کو کلیت وجزئیت کے اعتبار سے جانتا ہے اور انسان اس بحث میں پڑنے سے علم نہ ہونے یا علم کے ناقص ہونے کی وجہ سے یا تو جبری ہو جاتا ہے یا قدری اور اللہ تعالیٰ ان دونوں سے منزہ وپاک ہیں۔

یہ بالکل سیدھا سادہ مسئلہ ہے مگر شیطانی وساوس آتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے تو پھر تعذیب وتعویب کے کیا معنے آپ اس کا موٹا سا جواب دیدو کہ اللہ تعالیٰ مالک حقیقی ہیں وہ اپنی مملوک شئی میں جو چاہیں تصرف کریں انہیں اس کا حق اور اختیار ہے جس کو جی

چاہے ابوجہل بنا کر جہنم میں داخل کر دیں اور جس کو جی چاہے ابوبکر بنا کر جنت میں داخل کر دیں اس کو حق ہے تمہیں کیا حق حاصل ہوتا ہے کہ چون و چرا کرو۔

یہ سیدھا سادہ مسئلہ ہے لیکن اس میں بحث کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں اور پھر یہ بحث وہ کریں جو اپنے آپ کو سمجھ سکیں، اور جو پائخانوں کو دیکھیں اور ٹیسٹ کریں کہ اس میں جراثیم پیدا ہو گئے ہیں کہ نہیں تو جو ایسا انسان ہو اور وہ تقدیر کے مسئلہ میں بحث کرے ہمارا ذرا سا علم اور عقل بھی ناقص بھلا اس مسئلہ میں بحث کا کیا حق رکھتے ہیں۔

جبکہ اللہ تعالی کا علم غیر متناہی اسکی صفات غیر متناہی ہیں اور تقدیر بھی اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے تو وہ بھی غیر متناہی ہوئی تو بتلایئے کہ اس زمانہ کے علماء حکماء یعنی ارسطو وغیرہ اور عقل متوسط بلکہ عقل ناقص والے کس طرح اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

یہ تو یہی نہیں سمجھ سکے کہ اس کے پیشاب میں کتنے جراثیم ہیں اور پائخانہ میں کتنے ابھی تو اسی کو کرودتے پھرتے ہیں تو بھلا یہ کس طرح مسئلہ تقدیر کو جان سکتے ہیں۔

اور پھر جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کو تورات وانجیل کا علم دیا گیا تھا انما اوتیت علم الاولین والآخرین جنکی شان ہے کہ تمام مخلوق سے زیادہ جن کو علم دیا گیا اور ان سے زائد علم کسی کو نہیں دیا گیا اور جو اصل الی الحق ہے وہ یوں کہتا ہے کہ میں تم کو اس معاملہ میں جھگڑا نہ کرنے کی قسم دیتا ہوں اور تاکید سے فرماتا ہے کہ تم اس میں بحث نہ کرو، ایک وہ انسان ہے کہ جس کے سامنے سیڑھی لگی ہوئی ہے جس کے ذریعہ وہ بالاخانہ پر آسانی سے پہنچ سکتا ہے تو اس کو زیادہ علم ہوگا یا اس کو کہ جس کے سامنے سیڑھی بھی نہ ہو۔

تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سامنے تو سیڑھی لگی ہوئی تھی تمام آسمان وزمین کا علم آپ کو دے دیا گیا تھا جب وہ اس طرح فرماتے ہیں تو دوسرے لوگوں کی کیا مجال ہے کہ وہ اس کے اندر بحث کریں۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ

فوائد حدیث

(۱)...... تقدیر خداوندی اور اسی طرح ہر غیر عقلی اور غیر مفید چیز میں الجھنا اور بحث وتکرار کرنا مضر ہے۔

(۲)...... غیر مقاصد میں نہیں پڑنا چاہئے۔

(۳)...... طلباء اگر غیر مقاصد میں مشغول ہوں تو اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ ان کو روکیں، منع کریں۔ اسی طرح طالبین ومریدین اور متعلقین غیر ضروری اور غیر مفید کام میں مشغول ہوں تو حضرات مشائخ اور حضرات سرپرستوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کو تنبیہ کریں۔

(۴)...... ناراضگی کے کام پر ناراض ہونا برا نہیں بلکہ ضروری ہے۔

اہم تنبیہ

مسئلہ تقدیر میں بحث ومباحثہ کی ممانعت اس وجہ سے نہیں نعوذ باللہ کہ اس مسئلہ میں کچھ کجی یا کچھ سقم ہے، العیاذ باللہ ہرگز نہیں، بلکہ منشاء یہ ہے کہ یہ مسئلہ بہت اونچا اور بہت مہتم بالشان ہے، اور بہت نازک ہے، اس لئے جب تک اس درجہ کا علم نہ تو بحث کرنا مفید نہیں بلکہ مضر ہے، اور غلط خطرات اور وساوس پیدا ہونے کا ذریعہ ہوسکتا ہے، اس لئے اس سے ممانعت کی گئی ہے۔ اور اتباع شریعت بے غبار ہے، اور بے خطر ہے، اور نجات کے لئے کافی ووافی ہے، اس لئے بس اتباع شریعت پر عمل کرنا چاہئے۔ فقط

وروی ابن ماجة نحوه عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کی بحث

یہ سند کتب حدیث میں بکثرت آتی رہتی ہے، اس لئے اس کے متعلق ضروری باتیں جان لینا ضروری ہے، یہ سلسلہ نسب یوں ہے: عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔

عبداللہ اور ان کے والد عمرو رضی اللہ عنہما دونوں صحابی ہیں، اس مذکورہ سند میں عن ابیہ کی ضمیر عمرو کی طرف راجع ہے، اور ابیہ کا مصداق شعیب ہیں، یعنی عمرو اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں۔ جدہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں۔

(۱)......اس ضمیر کا مرجع عمرو ہیں اور اس کے مصداق محمد ہیں، یعنی شعیب عمرو کے دادا محمد سے روایت کرتے ہیں، اس صورت میں مرسل ہوگی۔

(۲)......جدہ کی ضمیر کا مرجع ابیہ ہے، اب جد کا مصداق عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہوں گے، جو کہ شعیب کے دادا ہیں، مطلب یہ ہوگا کہ شعیب اپنے دادا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اس صورت میں یہ حدیث مرسل نہیں ہوگی، کیونکہ عبداللہ صحابیؓ ہیں، اور براہ راست حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کررہے ہیں۔

ان دو احتمالوں میں سے کونسا احتمال راجح ہے، عام طور پر اس انداز کی سندوں میں ابیہ اور جدہ دونوں کی ضمیروں کا مرجع پہلا راوی ہی ہوتا ہے، جیسے عن بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ اس میں دونوں ضمیروں کا مرجع بہز ہے، لیکن زیر بحث سند میں دوسرا احتمال راجح ہے، کہ جدہ کی ضمیر کا مرجع ابیہ ہے۔ اس احتمال کے راجح ہونے کے کئی قرائن ہیں۔ سب سے واضح قرینہ یہ ہے کہ ابوداؤد اور نسائی کی روایات میں یوں ہے: عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عبداللہ۔[1]

---

[1] انظر تدریب الراوی: ۲/۲۵۷، ۲/۲۵۸، وقد صحح الترمذی ایضاً حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ (جامع الترمذی: ۲/۱۰)

یہ سند قابل احتجاج ہے یا نہیں؟ اس میں دو رائیں ہیں، بعض نے اس سند کو قبول نہیں کیا، اس وجہ سے کہ اگر جدہ کا مصداق محمد ہوں تو یہ حدیث مرسل ہے، کیونکہ محمد تابعی ہیں اور براہ راست حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر رہے ہیں، اور اگر جدہ کا مصداق عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہوں تو اشکال یہ ہے کہ شعیب کو اپنے دادا عبداللہ سے سماع حاصل نہیں، بلکہ ان کو اپنے دادا کا صحیفہ مل گیا تھا اس سے وجادۃً روایت کرتے ہیں، یہ حدیث منقطع ہوئی۔

لیکن صحیح رائے یہی ہے کہ یہ سند قابل احتجاج ہے، کم از کم درجہ حسن کی ضرور ہے، امام احمدؒ اور ان کے اصحاب اور اکثر محدثین نے اس حدیث کو قبول کیا ہے، امام بخاریؒ کا بھی یہی مذہب ہے[1] لیکن چونکہ اپنی صحیح میں حدیث لانے کے لئے انہوں نے کڑی شرائط مقرر کر رکھی ہیں اس لئے اس سند کی کوئی حدیث اپنی صحیح میں نہیں لائے۔

جن حضرات نے اس حدیث کو قبول نہیں کیا ان کے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں دوسرا احتمال متعین ہے کہ جدہ کا مصداق عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہیں، باقی رہا یہ اشکال کہ شعیب کو عبداللہ سے سماع حاصل نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ شعیب کو اپنے دادا عبداللہ سے سماع حاصل ہے، اس لئے کہ شعیب ابھی بچے ہی تھے کہ ان کے والد محمد کا انتقال ہو گیا، ان کی پرورش ان کے دادا عبداللہؓ نے فرمائی۔ ان سے شعیب نے علمی استفادہ بھی کیا[2]

---

[1] میزان الاعتدال: ۳/۲۶۲، وفیہ ایضاً انہ ثبت التصریح بسماعہ عن عبداللہ فی بعض الروایات.

[2] ایضاً

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ایک مشت خاک سے

﴿۹۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قُبْضَۃٍ قَبَضَھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ آدَمَ عَلٰی قَدْرِ الْاَرْضِ مِنْھُمُ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْیَضُ وَالْاَسْوَدُ وَبَیْنَ ذٰلِکَ وَالسَّھْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ" (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

حوالہ: ترمذی: ۲/۱۲۵/۱۲۴ سورۃ البقرۃ، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۲۹۵۵، ابوداؤد ص: ۲/۶۴۲، باب فی القدر، کتاب السنۃ، حدیث نمبر: ۴۶۹۳، مسند احمد: ۴/۴۰۰۔

حل لغات: قبض علیہ قبضۃً ہاتھ میں لینا، السھل نرم ہموار، ج سھولٌ، الحزن اکھڑ مزاج آدمی، ج حُزُنٌ.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی (مٹی) سے پیدا کیا جس کو ساری زمین سے جمع کیا تھا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد زمین کے مطابق پیدا ہوئی کہ ان میں سے کچھ سرخ ہیں کچھ سفید ہیں، اور کچھ سیاہ ہیں اور کچھ ان کے درمیان ہیں، اسی طرح سے ان میں سے کچھ نرم مزاج ہیں کچھ سخت مزاج ہیں، اور ان میں سے کچھ ناپاک اور کچھ پاک ہیں"

تشریح: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ

بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا کیا اب رہا یہ سوال کہ وہ مٹھی کس کی مٹھی تھی اور وہ مٹی کہاں سے آئی تھی اس کے متعلق آپ اسرائیلی روایتوں میں دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا کہ جاؤ زمین سے مٹی لاؤ تو وہ زمین رونے لگی کہ مجھ سے گنہگار بنیں گے اور جہنم میں داخل ہوں گے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو زمین پر رحم آیا اور وہ واپس آگئے پھر حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام گئے تو ان کو بھی رحم آگیا اور وہ بھی تہی دست واپس آگئے اس کے بعد حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا جن کے یہاں حکم خداوندی کی تعمیل اصل تھی چنانچہ ان کو زمین کی گریہ وزاری پر رحم نہ آیا اور زمین سے اس طرح مٹی نکال کر لے گئے کہ اس میں زمین کے تمام حصوں کے اجزاء آگئے نرم سخت ہر قسم کی زمین اس کے اندر آگئی[1] یہ زمین حضرت عزرائیل علیہ السلام کے سامنے ایسی ہے جیسے کوئی چاولوں کی بھری ہوئی پلیٹ سامنے رکھی ہو اور عورت کچھ دانوں کو چکی کے اندر ڈال دیتی ہے اسی لئے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام ہر انسان کو ہر روز ستر مرتبہ تاکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ تمہیں زمین پر رحم نہ آیا آخر تمہاری ہی برادری کے تین بھائی رحم کی وجہ سے واپس آگئے تھے تو انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ! رحم تو مجھ کو بھی آیا تھا مگر میں نے تعمیل حکم کو مقدم رکھا اور ضروری سمجھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بس ٹھیک ہے تم ہی اس کی روحیں نکالنے پر مامور ہو، حضرت عزرائیل علیہ السلام نے سوچا کہ لوگ روز برا بھلا کہا کریں گے۔

---

[1] **افادہ: من جمیع الارض:** یعنی روئے زمین کا وہ تمام حصہ جہاں بنی آدم کا رہنا اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے، من جمیع الارض سے پوری روئے زمین مراد نہیں ہے اس لئے کہ زمین کا بعض حصہ وہ ہے جہاں آدمی کے قدم پہنچتے بھی نہیں اور زمین سے مٹھی بھرنے والے حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب اس کے حکم اور اس کے ارادہ کی وجہ سے ہے۔(مرقاۃ: ۱/۱۷۴، باب الایمان بالقدر)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم پردہ والے ہیں تم کو بھی پردہ میں رکھیں گے اسباب مقرر کر دیئے گئے اور آج کوئی ان کا نام بھی نہیں لیتا تو یہ تھے ایک مٹھی مٹی لانے والے اور پھر اسی سے اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کا سلسلہ قائم فرمایا پوری مخلوق زمین کے اوصاف لئے ہوتی ہے کوئی سرخ ہے کوئی سفید ہے کوئی سیاہ ہے اور کوئی نرم دل ہے اور کوئی سخت دل ہے اور کوئی بین بین کوئی خبیث کوئی طیب کسی کو دیکھو تو معلوم ہوگا یہ تقدس وتقوی میں فرشتوں سے بھی آگے بڑھ گیا ہے چونکہ زمین پر بیت اللہ اور بیت المقدس اللہ تعالیٰ کی مساجد ہیں اس لئے ان کا اثر ان انسانوں میں آ گیا اور بعض لوگ اتنے سرکش وگنہگار ہیں کہ وہ اس وصف میں شیطانوں سے بھی بڑھ گئے ہیں اتنا سخت قلب وپتھر دل کہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو بھی یہ فرمانا پڑا ثم قست قلوبکم من بعد ذالک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ الخ [اس سب کے بعد تمہارے دل پھر سخت ہو گئے، یہاں تک کہ وہ ایسے ہو گئے جیسے پتھر؛ بلکہ سختی میں کچھ اس سے بھی زیادہ (کیونکہ) پتھروں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں، اور ان ہی میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو خود پھٹ پڑتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے، اور ان ہی میں وہ (پتھر) بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے لڑھک جاتے ہیں اور (اس کے برخلاف) جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے۔] (آسان ترجمہ) یہ بھی تقدیر کا مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو جس طریق اور جس حصے سے چاہا پیدا کر دیا۔

جس کو نور الٰہی نصیب ہوا وہ کامیاب ہو گیا

﴿٩٤﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ خَلْقَہٗ فِیْ ظُلْمَۃٍ فَاَلْقیٰ

عَلَيْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهٗ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ اِهْتَدٰى وَمَنْ اَخْطَاَهٗ ضَلَّ فَلِذٰلِكَ اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰى عِلْمِ اللّٰهِ" (رواہ احمد والترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۹۳، باب افتراق هذه الامة، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۲۶۴۲، مسند احمد: ۲/۱۱۲۔

حل لغات: ظلمة تاریکی، اندھیرا، ج ظُلَمٌ و ظُلُمَاتٌ، اهتدی ہدایت پانا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا اور پھر اس پر اپنا کچھ نور ڈالا؛ چنانچہ جس کو اس نور کی روشنی نصیب ہوئی وہ راہ یاب ہو گیا، اور جو اس نور کی روشنی سے محروم ہو گیا وہ گمراہ ہو گیا، اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم پر خشک ہو گیا۔

تشریح: قوله ان الله خلق خلقه فی ظلمة: تاریکی سے مراد نفس امارہ ہے اور تاریکی میں پیدا کرنے سے مراد نفس امارہ کا اسیر بنا کر پیدا کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات کو ایسی جبلت کے ساتھ پیدا کیا جس کی بنیاد میں بری خواہشوں اور بری لذتوں کی طلبگاری اور نیکیوں سے غفلت و کوتاہی کا مادہ بھی رکھا ہوا ہے۔

نور سے مراد ایمان معرفت اور طاعت عبادت کا نور ہے اور نور کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ وہ اس کو پیدا کرنے والا اور عطا کرنے والا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ نور سے مراد دلیل و حجت اور وہ چیزیں جو انکی جانب نازل کی گئی ہیں، یعنی آیات اور ڈرانے والی چیزیں جو آخرت کا خوف دلائیں اس لئے کہ اگر یہ نہ ہوتیں تو بندے گمراہی کی اندھیریوں اور جہالت کے بیابانوں میں بھٹکتے رہتے نیز کہا گیا ہے کہ ظلمت سے مراد حرص، حسد، کبر، اخلاق ذمیمہ اور توفیق ہدایت کو ختم کر دینا ہے پس جس شخص کو نور

ہدایت کی توفیق ہوگئی وہ ہدایت پا گیا اور جو اس کے پانے سے محروم رہا گمراہ ہوگیا، راستہ سے بھٹک گیا اور کہا گیا ہے کہ ظلمت سے جہالت اور نور سے معرفت مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس حال میں پیدا کیا کہ وہ اس کی ذات وصفات سے نا آشنا تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات سے ان کو واقف کرایا تاکہ وہ اس کی معرفت حاصل کریں اور کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو اندھیری اور گمراہی میں پیدا فرمایا پھر ان کے اوپر رحمت اور ہدایت کا نور ڈال دیا اگر وہ نور نہ ہوتا تو کوئی ہدایت نہیں پا سکتا تھا۔

(مرقاۃ: ۱/۱۷۵، باب الایمان بالقدر)

تو اللہ تعالیٰ نے اس میں یوم اول کی تاریخ کو یاد دلایا ہے اس لئے کہ جو اول دن کی تاریخ کو یاد کریگا وہ آخری دن کو بھی یاد کر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو اندھیرے کے اندر پیدا کیا اور اپنے نور کو ان کے اندر ڈالا جن کو وہ روشنی پہنچ گئی وہ ہدایت اختیار کرنے والا ہے اور جو اس سے چوک گئے وہ گمراہ ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں بھی تو اسی وجہ سے کہتا ہوں **جف القلم علی علم اللہ.** [اور اسکا قلم سوکھ گیا اللہ کے علم پر] تو معلوم ہوا کہ یہ بھی تقدیر کا مسئلہ ہے کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں۔

قلوب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں

﴿۹۵﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ آمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهٖ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعَمْ اِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ

مِنْ اَصَابِعِ اللّٰہِ یُقَلِّبُهَا کَیْفَ یَشَاءُ رواہ الترمذی و ابن ماجه۔

حوالہ: ترمذی شریف ص۳۵، ۳۶/ج۲، باب ماجاء ان القلوب بین الخ ابواب القدر، حدیث نمبر ۲۱۴۰، ابن ماجہ ص ۱۸، باب فیما انکرت الجهمیة، المقدمة، حدیث ۱۹۹،

حل لغات: قلب الشیء اچھی طرح الٹنا پلٹنا، ثبت جمانا، دل مضبوط کرنا، ثابت قدم رکھنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعا فرمایا کرتے تھے اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ چنانچہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ پر اور جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے ہیں اس پر ایمان لا چکے ہیں تو کیا آپ کو ہمارے بارے میں خدشہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں وہ ان کو جس طرح چاہتا ہے الٹتا پلٹتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کثرت فرماتے تھے اس بات کی کہ اے مقلب القلوب الخ میرے قلب کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا مقلب القلوب کی صفت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے۔ ثبات قلبی میں خوشی میں غمی میں ہر حال میں دین پر ثبات قدمی رہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی کی بات ہے کیونکہ بہت سے انسان فقر و فاقہ کے اندر دین سے ہٹ جاتے ہیں بہت سے اچھی عمارتوں کے اندر خوشحالی کے اندر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں، تنگدستی بھی بری چیز، مال کی کثرت بھی بری چیز، ان ہی دو

چیزوں سے ایمان بدل جاتا ہے، انسان کو سمجھنا چاہئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بنا ہوا ہوں انسان ہر حالت کے اندر صفتِ خداوندی کا مظہر بنا ہوا ہوتا ہے۔ اگر کشادگی کے اندر ہو تو اللہ تعالیٰ کی صفت بسط کا مظہر ہے اور اگر تنگی کے اندر ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفت قبض کا حامل ہے اگر شہرت حاصل ہوگئی تو **هو الاول و الآخر و الظاهر و الباطن** کا مظہر بنا ہوا ہے۔ تو ہر حال کے اندر انسان اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کا مظہر بنا ہوا ہوتا ہے تو انسان اگر اس بات کا تصور کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا مظہر بنا ہوا ہوں تو اس کو کیسا مزہ آئے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے ایسا فرماتے تو ایک روز آپ کے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سوال کیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت بھی کرتے تھے اور علم بھی حاصل کرتے تھے۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے نبی! ہم آپ پر اور اس پر جو آپ لیکر آئے ہیں ایمان لاتے ہیں اور جہاں تک ایمان کا تعلق ہے اس میں تو کسی سوال کی گنجائش ہی نہیں۔ ہاں جہاں تک علم کا تعلق ہے تو کیا ہم کچھ سوال کرسکتے ہیں کہ آپ جو ثباتِ قلب کی دعا فرماتے ہیں اس سے آپ کے بارے میں تو ہرگز یہ شبہ پیدا نہیں ہوسکتا کہ آپ دینِ حق سے انحراف کر جائیں اس لئے لامحالہ یہ دعا آپ ہمارے ہی واسطے فرماتے ہیں۔ تو کیا آپ کو ہمارے متعلق انحراف عن الحق کا خوف ہے؟

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ہاں۔ کسی پر بھی اطمینان نہیں کیا جاسکتا کہ مومن ذرا سی دیر میں جو جنت کا مالک بنا ہوا ہے کفر کرنے لگتا ہے اور صاحب نار اور اہل جہنم بن جاتا ہے۔

سارے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس کو جس طرح چاہے پھیر دے اور بدل دے۔

قولہ یقلبها کیف یشاء: کیف یشاء مفعول مطلق ہے یقلبها کا یعنی یقلبها یریدہ جس کو چاہتا ہے پلٹ دیتا ہے یا یقلبها کی ضمیر منصوب سے حال ہے یعنی یقلبها علی ای صفۃ شاء دلوں کو جس سمت پر چاہتا ہے پلٹ دیتا ہے۔ (مرقاۃ:۱/۱۷۶، باب الایمان بالقدر)

اعتراض: یا مقلب القلوب: اس میں ایک اعتراض ہے اور وہ یہ ہے کہ اس حدیث شریف کے یہ کلمات مقدم ہیں اور فصلِ اول میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ کلمات مؤخر ہیں یہاں لفظ ثَبِّتْ ہے اور وہاں لفظ صَرِّفْ اور یہاں قلب کی اضافت اپنی ہی جانب ہے جبکہ وہاں پوری جماعت کی طرف ہے تو یہ مقدم و مؤخر اور الفاظ کی تبدیلی میں کیا راز ہے اور کیا فائدہ ہے؟

جواب: یہاں ان کلمات کو مقدم کرنا اور لفظ ثَبِّتْ کے ذکر کو خاص کرنا اور قلب کی اضافت اپنی جانب کرنا یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تعریض ہے اور ان کو متنبہ کرنا ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو مامون و محفوظ ہیں آپ کو اپنے نفس پر کوئی خوف نہیں۔ فرمان باری تعالیٰ کی وجہ سے "انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم" [بیشک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں سیدھے راستہ پر ہیں] (بیان القرآن)

اور اسی وجہ سے دین کو خصوصاً ذکر کیا ہے اور اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سوال کیا "هل تخاف علی دیننا؟ اور وہاں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان کلمات کو مؤخر کرنا اور لفظ صرف کا ذکر کرنا اور قلب کی جمع لانا اس وجہ سے ہے کہ وہاں کلام کو اصل بیان تقید کے لئے لایا گیا ہے اور دعا کا تذکرہ ضمناً اور تبعاً ہے۔ (الطیبی: ۱/۱۷۷، باب الایمان بالقدر)

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ بڑے سے بڑے کامل کو بھی اپنے اوپر مطمئن

ہو کر بے خوف نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اپنے خاتمہ کے بارے میں برابر ڈرتے رہنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہئے۔

دل پَر کی طرح ہے

﴿۹۲﴾ وعَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقَلْبِ کَرِیْشَۃٍ بِاَرْضٍ فَلَاۃٍ یُقَلِّبُھَا الرِّیَاحُ ظَھْرًا لِبَطْنٍ۔

(رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد ص ۴۰۸ ج ۴۔

حل لغات: الرِّیْشَۃُ، پر، فلاۃ بیابان، ج فلا و فلوات.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دل کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ''پر'' کسی بیابان میں پڑا ہوا ہو، ہوائیں اسکو الٹ پلٹ کرتی رہتی ہوں[1]۔ (مسند احمد)

تشریح: حضرت ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قلب کی مثال اس پر جیسی ہے جو خالی زمین پر پڑا ہوا ہو اور ہوا اس کو الٹ پلٹ رہی ہو کبھی دیکھا ہوگا کہ چھوٹے سے پر کو ہوا کس طرح اڑاتی بدلتی رہتی ہے، تو انسان کے دل کی مثال بھی ایسی ہی ہے اللہ تعالیٰ اس کو الٹتے بدلتے رہتے ہیں بلکہ اس کی زندگی کا مدار ہی اس

---

[1] قولہ ظھرا لبطن: شیخ مظہر فرماتے ہیں ظھرا یقلبھا کی ضمیر سے بدل البعض ہے اور لام لبطن میں الی کے معنی میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ینادیا ینادی للایمان اور ظھرا لبطن کا مفعول مطلق ہونا بھی درست ہے۔ یعنی یقلبھا تقلیبا مختلفا اور اس کا حال ہونا بھی صحیح ہے۔ یعنی تقلبھا مختلفۃ اور اسی الٹ پلٹ کی وجہ سے قلب کو قلب کہتے ہیں۔ (الطیبی: ۱/۱۷۸، باب الایمان بالقدر)

پر ہے کہ وہ جسمانی اور روحانی طور پر متحرک رہے تو جس شی کا یہ حال ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے، اور ثبات قلبی کی دعا کرتا رہے۔

جو تقدیر پر ایمان نہ لائے

﴿۹۷﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ (رواہ الترمذی وابن ماجه)

حوالہ: ترمذی ص ۳۶ ج ۲ / باب ماجاء فی الایمان بالقدر الخ، ابواب القدر حدیث نمبر ۲۱۴۵، ابن ماجہ ص ۹ حدیث ۸۱ / باب فی القدر.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ انسان چار چیزوں پر ایمان لائے بغیر مؤمن نہیں ہو سکتا (۱) گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے (۲) مرنے پر ایمان لائے (۳) مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لائے۔ (۴) تقدیر پر ایمان لائے۔

تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے یہ چار چیزیں بطور حصر نہیں فرمائیں بلکہ بطور تخصیص بیان کی ہیں۔

ایمان کے کچھ مخصوص سات اجزاء ہیں جن کو ایمان مفصل میں ذکر کیا گیا ہے پھر ان

سات میں سے چار اجزا بہت ہی خاص ہیں ان چاروں کو اس حدیث کے اندر بیان کیا ہے۔

یشهد ان لا اله الا الله الخ:[1] میں **یشهد ان لا اله الا الله بالحق** تک ایک جزء **ویؤمن بالموت** دوسرا جزء **والبعث بعد الموت** تیسرا جزء **ویؤمن بالقدر** چوتھا جزء ہے۔ اس کی ایک یہ صورت ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ **یشهد** سے اللہ تک ایک جزء اور **انی رسول الله بعثنی بالحق** دوسرا جزء اور **یومن بالموت و البعث بعد الموت** تیسرا جزء اور **یومن بالقدر** چوتھا جزء ہے۔

بہر حال **یشهد ان لا الـٰه الا الله الخ:** جواب ہے سوال محذوف کا اور وہ سوال **ماھی** ہے۔

تو یہ اس کا جواب ہے اور ان چار سے مراد یہ چیزیں ہیں۔

شهادة: یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور اس بات پر کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

بعثنی بالحق:[2] اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حق کے ساتھ

---

[1] **افادہ: یشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله: یشهد** نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے قول **حتی یؤمن** سے بدل ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور کہا گیا ہے ماقبل کی تفصیل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور لفظ **امن** سے لفظ **شهادت** کی طرف عدول کرنا یہ پوشیدگی کی وجہ سے ہے اس طور پر کہ توحید و رسالت کی تصدیق قلبی کے ساتھ ساتھ زبان سے گواہی بھی دے صرف تصدیق قلبی پر اکتفاء نہ کرے یا عدول کرنا اس بات کو بتلانے کیلئے ہے کہ تلفظ شہادتین بھی ایک رکن ہے گویا کہ کہا گیا کہ تصدیق قلبی کے بعد زبان سے گواہی دے یا اشارہ اس طرف ہے کہ حکم ظاہری شئی پر لگتا ہے۔ واللہ اعلم بالسرائر۔ (مرقاۃ:۱۷۶/۱، باب الایمان بالقدر)

[2] **بعثنی بالحق:** یہ جملہ مستانفہ ہے گویا کہ کہا گیا **لم یشهد** کیوں گواہی دیں تو آپ نے جواب فرمایا **بعثنی بالحق ای الی کافة الانس والجن** یعنی اس لئے گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کے ساتھ تمام انسانوں اور جنات کی جانب مبعوث فرمایا ہے اور **بعثنی بالحق** کا حال مؤکد ہونا بھی جائز ہے یا خبر کے بعد خبر ہے اس صورت میں دونوں خبریں گواہی کے تحت داخل ہوں گی۔ (مرقاۃ:۱۷۶/۱، باب الایمان بالقدر)

بھیجا ہے۔مثلاً جنت ایک حقیقت ہے دوزخ ایک حقیقت ہے اسی طرح دوسری حقیقتوں کی خبر دیکر مجھ کو بھیجا ہے۔

ویؤمن بالموت: اور ایمان رکھے موت کے وقت کا اس پر یقین تو سب رکھتے ہیں یہاں مراد اس کو یاد رکھنا ہے کہ موت کا دھیان بھی رکھے۔

والبعث بعد الموت: اور اس بات پر ایمان لائے کہ مرنے کے بعد اٹھنا بھی ہے۔اسی پر تو عرب والے بگڑ پڑتے تھے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں اور بالکل بوسیدہ تو بھلا پھر کس طرح پیدا کئے جائیں گے تو اس بات پر ایمان لانا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اس بات پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

اشکال مع جواب

ویؤمن بالموت والبعث بعد الموت: یہاں ایک اشکال ہے۔

اشکال: لفظ یؤمن کے ذکر کرنے کے ساتھ لفظ موت کو تاکیداً ذکر کیا ہے اور لفظ بعث کو تاکیداً ذکر نہیں کیا جبکہ موت ایک ظاہری شئی ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔اور بعث ایک خفیہ اور پوشیدہ شئی ہے، اس کا انکار کیا جا سکتا ہے ایسا کیوں؟

جواب: لفظ موت کو تاکید کے ساتھ لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعث کی دلیلیں اور اس کے ثبوت ظاہر ہیں اور موت کے ذکر سے لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور موت ایک سبب ہے جو نعمتِ حقیقی تک پہنچاتا ہے پس موت ظاہر میں فناء اور ختم ہونا ہے لیکن حقیقت میں بقاء اور ولادتِ ثانیہ ہے اور موت جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان پر اس کی خلقت کا احسان جتلایا ہے۔چنانچہ فرمایا: **"خلق الموت والحیاۃ"** [اس نے موت اور زندگی دونوں کو پیدا فرمایا] اور اس لئے تاکیداً

ذکر کیا کہ موت ہی حقیقی زندگی تک پہنچانے والی ہے۔ چنانچہ یہ تو موت کی وجہ سے پیش آنیوالے تغیرات ہیں جیسا کہ بوئی ہوئی گٹھلی اپنے جسم کوخراب کرنے کے بعد ہی ایک تناور درخت بنتی ہے۔(مرقاۃ:۱/۱۷٦،باب الایمان بالقدر)

اور فرمایا:

الدنیا مزرعۃ الآخرۃ: دنیا آخرت کی کھیتی ہےاس کے اندر بونا چاہئے۔

ویؤمن بالقدر: اورچوتھے تقدیر پر ایمان لائے کہ جوکچھ ہوتا ہے وہ پہلے سے مقدر کیا ہوا ہے۔اس میں کسی کوچون وچرا کی گنجائش نہیں ہے۔پس ان چاروں چیزوں پر ایمان لائے بغیر ایمان کامل اور معتبر نہیں ہوتا۔

مرجیہ اور قدریہ کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے

﴿۹۸﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اُمَّتِيْ لَيْسَ لَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ نَصِيْبٌ اَلْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ۔ رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب۔

حوالہ:ترمذی شریف ص ۳۷،ج ۲،باب ماجاء فی القدریۃ، ابواب القدر، حدیث نمبر ۲۱۴۹۔

حل لغات:صنفان،واحد صنف،قسم،نوع،ج اصناف.

ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میری امت میں سے دوفرقے ایسے ہوں گے جن کو اسلام میں کچھ بھی نصیب نہ ہوگا ایک مرجیہ فرقہ اور دوسرا قدریہ ہے ترمذی نے حدیث نقل کرکے کہا ہے

کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے دو قسم کے عقائد والے لوگ ایسے ہوں گے جن کے واسطے ایمان کا کچھ بھی حصہ نہ ہوگا[1]۔ آگے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل فرمادی: المرجیہ، والقدریہ۔

مرجیہ: مرجیہ وہ فرقہ ہے جو اس کا قائل ہے کہ صرف زبان سے تصدیق قلبی کے بغیر "لا الٰہ الا اللہ" کہہ دینا نجات کے لئے کافی ہے اور بخشش کے لئے اعمال بھی ضروری نہیں۔ اگر کوئی اعمال بھی کرے گا تو وہ درجہ بدرجہ ترقی کریگا ورنہ نفس نجات کے لئے اعمال ضروری نہیں اور صرف زبان سے "لا الہ الا اللہ" کہہ دینا ہی کافی ہے۔

---

[1] قولہ لیس لھما فی الاسلام نصیب: یعنی ان کا اسلام میں کامل حصہ نہیں یا کمال اطاعت میں ان کا کوئی حصہ نہیں اس تضا وقدر کی وجہ سے جو بندوں کے حق میں لکھی جا چکی۔ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں جو فریقین کو کافر قرار دے تو یہ بات کبھی اس کی طرف عود کر جاتی ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ اہل بدعت کو کافر قرار دینا یہ جلد بازی ہے اس لئے کہ وہ جاہل یا مخطی مجتہد کے درجہ میں ہیں اور یہ اہل تحقیق کا محتاط قول ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: "لیس لھما فی الاسلام نصیب" کم نصیبی پر محمول ہوگا جیسا کہ کہا جاتا ہے: "لیس للبخیل من مالہ نصیب" [کہ بخیل کا اپنے مال میں کوئی حصہ نہیں] حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جو شخص اس حدیث شریف کے ظاہر کو لیتے ہوئے فریقین کو کافر قرار دے اس نے راحت طلبی کی تحقیق سے کام نہیں لیا بلکہ صحیح اکثر علماء سلف وخلف کے یہاں یہ ہے کہ ہم اہل بدعت کو کافر قرار نہیں دیتے جبتک کہ وہ کفر صریح کو اختیار نہ کریں اس لئے کہ التزام کفر کفر نہیں ہے اسی وجہ سے علماء ان سے برابر مسلمانوں جیسا معاملہ کرتے رہے ہیں۔ جیسے ان سے نکاح کرنا اور نکاح کرانا ان کی نماز جنازہ ادا کرنا ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا وغیرہ...... اس لئے اگرچہ وہ مخطی غیر معذور ہیں ان پر فسق وضلال کا حکم ثابت ہو چکا ہے لیکن انہوں نے کفر اختیاری کا ارادہ نہیں کیا اور انہوں نے اصلاحت حق میں اپنی کوششوں کو صرف کیا ہے لیکن وہ اس کو حاصل نہیں کر سکے اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی عقلوں کو حکم بنایا اور صریح حدیث اور آیات میں مناسب تاویل کرنے سے اعراض کیا۔ (مرقاۃ: ۱/۱۷۷، باب الایمان بالقدر)

یہ اس گمراہ فرقہ کا بنیادی عقیدہ ہے۔

قدریہ: وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ جو اعمال بندہ کرتا ہے بس وہ کر لیتا ہے اس میں اس کے ارادہ اور اختیار کا کوئی دخل نہیں اور اس کو کرنے سے پہلے نہ اللہ کے علم میں وہ عمل ہوتا ہے اور نہ بندہ کے۔

یہ اس گمراہ فرقہ کا بنیادی عقیدہ ہے۔

البتہ فروع میں ان کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے۔

بقول پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم یہ دونوں فرقے باطل اور گمراہ ہیں اور ان کا ایمان سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

فرقۂ مرجیہ کا جواب

فرقۂ مرجیہ کا جواب تو یہی ہے کہ صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینا تصدیق قلبی کے بغیر کافی اور معتبر نہیں یوں تو مرتے وقت کافر بھی ان کہنی کہہ لیتے ہیں اور یہ مرجیہ استدلال کرتے ہیں اس حدیث شریف سے جس میں آیا ہے: ''**من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة**'' [جس نے ''**لا الہ الا اللہ**'' کہا وہ جنت میں داخل ہوگا]

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث شریف مؤول ہے اپنے ظاہر پر محمول نہیں۔ چنانچہ دوسری حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ انسان کے زنا کرتے وقت چوری کرتے وقت ایمان نہیں رہتا یہ مجبور کرتی ہے کہ اس میں تاویل کیجائے۔

قدریہ کا جواب

اور قدریہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو اس فعل وعمل کا علم نہ تھا اس وجہ سے وہ

کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ اعمال کو مقدر کر دے اور پھر ان پر سزا دے اور یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف برے افعال کو پیدا کرنے کی نسبت لازم آتی ہے تو ان کا یہ کہنا ایسا ہی ہوا کہ بارش سے بھاگے اور پرنالے کے نیچے جا کر کھڑے ہوئے اس سے بڑھکر دوسری چیزوں میں مبتلا ہوگئے کہ جہل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی اور اس سے جبر کی نسبت لازم آئی۔

رہا یہ کہ غلط اعمال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف لازم آتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فعل کے اندر دو نوعیتیں ہوتی ہیں۔ ایک کسبی دوسرے خلقی۔ خلقی اعتبار سے سب حسن ہیں اور ان کا پیدا کرنا بھی حسن ہے البتہ ان کا ارتکاب برا ہے۔

مثلاً شراب کا دنیا میں پیدا ہونا فی نفسہ برا نہیں ہے ہاں اس کا کسب برا ہے ایسے ہی خنزیر کا پیدا کرنا برا نہیں ہے بلکہ حسن ہے۔ ہاں اس کا کسب برا ہے۔ جیسی مصلحتیں اعیان خارجیہ کے اندر ہیں ویسی ہی مصلحتیں ان چیزوں کے اندر بھی ہیں۔

ایک مچھر نمرود کا دماغ درست کرنے کے لئے کافی ہوجاتا ہے یہ کھٹمل اور مچھر ڈاکٹری کرتے ہیں انجکشن لگا کر غلط جراثیم کو نکالتے ہیں اور جس طرح کبھی کبھی ان دنیا کے ڈاکٹروں سے غلطی ہوجاتی ہے اسی طرح کبھی ان مچھر و کھٹمل وغیرہ ڈاکٹروں سے بھی غلطی اور خطا ہوجاتی ہے۔

سانپ جہاں خطرہ والا ہے وہیں اس کا پیدا کرنا اچھا بھی ہے برا نہیں اور اس کی تخلیق میں مصلحتیں ہیں یہ ممیرہ جس سے بنایا ہوا سرمہ اندھے کی آنکھوں میں استعمال کرنے سے وہ روشن ہوجاتی ہیں اور وہ نابینا شخص دیکھنے لگتا ہے وہ سانپ کے اندر سے ہی نکلتا ہے۔

تو جس طرح اعیانِ خارجیہ کے اندر کوئی چیز بھی خارج از مصلحت نہیں اسی طرح اختیاری افعال کے اندر بھی مصلحتیں ہیں ان کی تخلیق عمدہ اور حسن ہے مگر ان کا کسب غلط ہوجاتا ہے تو ان افعال میں خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اور وہ حسن ہے اور کسب کی

نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہوتی جو بری ہے۔تو اس طرح یہ مضمون پیش کر کے سمجھانا اہل سنت والجماعت ہی کا کام ہے۔ یہ نہیں کہ سرے سے تقدیر ہی کا انکار ورد کر بیٹھیں اور صرف قولِ "لاالہ الا اللہ" پر ہی امید کر کے بیٹھ جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دوفرقوں کا ذکر کیا یہ فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں بھی موجود تھے مگر ظاہر نہیں ہوئے تھے اس زمانہ میں ستر کے ستر فرقِ باطلہ منافقین کی شکل میں موجود تھے گو ظاہر بعد میں ہوئے۔

دنیا کے اندر جس قدر بھی غلط وگمراہ فرقے ہیں ان سب کے اصل بانی یہودی تھے۔ چاہے وہ غلام احمد قادیانی ہو یا کوئی اور دوسرا۔

تقدیر کے جھٹلانے والوں کو عذاب دیا جائے گا

﴿۹۹﴾ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَذَالِكَ فِيْ الْمُكَذِّبِيْنَ بِالْقَدَرِ۔ رواہ ابوداؤد، وروی الترمذی نحوہ۔

حوالہ: ترمذی شریف ص ۳۸، ج ۲، باب (۱۶) کتاب القدر، حدیث ۲۱۵۲، ابواب القدر، ابوداؤد شریف: باب لزوم السنۃ حدیث نمبر ۴۶۱۳،

تنبیہ: یہ حدیث ابوداؤد شریف کے ان دونسخوں میں موجود ہے جو کہ ابوسعید ابن الاعرابی اور ابوبکر ابن داسہ سے منقول ہیں (تحفۃ الاشراف: ۶/۹۲) ہمارے یہاں جو نسخہ دستیاب ہے وہ ابولؤلؤ کا ہے اس میں یہ روایت نہیں ملی۔

حل لغات: خسف خسف الارض (ض) خسفا زمین کا دھنس جانا،

مسخ مسخ (ف) مسخا شکل بگڑنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کہ میری امت میں دھنس جانے اور شکل بگڑ جانے کا عذاب ظاہر ہوگا اور یہ ان لوگوں پر ہوگا جو تقدیر کو جھٹلاتے ہیں (ابوداؤد) ترمذی نے بھی اس طرح روایت نقل کی ہے۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں خسف بھی ہوگا اور مسخ بھی۔[1]

خسف: کہا جاتا ہے زمین میں دھنس جانیکو چنانچہ آپ نے سنا ہوگا کہ فلاں جگہ زلزلہ آیا اور لوگ زمین میں دھنس گئے تو یہ بھی خسف ہے جیسا کہ قرآن شریف میں قارون کا قصہ مذکور ہے کہ ہم نے اس کو اور اس کی دولت کو زمین میں دھانس دیا۔

مسخ: سے مسخ صورت مراد ہے گرچہ آج مسخ صورت ظاہر نہیں ہے مگر روحیں ضرور مسخ ہوتی ہیں اگر لوگوں کی روحوں سے پردے اٹھادئے جائیں تو کوئی انسان بلی کی شکل میں نظر آئیگا اور کوئی کتے کی اور کوئی سانپ اور بچھو کی صورت میں دکھائی دیگا۔

---

[1] ابوسلمان خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس امت میں بھی خسف اور مسخ کا وقوع ہے جیسا کہ پچھلی امتوں میں رہا ہے برخلاف اس قول کے کہ خسف اس امت میں نہیں ہے اور اس امت کا مسخ دلوں کا مسخ ہوجانا اور ان کا پھر جانا ہے۔ (مرقاۃ:۱۷۸/۱، باب الایمان بالقدر)

اور کہا گیا ہے خسف سے مراد چہرہ اور جسم کا سیاہ ہوجانا ہے جو خسوف القمر سے ماخوذ ہے۔ اور مسخ سے دلوں کا سیاہ ہوجانا اور ان کی معرفت کا ختم ہوجانا اور اس میں سختی اور جہل و تکبر کا داخل ہوجانا مراد ہے اور بعید نہیں کہ قدریہ اور جبریہ کا مسخ قیامت میں ان کے چہروں کو سیاہ کرنے کے ساتھ ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے قول: "يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ" کے بارے میں کہا ہے کہ تبیض وجوہ سے اہل سنت والجماعت کے چہرے اور تسود وجوہ سے اہل بدعت کے چہرے مراد ہیں اور ان کا خسف پل صراط سے جہنم میں گرنا ہے۔ یا جہنم کی گہرائی میں اتر جانا ہے۔ واللہ اعلم بالاسرار (مرقاۃ:۱۷۸/۱، باب الایمان بالقدر)

اگر کسی میں چاپلوسی سے لوگوں کا مال کھانے کی عادت ہے تو وہ بلی کی عادت لئے ہوئے ہے اور اگر کسی میں لڑ جھگڑ کر مال کھانے کی عادت ہے تو وہ کتے کی عادت لئے ہوئے ہے جبکہ کسی کو ناحق مارنا سانپ کی عادت ہے۔ بہر حال اگر انسان کی روحوں کو دیکھا جائے تو ان میں بہت سے جانوروں کی شکلوں میں نظر آئیں گے۔

اور یہ مسخ صورت اور خسف زیادہ تر منکرین تقدیر میں ہوگا یعنی جو لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں اکثر خسف و مسخ ان ہی میں ہوتا ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: اشکال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعاء کی برکت سے تو اس امت مرحومہ سے خسف اور مسخ کا عذاب دور کر دیا پھر مکذبین بالقدر کے لئے کیسے ثابت کیا گیا۔

جواب: جواب یہ ہے کہ یہاں پر جملہ معنی کے اعتبار سے جملہ شرطیہ ہے، یعنی اگر اس امت میں خسف و مسخ ہوتا تو یہ مکذبین بالقدر ہی اس کے مستحق تھے، لہذا ان پر ہوتا، اور یہ باب تغلیظ و تہدید سے ہے، یا مراد پھر یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعاء سے تو بظاہر خسف و مسخ ختم ہوگیا، لیکن معنوی خسف و مسخ باقی ہے، جو قلوب کے اعتبار سے ہے۔

(مرقاۃ: باب الایمان بالقدر)

فرقۂ قدریہ

﴿۱۰۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَلْقَدْرِيَّةُ مَجُوسُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِنْ مَرِضُوا فَلَا تَعُودُوهُمْ وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوهُمْ۔

(رواہ احمد وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد ص ۸۶/ ج ۲/ ابوداؤد شریف ص ۶۴۴ ج ۲/ باب القدر، کتاب السنة، حدیث نمبر ۴۶۹۱.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ قدریہ اس امت کے مجوس ہیں اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی مزاج پرسی کے لئے ان کے پاس مت جاؤ، اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو، (رواہ احمد، ابوداؤد)

تشریح: "القدریة مجوس هذه الامة" کہ [قدری لوگ میری امت کے مجوسی ہیں] چونکہ قومِ مجوس جو غیر اللہ کو پوجتی اور آگ کی پرستش کرتی ہے اور کہتی ہے کہ آگ بڑی طاقت والی ہے۔

اور عقیدہ ان کا یہ ہے کہ خالق شر اور ہے اور خالق خیر اور ہے۔ خالق خیر آسمانوں پر رہتا ہے اور اس کو یزداں کہتے ہیں، اور خالق شر زمین پر رہتا ہے اس کو اہرمن کہتے ہیں۔

مجوسیوں نے تو دو ہی خدا مانے مگر ان قدریوں نے تو تعدد الٰہ مانا ہے، چونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ انسان اپنے افعال واعمال کا خود خالق ہے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قدریوں کو مجوسیوں سے تعبیر کیا ہے۔

القدریة مجوس هذه الامة: یہاں امت اجابت مراد ہے۔ یعنی قدریہ کا قول کہ بندے اپنے افعال واعمال کے خود خالق ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کو کوئی دخل نہیں ہے یہ مشابہ ہے مجوس کے قول وعقیدے کے، اس لئے کہ وہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا میں خدا دو ہیں ایک خیر کا خالق ہے اور وہ ''یزداں'' ہے دوسرا شر کا خالق ہے اور وہ ''اہرمن''

ہے۔اور کہا گیا ہے کہ مجوس خیر کو نور کا فعل اور شر کو ظلمت کا فعل مانتے ہیں اسی طرح قدریہ بھی کہتے ہیں کہ خیر اللہ کی جانب سے ہے اور شر نفس وشیطان کی جانب سے ہے۔

(مرقاۃ:۱۷۸/۱، باب الایمان بالقدر)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نہ ان کے پاس جاؤ اور نہ ان کے پاس بیٹھو اگر بیٹھو گے تو کچھ نہ کچھ نقصان ضرور ہوگا جس طرح اگر آدمی لوہار اور حداد کے پاس جا بیٹھے تو اس کو کچھ نہ کچھ دھواں اور چنگاری ضرور لگ جائیگی۔

اور اگر کسی عطار کے پاس جائے تو اس سے کچھ نہ کچھ نفع اس کو حاصل ہوگا۔تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ان کے پاس نہ بیٹھو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ پر بھی حاضر نہ ہو۔

جو حضرات ان کے کفر کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ ارشاد حقیقت پر محمول ہے،اور جو حضرات ان کے کفر کے قائل نہیں بلکہ فسق کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ ارشاد عالی زجر وتوبیخ پر محمول ہے،تاکہ ان کے عقائد کی قباحت وشناعت لوگوں کے دلوں میں پختہ ہو جائے اور ہو سکتا ہے خود ان کے لئے تنبیہ اور توبہ کا ذریعہ بن جائے۔(مرقاۃ:۱/۱۷۹،باب الایمان بالقدر)

ایضاً

﴿۱۰۱﴾ وَعَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاتُجَالِسُوْا اَھْلَ الْقَدَرِ وَلَاتُفَاتِحُوْھُمْ۔ (رواہ ابوداؤ)

حوالہ: ابوداؤدشریف:باب فی القدر، کتاب السنۃ،حدیث نمبر ۴۷۱۰۔

تنبیہ: ابوداؤدشریف کے متداول نسخہ میں یہ حدیث نہیں مل سکی۔

حل لغات: تفاتحوھم، فاتحه فی الامر　کسی معاملے میں کسی بات کا آغاز کرنا، باب مفاعلت سے ہے۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قدریہ کے ساتھ مت اٹھو بیٹھو اور ان کو حاکم مت بناؤ۔

تشریح: قولہ لاتجالسو اھل القدر : اس لئے کہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور رہنا سہنا یہ مودت و محبت کی نشانیاں ہیں اور ان سے محبت رکھنے سے یا تو وہ تم کو اپنی بدعت کی طرف بلائیں گے یا ان کا نقص اور سوءِ عمل تمہارے قلوب اور تمہارے اعمال میں اثر انداز ہوگا اس لئے کہ غیروں کی مجالست غایتِ نقصان اور ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "فلاتقعدوا معھم حتی یخوضو فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم" [ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو! جبتک کہ وہ کوئی اور بات شروع کردیں کہ اس حالت میں تم بھی انہی جیسے ہوجاؤ گے۔ (مرقاۃ: ۱/۱۷۹، باب الایمان بالقدر)

و لاتفاتحوھم: اس کے چند مطلب ہو سکتے ہیں۔

(۱)......ان کے پاس اپنا کوئی فیصلہ نہ لیجاؤ۔

(۲)......ان کو سلام نہ کرو۔

(۳)......ان کے سلام کا جواب نہ دو۔

(۴)......ان سے باتیں نہ کرو۔

(۵)......ان سے مناظرہ نہ کرو۔

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ نہ دوستانہ تعلقات ہونے چاہئیں۔ کہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہو نہ ان کی تعظیم کرنی چاہئے اور جب تک اپنا علم

وعقیدہ پختہ نہ ہوان سے مناظرہ بھی نہیں کرنا چاہئے۔

حکیم نورالدین غلام احمد قادیانی کے پاس اولاً مناظرہ ہی کے لئے گیا تھا اور جاکر پھنس گیا چونکہ اس کا اپنا علم پختہ نہیں تھا۔

چھ لوگوں پر اللہ کی لعنت

﴿۱۰۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ يُجَابُ الزَّائِدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَالْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللّٰهِ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ لِيُعِزَّ مَنْ اَذَلَّهُ اللّٰهُ وَيُذِلَّ مَنْ اَعَزَّهُ اللّٰهُ وَالْمُسْتَحِلُّ لِحَرَمِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِيْ (رواه البيهقي في المدخل ورزين في كتابه)

حل لغات: المتسلط تسلط عليه. قابض وغالب ہونا مسلط ہونا اقتدار واختیار حاصل کرنا، الجبروت قدرت طاقت، زور، جبر، فلانا على الامر (ن) کسی کو کام پر مجبور کرنا، المستحل استحل الشئی، حلال وجائز سمجھنا، عترتی العترة، آدمی کی نسل، اولاد، چھوٹا کنبہ۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چھ لوگوں پر میں لعنت کرتا ہوں، ان پر اللہ تعالیٰ نے بھی لعنت کی ہے اور ہر مستجاب الدعوات نبی نے لعنت کی ہے۔ (۱) اللہ کی کتاب میں اضافہ کرنے والا۔ (۲) اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔ (۳) زبردستی اقتدار پر قابض ہونے والا تاکہ اللہ تعالیٰ کے ذلیل کردہ شخص کو عزت دے اور اللہ تعالیٰ کے عزت عطا کئے ہوئے شخص کو ذلیل کرے۔ (۴) اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال کرنے والا۔ (۵) میری اولاد میں سے اس کو

حلال کرنے والا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے (٦) میری سنت کو ترک کرنے والا۔ اس حدیث کو بیہقی نے مدخل میں اور رزین نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

تشریح: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چھ قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ میں ان پر لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔

کل نبی یجاب[1]: کل نبی کی صفت یجاب صفتِ کاشفہ ہے۔ تقیید یہ نہیں ہے کہ تمام انبیاء ان پر لعنت بھیجتے ہیں وہ چھ قسم کے لوگ یہ ہیں۔

الزائد فی کتاب اللّٰہ: ایک ان میں سے کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا اس پر بھی سب کی لعنت ہے۔ خطی اعتبار سے تو زیادتی کرنا غیر ممکن ہے قیامت تک چاہے کوئی بھی یہ زیادتی کرے مگر لوگ اس کو قبول نہیں کریں گے اور ایک قسم زیادتی کی یہ ہے کہ قرآن کریم کے کوئی ایسے معنی بیان کرے جو عقل و نقل کے خلاف ہوں اور اس کا حدیث سے نص سے عبارۃ النص سے اقتضاء النص اور نحوی و صرفی قواعد کے خلاف ہو تو ایسا کرنے والا بھی ملعون ہے۔

والمکذب بقدر اللّٰہ: اور اللہ کی قدر کی تکذیب کرنے والا یعنی جو تقدیر خداوندی کی تکذیب کرے وہ بھی ملعون ہے۔

---

[1] **قولہ و کل نبی یجاب:** بیان اور مبین کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے یعنی مستجاب الدعوات ہونا ہر نبی کی شان ہے اور کل نبی مبتدا ہے اور اس کی خبر مضارع مجہول یجاب ہے اور یہی مشہور روایت ہے۔ اور اس کو مجاب میم کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے۔ اور جملہ دونوں روایتوں کے مطابق یا تو ابتدائیہ ہے یا کل نبی یجاب کا ستة لعنتهم پر عطف ہے یا جملہ حال ہوگا لعنتهم کے فاعل سے۔ اور لعنهم الله جملہ انشائیہ معترضہ ہے حال ذوالحال کے درمیان۔ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ کل نبی مجاب کا عطف لعنتهم کے فاعل پر درست نہیں اور مجاب نبی کی صفت ہے۔ (مرقاۃ: ١٨٠/١، باب الایمان بالقدر)

والمتسلط بالجبروت[1]: اور زبردستی اقتدار حاصل کرنے والا تاکہ ان لوگوں کو عزت دے جن کو اللہ نے ذلیل کیا ہے اور ان کو ذلیل کرے جن کو اللہ نے عزت بخشی ہے وہ بھی ملعون ہے معلوم ہوا کہ جو زبردستی بادشاہ بنجائے اور اس کا مقصد بدامنی ہو تو وہ بھی ملعون ہے۔

والمستحل لحرم الله: اور اللہ کے حرام کو حلال سمجھنے والا یعنی بیت الحرام کے اندر جو چیزیں حرام ہیں ان کو حلال کرنے والا بھی ملعون ہے۔

والمستحل من عترتی ماحرم الله: اور حلال سمجھنے والا میری اولاد سے اس کو جس کو اللہ نے حرام کردیا ہے وہ بھی ملعون ہے یعنی قیامت تک جو میری اولاد پیدا ہوگی ان کو ذلیل کرنے کا ایسا اقدام کرنے والا جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے وہ بھی ملعون ہے۔

والتارک لسنتی[2]: میری سنت کو چھوڑنے والا ملعون ہے۔

ایک تو تارک سنت وہ ہے جو غیر شعوری طور پر سنت کو چھوڑ دیتا ہے وہ تو اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ البتہ جان بوجھ کر چھوڑنے والا ملعون ہے۔

---

[1] اس سے ودسر براہ حکومت مراد ہے جس کا طرز حکومت ظلم وناانصافی پر مبنی ہو جو محض اپنی طاقت وحکومت کے بل پر اور اپنے ذاتی مفاد وخواہش کے تحت کافروں بے دینوں خودغرضوں بدکرداروں اور جاہلوں کو تو عزیز رکھے ان کا اعزاز واکرام کرے اور ان کو معزز وسربلند کرنے کا جتن کرے مگر مسلمانوں نیک لوگوں عالموں شرفاء کو ذلیل وخوار کرے ان کو پریشان وہراساں کرے اور ان کے ذاتی واجتماعی نظام کو درہم برہم کرنے کے سامان کرے۔
(مظاہر حق جدید:۱۶۸/۱،باب الایمان بالقدر)

[2] والتارک لسنتی: سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کرنا محض سستی وکاہلی کے سبب ہو تو ایسے تارک کو گنہگار کہیں گے اور اگر ترک کرنا حقارت واہانت کے ساتھ ہو تو ایسے تارک کو دائرۂ اسلام سے خارج مانا جائے گا لیکن لعنت میں دونوں شامل ہیں مگر اس فرق کے ساتھ کہ سستی وکاہلی کے سبب تارک سنت کے حق میں یہ لعنت زجرو توبیخ کے طور پر ہے اور حقارتاً ترک کرنیوالے کے حق میں حقیقتاً ہے۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں جس سنت کے تارک کے بارے میں وعید ہے اس سنت سے سنت مؤکدہ مراد ہے۔
(مرقاۃ:باب الایمان بالقدر)

مرنے کی جگہ آدمی پہونچ جاتا ہے

﴿۱۰۳﴾ وَعَنْ مَطَرِبْنِ عُكَامِسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ اَنْ يَمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهُ اِلَيْهَا حَاجَةً (رواه احمد والترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف ص۳۶ ج۲، باب ماجاء ان النفس تموت الخ، ابواب القدر، حدیث نمبر ۲۱۴۶، مسند احمد ص۲۲۷ ج۵،

ترجمہ: حضرت مطر بن عکامس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کی موت کے لئے کوئی زمین مقرر کرتے ہیں تو اس کے لئے اس میں کوئی ضرورت پیدا کردیتے ہیں'' (الترمذی واحمد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی حاجت اور کوئی ضرورت اور اس کے اسباب اس جگہ جانے کے پیدا فرمادیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے لامحالہ وہ وہاں جاتا ہے اور اس کو وہاں موت آجاتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

دو چیز آدمی را می کشد زور زور
یکے آب ودانہ یکے خاک گور

مومن اور مشرک بچوں کے آخرت میں ٹھکانے

﴿۱۰۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ

اللّٰهِ ذَرَارِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ مِنْ آبَائِهِمْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بِلَاعَمَلٍ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ قُلْتُ فَذَرَارِيُّ الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ مِنْ اٰبَائِهِمْ قُلْتُ بِلَاعَمَلٍ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف ص ۶۴۸/ج ۲، حدیث نمبر ۴۷۱۲، باب فی ذراری المشرکین، کتاب السنۃ،

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنین کی اولاد کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی عمل کے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا افعال کرتے، میں نے کہا مشرکین کی اولاد کے بارے میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بھی اپنے باپوں کے تابع ہیں میں نے کہا کہ کسی عمل کے بغیر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح جانتا ہے وہ جو کام انجام دیتے۔ (ابوداؤد)

تشریح: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مومنین کی اولاد کا کیا حال ہوگا وہ جنت میں داخل ہوں گی یا جہنم میں یا اعراف میں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قال من آبائہ: ان کے باپوں کے اعتبار سے ان کا معاملہ ہوگا تو پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ کیا وہ بغیر عمل کے ہی جنت میں چلے جائیں گے؟ جنت میں تو وہ لوگ جائیں گے جن کو بڑے بڑے کارنامے کرنے پڑتے ہیں اور پھر بھی اللہ کا احسان ہی ہے کہ اللہ جنت دیدیں۔

ان اللہ اشتری الخ: کہ جنت کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے نفوس واموال کو خرید لیا ہے اور پھر اس پر بھی جان دیکر اگر جنت ملجائے تو ارزاں ہے ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جمادے چند دادم جاں خریدم
بحمد اللہ کہ عجب ارزاں خریدم

یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہی ہے کہ ان بچوں کو بغیر عمل کے جنت میں داخل کردیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ اعلم بما کانوا عاملین[1]" کہ [اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والے ہیں اس بات کو کہ وہ بڑے ہوکر کیا عمل کریں گے] اور دیکھو ان بچوں کو تو دنیا میں جو کچھ ملتا ہے وہ بغیر عمل کے ہی ملتا ہے ماں کا دودھ بچہ کو بغیر عمل کے ملتا ہے اور اگر تم خریدنے لگو گے اسی ماں کا دودھ چاہئے تو بیس روپے بلکہ ہزار روپے کلو بھی نہیں ملے گا لیکن اگر بچہ کسی روز دودھ نہ پئے تو ماں پریشان ہو جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں بھی بغیر عمل کے ہی ملتا ہے اور پھر بچہ ذرا بڑا ہوا تو والدین تو خود روکھی سوکھی بھی کھالیتے ہیں مگر اس کو تو اچھا سے اچھا کھلانے کی کوشش کرتے ہیں تو بتاؤ انہوں نے کونسا عمل کیا ہے۔ ابا جان کو کہیں سے

---

[1] قولہ اللہ اعلم بما کانوا عاملین: علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ مشرکین کی نابالغ اولاد دنیا میں اپنے والدین کے تابع ہیں اور آخرت کا معاملہ ان کے بارے میں تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ثواب وعقاب اعمال کی وجہ سے نہیں ہے۔ ورنہ مومنین ومشرکین کی اولاد نہ جنتی ہوں گی اور نہ جہنمی بلکہ موجب جنت یا جہنم لطف الٰہی اور خذلانِ خداوندی ہے جو ازل ہی میں ان کے لئے مقدر کیا جاچکا ہے۔ پس اس میں توقف ضروری ہے اس لئے کہ ان کے وہ اعمال جو آخرت سے متعلق ہوں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہیں اور اعمالِ سعادت وشقاوت دلیل ہیں اور دلیل کے فوت ہونے سے مدلول کا فوت ہونا لازم نہیں آتا ہے۔
(مرقاۃ: ۱/۱۸۱، باب الایمان بالقدر)

ہدیہ میں سیب ملتا ہے تو اس کو بھی چپکے سے رکھ لیتے ہیں کہ بچے کھالیں گے اور بڑوں کو جو ملتا ہے وہ بھی بغیر عمل ہی کے ملتا ہے۔

بہت سے گھس کھدے بڑی نعمت حاصل کر لیتے ہیں۔

اور دیکھو آخرت میں بھی بغیر عمل ہی کے ملے گا جو کچھ ملے گا۔

ایک صاحب ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیں گے اور فرمائیں گے کہ میں نے اپنی رحمت سے تم کو بخش دیا ہے تو یہ کہیں گے کہ اللہ میاں وہ جو سو سال تک میں نے عبادات کی ہیں، ان کا کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرمائیں گے کہ ذرا اس کو ادھر کو ٹہلاؤ۔ تو وہ شدت پیاس کی وجہ سے اس قدر بیتاب ہوگا کہ ایک پیالہ پانی کے عوض آدھی عبادات دیدیگا کچھ دیر کے بعد وہ پھر شدت پیاس سے بیقرار ہوگا اور دوسرے پیالہ کے بدلہ ساری عبادات دیدیگا۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوں گا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تمہاری اس عبادات کی تو اتنی قیمت ہے کہ تم کو اس کے عوض ایک پیالہ پانی کا دیدیا جائے ہم نے دنیا کے اندر پانی کے کتنے چشمے اگائے تھے اور تم نے ان سے کتنا پانی پیا ہے پہلے اس کی قیمت چکاؤ۔ اور کتنی نعمتیں تم نے دنیا کے اندر کھائی ہیں تو کیا ہمارے عمل ان کی قیمت بن سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں تو جنت میں انسان اپنے اعمال کے بدلہ نہ جائیگا بلکہ محض اپنی رحمت سے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے۔

یہ طالب علمانہ سوال تھا جس کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حل فرمایا۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی اولاد کہاں جائیگی؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بھی اپنے والدین کے ساتھ ہوں گے۔ انہوں نے پھر سوال کیا کہ وہ بغیر عمل ہی کے جہنم میں جائیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے ان کو جو عمل وہ کرتے کہ بڑے ہو کر شرک ہی کرتے، لہٰذا ان کو جہنم میں داخل فرمائیں گے اور ویسے بھی یہ ظلم نہیں ہے ظلم تو غیر

ملکیت میں تصرف کرنے کو کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تو تمام چیزیں ملکیت ہیں اس کو اختیار ہے وہ جس طرح چاہے جس شی میں چاہے تصرف کرے اس کا کوئی کام خلافِ عدل نہیں ہے۔

اگر اللہ میاں انبیاء علیہم السلام کو بھی جہنم میں داخل فرمادیں تو یہ بھی عدل کے خلاف فیصلہ نہیں ہے اگر چہ اللہ میاں ایسا نہیں فرمائیں گے۔

ذراری مشرکین کے سلسلہ میں مختلف آراء

غیر مسلم کی اولاد کے متعلق جنت یا دوزخ کے فیصلہ کے سلسلہ میں احادیث شریفہ مختلف ہیں۔ اس لئے اس سلسلہ میں علماء کے اقوال بھی مختلف ہیں۔

قول اول: ایک جماعت کا خیال ہے کہ ذراری مشرکین جہنم میں داخل ہوں گی "**تبعا لآبائهم**" اگر چہ وہ معذب نہ ہوں گے اور صرف ان کے والدین کے عذاب کو بڑھانے کے واسطے ان کو جہنم میں داخل کیا جائیگا اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان سے کچھ بعید بات نہیں ہے کہ جہنم میں دوسروں کو عذاب ہو اور ان بچوں کو عذاب نہ ہو، دنیا کے اندر بھی اللہ تعالیٰ آگ کو معطل کر دیتے ہیں تو ایسے ہی وہاں بھی ہوگا اور اسی طرح دنیا میں جو جیل خانہ کا محافظ اور جیلر ہوتا ہے اس کو کوئی سزا نہیں دیجاتی بلکہ الٹی اس کو تنخواہ دیجاتی ہے۔

قول ثانی: دوسری جماعت کا خیال ہے کہ اولادِ مشرکین جنت میں داخل ہوں گی اور مسلمانوں کے غلام وخادم ہوں گے۔

قول ثالث: تیسرا قول یہ ہے کہ وہ نہ منعم ہونگے نہ معذب یعنی نہ جنت میں جائیں گے، نہ جہنم میں بلکہ اعراف میں ہوں گے، مگر یہ قول بہت کمزور ہے، اسلئے کہ اعراف میں کوئی بھی ہمیشہ نہیں رہیگا، جو لوگ اعراف میں ہوں گے وہ بالآخر جنت میں پہونچ جائیں گے۔

قول رابع: چوتھا قول یہ ہے کہ اہل فطرت اور مجانین کی طرح ان کا امتحان ہوگا، جو پاس ہو جائیں گے وہ جنتی ہوں گے، جو فیل ہوں گے وہ جہنمی ہوں گے۔

قول خامس: قول امام اعظم: امام اعظمؒ اس مسئلہ میں احتیاط سے کام لیتے ہیں اور اس مسئلہ میں توقف فرماتے ہیں۔

حضرت امام مالک، امام شافعی، سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مذہب ہے۔

توقف کے دو معنی

پھر توقف کے دو معنی ہیں۔

(۱)......عدم الحکم بشئ یعنی کسی چیز کا کچھ بھی حکم نہ لگانا بلکہ مکمل سکوت اختیار کرنا۔

(۲)......توقف کی دوسری قسم ہے عدم الحکم الکلی یعنی کسی چیز پر کلی حکم نہ لگانا، مثلاً اس مسئلہ میں توقف بالمعنی الثانی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ ہم سب کو ناجی کہتے ہیں، اور نہ سب کو معذب کہتے ہیں، بلکہ کچھ ناجی ہوں گے، کچھ معذب۔ باقی اس کی تعیین کہ کون ناجی ہوں گے کون معذب اس کی تعیین سے سکوت کرتے ہیں، اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

اکثر اکابر اور ائمہ اس مسئلہ میں توقف بالمعنی الثانی کے قائل ہیں۔

قول مختار

اس مسئلہ میں حدیثیں بھی مختلف ہیں، لیکن سند کے لحاظ سے زیادہ پختہ روایت ''اللہ اعلم بما کانوا عاملین'' یعنی اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے کہ وہ بڑے ہو کر کیا کرتے اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ معاملہ فرمائیں گے، ایسے ہی ائمہ کے تمام اقوال میں قول مختار دو ہیں، نجات الکل والا قول یا توقف والا اور دونوں میں بھی زیادہ دلائل کا مقتضی توقف والا قول ہے۔ (اشرف التوضیح)

وجہ اختلاف: اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں اور وجہ اختلاف یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ذراری مشرکین کا علم دفعۃً واحدۃً نہیں دیا گیا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک زمانہ تک اجتہاد فرماتے رہے کبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادی علم میں یہ بات ظاہر ہوئی کہ ذراری مشرکین جہنم میں داخل ہوں گی اور کبھی یہ ظاہر ہوا کہ جنت میں داخل ہوں گی۔

قول آخر: اور آخری قول یہی ہے کہ جنت میں داخل ہوں گی۔

اور ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ بعض جنت میں داخل ہوں گی اور بعض جہنم میں، جو کٹر کافر ہیں ان کے بچے بھی جہنم ہی میں جائیں گے ان کی حدتِ آتش بڑھانے کے واسطے۔ اور بعض کو جنت میں داخل کیا جائے گا، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ اچھے اعمال کریں گے۔ فقط واللہ اعلم

زندہ درگور کرنے والی جہنمی ہے

﴿۱۰۵﴾ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَائِدَةُ وَالْمَوْؤُدَةُ فِي النَّارِ۔ (روہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف ص۶۴۹/ج۲، باب ذراری المشرکین، کتاب السنۃ، حدیث ۴۷۱۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ زندہ درگور کرنے والی اور جس کو زندہ درگور کیا گیا ہے دونوں جہنمی ہیں۔ (ابوداؤد)

تشــریح: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وائدہ اور موٴودہ دونوں جہنم میں داخل ہوں گی۔

وائدہ: زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کردیا جاتا تھا اگر کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہو جاتی تو وہ سمجھتا تھا کہ گویا تیرے گھر تو سانپ یا جانور پیدا ہوگیا ہے اس کو پالنے اور پرورش کرنے کا سوال ہی نہیں چنانچہ خشیت املاق کی وجہ سے اس کو زندہ دفن کردیا جاتا تھا۔ اس طرح دفن کرنے والی کو ''وائدہ'' اور دفن ہونے والی کو ''موٴودہ'' کہتے ہیں۔ یہ دونوں اس حدیث کے مطابق جہنم میں داخل ہوں گی۔

اعتــــراض: اس حدیث پر اعتراض ہوتا ہے کہ وائدہ کا تو جہنم میں جانا درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس نے ظلم کیا ہے اور اس کو اس کی سزا ملنی چاہئے مگر اس میں موٴودہ کا کیا قصور ہے کہ اس کو جہنم میں داخل کیا جائے۔

جـــواب: اس کا یہ ہے کہ اس بچی کو عذاب دینے کے لئے جہنم میں داخل نہیں کیا جائیگا۔ بلکہ وائدہ کے عذاب میں اضافہ کے واسطے اس کو جہنم میں داخل کیا جائیگا۔

دوســرا جـواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں 'وائدہ' سے مراد یہ ہے کہ بچی جب پیدا ہوتی تھی تو والدہ دایہ کو کہتی تھی کہ اس کو دفن کردے، اس لئے اس سے دایہ مراد ہے، اور موٴودہ سے مراد '**مـــوٴدلهـــا**' مراد ہے۔ اور وہ ہے والدہ۔ تو حدیث شریف کا مطلب یہ ہوا کہ دایہ دفن کرنے کی وجہ سے اور بچی کی والدہ دفن کا حکم دینے کی وجہ سے دونوں جہنم میں جائیں گی۔ (اشرف التوضیح)

﴿اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ﴾

پانچ چیزیں ہر انسان کے لئے لکھی جا چکی ہیں

﴿۱۰۶﴾ وعَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ فَرَغَ اِلٰی کُلِّ عَبْدٍ مِنْ خَلْقِہٖ مِنْ خَمْسٍ مِنْ اَجَلِہٖ وَعَمَلِہٖ وَمَضْجَعِہٖ وَاَثَرِہٖ وَرِزْقِہٖ (رواہ احمد)

حوالہ: (مسند احمد ص ۱۹۷/۵)

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندہ کے بارے میں جن پانچ باتوں سے فارغ ہو گیا وہ یہ ہیں، اس کی زندگی اس کا عمل اس کا ٹھکانا اس کی مصروفیت اس کا رزق''۔

تشریح: اَثَرِہ اُثْرِہ، دو لغت ہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ فارغ ہو چکا ہے بندہ کے بارے میں پانچ چیزوں سے۔

من اجلہ: اس کی موت سے کہ اس کی موت کب آئے گی، یا اس کی زندگی سے کہ اس کی زندگی کتنی ہوگی، اجل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں، اس کی زندگی کتنی ہوگی؟ اس کو موت کب آئیگی؟ سب لکھا جا چکا۔

وعملہ: اور اس کے عمل سے کہ زندگی میں عمل کیا کریگا۔

ومضجعہ: مضجع کہتے ہیں لیٹنے کی جگہ کو۔

لیٹنے کی ایک جگہ تو یہ ہے جہاں ہم اب سوتے ہیں اور ایک ہے لمبا لیٹنا کہ ماں باپ

آوازیں دیں تو جواب نہیں دیتے، بلائیں تو واپس نہیں آتے تو اصل لیٹنے کی جگہ تو وہی ہے یعنی قبر کہاں بنے گی، موت کہاں آئے گی۔ جب وہ لکھی ہوتی ہے تو یہ چھوٹی چھوٹی جگہ بھی لکھی ہوئی ہوتی ہیں کہ اتنی جگہ سوئیگا۔

و اثرہ: اور اس کے نشانِ قدم کہ اس کے نشان قدم اتنے ہوں گے اس کا پیر زمین پر اتنی مرتبہ پڑیگا، کہاں کہاں پڑیگا، کہاں کہاں جائے گا، کہاں کہاں سفر کرے گا۔ اتنی حرکتیں ہوں گی۔

و رزقہ: اور اس کا رزق بھی لکھا ہوا ہے کہ اتنی روٹی کھائیگا اور اتنا پانی پئے گا۔ مراد یہ ہے کہ زندگی کے تمام حالات لکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام حالات لکھ کر فارغ ہو چکا ہے۔

تقدیر میں گفتگو

﴿۱۰۷﴾ **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَكَلَّمَ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْقَدْرِ سُئِلَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْهِ لَمْ يُسْئَلْ عَنْهُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

حوالہ: ابن ماجہ ص ۹، باب فی القدر حدیث نمبر ۸۴۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کہ ''جو شخص تقدیر کے سلسلہ میں گفتگو کریگا، اس سے باز پرس ہوگی اور جو شخص اس سلسلہ میں اپنی زبان بند رکھے گا اس سے پوچھ کچھ نہیں ہوگی''۔ (ابن ماجہ)

تشریح: من تکلم فی شیء من القدر: فی شیء کہا گیا اور فی القدر نہیں کہا تا کہ قلت کے اندر مبالغہ کا فائدہ حاصل ہو، یعنی جس نے تھوڑا سا بھی تقدیر کے بارے میں کلام کیا تو اس سے قیامت کے دن اس کے بارے میں سوال کیا جائیگا، تو اس کے بارے میں کثیر کلام کرنے اور بہت زیادہ بحث کرنے سے بدرجۂ اولیٰ سوال ہوگا۔ (الطیبی: ۲۹۱/۱، باب الایمان بالقدر)

ومن لم یتکلم فیہ لم یسئل عنہ: اس لئے کہ مخلوق ایمان بالقدر کی مکلف ہے، نقلی دلیلوں اور حجتوں کی وجہ سے اس کی تحقیق کا اس میں بحث ومباحثہ کرنے کا عقلی دلیلوں کے ذریعہ سے حکم نہیں دیا گیا پس جب آدمی تقدیر پر ایمان لے آیا اور تقدیر کے بارے میں بحث نہ کرے تو اس کے اوپر سوال وارد نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کو تقدیر کے بارے میں کھود کرید کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اس وجہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریق انکار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا جب ان کو تقدیر کے بارے میں تنازع کرتے ہوئے دیکھا "ابھذا امرتم؟" کیا تم کو اسی کا حکم دیا گیا ہے؟ نیز "اذا ذکر القدر فامسکوا" جب تقدیر کا تذکرہ چل پڑے تو تم اس سے رک جاؤ۔ (مرقاۃ: ۱/۱۸۴، باب الایمان بالقدر)

کیونکہ یہ مسئلہ بدیہی ہے اور بدیہی کو تلاش کرنا مشکل ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ اجلی البدیہیات ہے اس کو دوسری روشنیوں سے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔

پس اس مسئلہ تقدیر میں بحث کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ بدیہی ہے اور بدیہی میں جتنی بحث کیجاتی ہے اتنا ہی الجھاؤ بڑھتا ہے، اور خطرات بڑھتے چلے جاتے ہیں، اور اگر کوئی کہے کہ علماء کرام کتنی بحث کرتے ہیں تو یہ تو دوسروں کی بحث کو رد کرنے کے لئے کرتے ہیں معتزلہ کی خوارج کی اور قدریوں کی بحث کو رد کرتے ہیں تو اس سے ہماری یہ

بحث مراد نہیں ہے۔

تقدیر پر ایمان نہیں تو کوئی عمل معتبر نہیں

﴿١٠٨﴾ وَعَنْ ابْنِ الدَّيْلَمِي رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَتَيْتُ اُبَيَّ ابْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ لَهُ قَدْ وَقَعَ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنَ الْقَدْرِ فَحَدِّثْنِي لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُذْهِبَهُ مِنْ قَلْبِي فَقَالَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوَاتِهِ وَاَهْلَ اَرْضِهِ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَلَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ مَاقَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ وَتَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَاَنَّ مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ وَلَوْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَدَخَلْتَ النَّارَ قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ مِثْلَ ذَالِكَ قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ فَقَالَ مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ اَتَيْتُ زَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِي عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذَالِكَ۔ (رواه احمد، وابوداؤد، وابن ماجه)

حوالہ: مسند احمد ص ۳۱۷ / ج ۵، ابو داؤد شریف ص ۶۴۶ / ج ۲، باب فی القدر کتاب السنة، حدیث نمبر ۴۶۹۹، ابن ماجہ باب فی القدر، حدیث ۷۷۔

ترجمہ: حضرت ابن دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے عرض کیا کہ تقدیر کے متعلق مجھے کچھ شبہ پیدا ہو گیا ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے کوئی حدیث بیان کیجئے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے ذریعہ سے میرے دل کے شبہ کو دور کر دے چنانچہ ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اگر اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین والوں کو عذاب دینا چاہے، تو انکو عذاب دے سکتا ہے اور یہ

عذاب ان کے حق میں ظلم نہیں ہوگا اور اگر ان پر رحم کرنا چاہے تو اسکی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی، اور اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کردو تو اللہ تعالیٰ تمہاری جانب سے اس کو قبول نہیں کریں گے، تا آں کہ تم تقدیر پر ایمان لے آؤ اور یہ بات جان لو کہ جو چیز تم کو پہنچی ہے وہ ایسی چیز نہیں ہے جو تم تک نہ پہنچ پاتی اور جو چیز تمہیں نہیں پہنچی وہ ایسی نہیں ہیں جو تم تک پہنچ سکتی تھی اگر تم اس حالت کے علاوہ پر مر گئے تو جہنم میں داخل ہوگے راوی کہتے ہیں کہ میں اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا انھوں نے بھی مجھ سے وہی بات کہی راوی کا کہنا ہے کہ میں اس کے بعد حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا انھوں نے وہی بات فرمائی پھر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا انھوں نے مجھ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان اس کے مثل نقل کیا۔(مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: حضرت ابن دیلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا آپ اقرأ الصحابہؓ تھے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ خطاب دیدیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابی ابن کعب کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرأ کا خطاب عطا فرمایا تھا۔حضرت ابن الدیلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس آیا اور میرے دل میں اس وقت تقدیر کے بارے میں کچھ شبہ واقع ہو گیا تھا۔

جب کوئی وبا عام ہوتی ہے تو ان لوگوں پر بھی جو اس سے محفوظ ہوں اس کا کچھ اثر نمایاں ہو جاتا ہے اس زمانہ میں انکار تقدیر کی وبا عام طور پر پھیلی ہوئی تھی۔تو ان پر بھی انکارِ تقدیر کی وبا کا کچھ اثر ہوگا یہ فوراً حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کوئی حدیث بیان کر دیجئے جس سے کچھ تسلی ہو جائے یہ اوہام رفع ہو جائیں وہ علل واسباب کا زمانہ نہ تھا

جب کسی کو وہ لوگ سچا مان لیتے تھے تو اس سے اس کی باتوں پر دلیل نہیں مانگی جاتی تھی۔

سوال: مسئلہ تقدیر میں اکثر یہی وہم ہوتا ہے کہ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو پھر لوگوں کو ان کے برے اعمال پر عذاب کیوں دیا جائے گا۔

جواب: اس کا بالکل سیدھا سا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو عذاب دینا یہ اس کا اپنی ملکیت میں تصرف کرنا ہے اور کسی کا اپنی ملکیت میں حسب مرضی تصرف کرنا کسی کے نزدیک بھی ظلم نہیں کہلاتا پس اللہ تعالیٰ کا اپنے کسی بندہ کو عذاب دینا ہرگز ظلم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

تو انہوں نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان وزمین والوں کو جہنم میں داخل فرمائیں تو بھی اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہوں گے اور اگر وہ سب پر رحم فرمائیں تو وہ اس کے اعمال سے بہتر ہے اور اگر تم احد کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سونا خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں فرمائیں گے اگر تمہارا تقدیر پر کامل ایمان نہ ہو۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے ان باتوں کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نہیں فرمائی اور یہ مشتاق اور چاہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے کوئی چیز سنیں تا کہ اس سے مزید تسلی ہو۔

اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم محتاط تھے وہ کسی مضمون کی نسبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نہ فرماتے تھے جب تک اس بات کا یقین نہ ہو جاتا تھا کہ واقعی یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

تو یہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو افقہ الصحابہؓ ہیں ان کے پاس گئے اور ان کے پاس جا کر اپنا شبہ پیش کیا مگر یہ سب حضرات چونکہ ایک ہی درسگاہ کے پڑھے ہوئے تھے اس لئے وہاں بھی ان کو وہی جواب ملا اس پر انہوں نے سوچا کہ شاید یہ فقہ کا مسئلہ ہے

اس لئے افقہ کے پاس آئے اس سے پہلے سوچا تھا کہ شاید یہ قرأت کا مسئلہ ہے؟ اس لئے اقرأ کے پاس گئے تھے اس کے بعد سوچا کہ شاید یہ راز کی بات ہے اس واسطے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار تھے ان کے پاس گئے اور سوال کیا کہ شاید انہیں کو معلوم ہو مگر انہوں نے بھی وہی جواب دیا اور اس کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ فرمائی اس کے بعد آپ حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف آئے انہوں نے بھی جواب وہی دیا مگر اس کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرمادی بس آپ کو تسلی ہوگئی۔

سلام کا جواب مت دو

﴿۱۰۹﴾ وَعَنْ نَافِعٍ اِنَّ رَجُلًا اَتٰى اِبْنَ عُمَرَ فَقَالَ اَنَّ فُلَانًا يَقْرَءُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَقَالَ اِنَّهٗ بَلَغَنِىْ اَنَّهٗ قَدْ اَحْدَثَ فَاِنْ كَانَ قَدْ اَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّى السَّلَامَ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِىْ اُمَّتِىْ اَوْ فِىْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ اَوْ قَذْفٌ فِىْ اَهْلِ الْقَدَرِ۔ رواه الترمذی وابوداؤد، وابن ماجه، وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح غریبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف ص ۳۸ ج ۲، ابواب القدر، حدیث نمبر ۲۱۵۲، ابوداؤد شریف: باب لزوم السنة، کتاب السنة، حدیث نمبر ۴۶۱۳، ابن ماجہ ص ۳۰۴، باب الخسوف، کتاب الفتن، حدیث نمبر ۴۰۶۱۔

حل لغات: خسف، زمین دھنس جانا، مسخ، صورت بگڑنا، قذف، پھینکنا، پتھر وغیرہ برسانا، (ض) سے ہے۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بولا کہ فلاں آدمی نے آپ کو سلام کہا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بولے کہ میں نے تو سنا ہے کہ اس نے دین میں نئی بات ایجاد کی ہے، اگر واقعی اس نے دین میں نئی بات نکالی ہے تو اس کو میرا سلام مت کہنا کیوں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''میری امت میں یا یہ فرمایا کہ اس امت میں زمین دھنس جانے، یا صورت بگڑ جانے اور پتھر برسنے کا عذاب اہل قدر پر واقع ہوگا'' (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

تشــریح: نافع رحمۃ اللہ علیہ شاگرد رشید ہیں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے انہوں نے ان کو آزاد کر دیا تھا، مگر پھر بھی دونوں ساتھ ہی رہے اور مرنے کے بعد بھی ساتھ ہی رہے کہ ان کی قبر عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی قبر کے پاس ہی بنی ہوئی ہے یہ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور یوں کہا کہ فلاں نے آپ کو سلام کہا ہے۔

لا تقرأہ: باب افعال سے ہے یا فتح سے۔

تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ اس نے کوئی نئی چیز ایجاد کی ہے کسی ذریعہ سے ان کو یہ خبر پہنچی تھی کہ انہوں نے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی ہے اس زمانہ میں عملی بدعت تو نہ تھی البتہ اعتقادی بدعت کا اس وقت ظہور ہو گیا تھا، جیسے اس زمانہ میں عموماً یہ بات مسلم تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل الصحابہ ہیں، مگر ایک فرقہ اٹھا اور اس نے کہا کہ افضل الصحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، بہر حال آپ نے یہ فرمایا کہ اگر اس نے اسلام میں کوئی نئی چیز ایجاد کی ہے اور بدعت کا عقیدہ پھیلایا ہے تو اس کو سلام نہ کہنا اور نہ اس کے سلام کا جواب دینا کیونکہ سلام تو مسلمانوں کو کیا جاتا ہے۔

اگر اس نے کوئی نئی چیز ایجاد کی اور نیا عقیدہ گھڑا تو اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے

اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں سنا ہے کہ میری امت میں یا اس امت میں "فی امتی او فی ھذہ الامۃ" میں شک راوی کی طرف سے ہے کہ اس امت میں مسخ بھی ہوگا اور خسف بھی۔ یہ اہل قدر یعنی قدریوں میں ہوگا۔ چونکہ اس میں جہل جبر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قدری محل اسلام ہی نہیں رہتے۔

فائدہ: حدیث پاک سے اہل بدعت اور اہل قدر کی ضالت وشناعت کا علم ہوگیا، اور یہ بھی کہ اہل بدعت واہل قدر سلام کلام کے مستحق نہیں، بلکہ ان کے سلام کا جواب بھی نہ واجب ہے نہ مسنون تا کہ ان کو تنبیہ ہو اور اپنی اصلاح کی فکر کریں، البتہ اگر ان کی اصلاح کی امید ہو اور اصلاح کی خاطر ہی سلام کلام کرے تو اس کی گنجائش ہوگی۔ (مرقاۃ:۱۸۶/۱، باب الایمان بالقدر)

مومن اور مشرک کی اولاد کا ٹھکانہ

﴿۱۱۰﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَاءَلَتْ خَدِيْجَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَلَدَيْنِ مَاتَالَهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمَا فِي النَّارِ، قَالَ فَلَمَّا رَأَى الْكَرَاهَةَ فِي وَجْهِهَا قَالَ لَوْ رَأَيْتِ مَكَانَهُمَا لَأَبْغَضْتِيْهِمَا، قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَلَدِيْ مِنْكَ قَالَ فِي الْجَنَّةِ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَأَوْلَادَهُمْ فِي الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ وَأَوْلَادَهُمْ فِي النَّارِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْنَ

اٰمَنُوْ وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۱۳۴/۱۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زمانہ جاہلیت میں مرنے والے اپنے دو بچوں کے بارے میں سوال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ دونوں جہنم میں ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرہ سے رنج و ناپسندیدگی کو بھانپ لیا تو فرمایا، اگر تم ان دونوں کا ٹھکانا دیکھ لو تو تم ان سے نفرت کرنے لگو گی، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم میرے ان بچوں کا کیا حال ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جنت میں ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل ایمان اور ان کی اولاد کا ٹھکانا جنت میں ہے جب کہ اہل کفر اور ان کی اولاد کا ٹھکانا جہنم ہے پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت تلاوت فرمائی: ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ان کے تابع ہیں الخ“

تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی زوجۂ مطہرہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان کی دو شادیاں اور ہو چکی تھی، اور آپ سے پہلے شوہروں سے اولاد بھی ہوئی ان میں سے بعض زندہ رہیں اور بعض کا انتقال ہو گیا تھا۔ ایک روز ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جو اولاد مر گئی نا معلوم ان کا کیا حال ہوگا؟ وہ جنت میں داخل ہوں گی یا جہنم میں؟ اس کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میری وہ اولاد جو اسلام سے پہلے مر گئی ان کا کیا حال ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ جہنم میں ہیں۔ یہ سنکر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ناگواری ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ان کو دیکھ لیتیں تو ان سے نفرت ہو جاتی اتنا تو معلوم ہے کہ وہ تمہارے بچے ہیں۔

تو اس سے ان کی تسلی ہو گئی۔

پھر سوال کیا کہ وہ اولاد جو تم سے ہوئی ہے وہ کہاں ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب اولاد انہی بیوی سے ہوئی ہے بجز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کہ وہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ وہ جنت میں ہیں۔ اور بعد میں آپ نے ایک کلمہ ذکر کیا کہ مشرکین کے بچے جہنم میں جائیں گے اور مومنین کے بچے جنت میں۔

قولہ قالت یارسول اللہ فولدی منک قال فی الجنة: یہاں ان کی اولاد سے مراد حضرت قاسم رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کو طیب و طاہر بھی کہا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ طیب اور طاہر یہ دونوں عبداللہ کے لقب ہیں اور یہی اکثر کا قول ہے۔ واللہ اعلم (مرقاة: ١٨٧/١، باب الایمان بالقدر)

اس مسئلہ میں روایتیں مختلف ہیں اسی لئے امام اعظم جیسے جلیل القدر امام زبان کو تالا ڈالدیتے ہیں۔

اس حدیث میں قضیہ حملیہ ہے اور قضیہ حملیہ جزئیہ سے بھی صادق آجاتا ہے لہذا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مشرکین کے بعض بچے جہنم میں جائیں گے اور بعض جنت میں جیسا کہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

یا یوں کہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اپنے اجتہاد سے فرمایا اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اجتہاد میں پورا علم نبی پر بھی منکشف نہیں ہوتا، مگر پھر بھی صیغۂ محتاط استعمال کیا اور

بطور استشہاد کے فرمایا:''والذین امنو واتبعھم ذریتھم الخ''

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہے تو ان کی اولاد کو ہم ان ہی کے ساتھ شامل کردیں گے، اور ان کے عمل میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کریں گے۔(آسان ترجمہ)

فائدہ: آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایمان والوں کی اولاد اگرچہ وہ اپنے اعمال کے اعتبار سے اپنے والدین کے درجہ کے مستحق نہ ہوں مگر پھر بھی ان کو ان کے والدین کے اعزاز واکرام کی وجہ سے والدین کے درجہ میں ملحق کردیا جائے گا۔ اور کفار ومشرکین کی اولاد کا حکم تفصیلی طور پر اوپر گذر چکا ہے۔

تمام انسانوں سے غلطی ہوتی ہے

﴿۱۱۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهٖ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَىْ كُلِّ اِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبِيْصًا مِنْ نُوْرٍ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰى اٰدَمَ فَقَالَ اَىْ رَبِّ مَنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ ذُرِّيَّتُكَ فَرَاٰى رَجُلًا مِنْهُمْ فَاَعْجَبَهُ وَبِيْصُ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ قَالَ اَىْ رَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ دَاوٗدُ فَقَالَ اَىْ رَبِّ كَمْ جَعَلْتَ عُمْرَهُ قَالَ سِتِّيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ زِدْهُ مِنْ عُمْرِىْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا انْقَضٰى عُمْرُ آدَمَ اِلَّا اَرْبَعِيْنَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ فَقَالَ آدَمُ اَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمْرِىْ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ اَوَلَمْ تُعْطِهَا اِبْنَكَ دَاوٗدَ فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ وَنَسِىَ آدَمُ فَاَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهُ وَخَطَاَ آدَمُ

وَخَطِأْتُ ذُرِّيَّتُهُ۔ (رواہ الترمذی)

حل لغات: النسمة، ہر جاندار مخلوق ج نسم، وبیصا روشن، وبص البرق ونحوہ وبصا، وَوَبِیْصاً (ض) چمکنا جگمگانا، جحد (ف) جحودا الامر وبہ دانستہ انکار کرنا، جھٹلانا، نسی، نسیانا (س) بھولنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا، تو قیامت تک ان کی ذریت میں سے اللہ تعالیٰ کو جتنی جانیں پیدا کرنی تھیں، ان کی پشت سے نکل آئیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نورانی چمک رکھی اسکے بعد ان تمام جانوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے پروردگار یہ کون لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ تمہاری اولاد ہیں" حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک کو دیکھا تو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی چمک ان کو بہت اچھی لگی" چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے پروردگار یہ کون ہیں، پروردگار نے فرمایا داؤد ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا اے میرے پروردگار تو نے اسکی کتنی عمر مقرر کی ہے پروردگار نے فرمایا ساٹھ برس، حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے پروردگار میری عمر میں سے چالیس برس دے کر اس کی عمر میں اضافہ فرما دیجیے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی پوری ہونے میں چالیس سال باقی رہ گئے تو موت کا فرشتہ ان کے پاس آیا، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کیا ابھی میری زندگی پوری ہونے میں چالیس سال باقی نہیں رہ گئے، فرشتے نے کہا کیا چالیس برس آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیئے تھے، حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا اسی وجہ سے ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر

درخت میں سے کھالیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کی ذریت سے بھی بھول ہوتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے غلطی سرزد ہوگئی تھی لہٰذا ان کی ذریت سے بھی غلطی سرزد ہوتی ہے۔

تشــــریح: رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کیسا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان ہے وہ انسانوں کے ہاتھ جیسا نہیں انسانوں کے ہاتھوں میں فرق ہوتا ہے۔ بلکہ ہاتھ ہاتھ میں فرق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہاتھ پھیرا اور تمام بچے نکل پڑے، جیسے تم نے کبھی بازی گر کا تماشا دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے تھیلے پر ہاتھ پھیرتا ہے تو اس سے روپے نکل پڑتے ہیں۔

اور دیکھو کہ اب بھی بچے خدا کے دستِ قدرت سے ہی نکلتے ہیں، اگر دستِ قدرت کا ذرا سا اشارہ نہ ہو تو کوئی بچہ پیدا نہیں ہوسکتا۔

تو جب تمام اولاد پیدا ہوگئی تو اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان بچوں میں نور پیدا کردیا تاکہ ان کی طرف نظریں مائل ہوں۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو ان میں جذبِ نظر کا اثر ہوتا ہے جو دیکھتا ہے اسے محبت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور ایک روشنی پیدا کردی۔

بہر حال جب ان کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا تو آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ اللہ میاں یہ کون ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہاری ہی تو اولاد ہے حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں ایک بچہ کو دیکھا جس میں زیادہ روشنی آرہی تھی، وہ انکو زیادہ پسند آگئے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کی اولاد ایک سے زائد ہو اور ان میں سے کوئی ایک زیادہ پسند ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، جہاں تک مساوات کا معاملہ ہے وہاں تک ان کے درمیان مساوات رکھے اور اگر دل کا رجحان کسی کی طرف زیادہ ہو تو اس میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں اور پھر اسی منظورِ نظر کا ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے داؤد علیہ السلام ہی

کا ذکر شروع کیا۔

سوال: اب رہی یہ بات کہ آدم علیہ السلام کو وہی پسند آئے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہ آئے اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب اول: اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کا کوئی مقرر ضابطہ نہیں ہے، کسی کی نظر کسی کو پسند کرتی ہے اور کسی کی کسی کو، بسا اوقات ایک سے ایک بڑھ کر ہزاروں حسینوں میں سے کسی پر نظر نہیں پڑتی اور کسی ویسے انسان کے چہرے پر نظر جا کر ٹکتی ہے، اور اس کو اپنا منظورِ نظر بنا لیتی ہے جس کو دوسرے ذرہ برابر پسند نہیں کرتے، مجنوں کے سامنے چاہے حورانِ بہشت کی ملکہ کو لا کر کیوں نہ کھڑا کر دیا جائے مگر وہ اس کو ایک نظر بھی دیکھنا گوارا نہ کریگا اور لیلیٰ ہی لیلیٰ پکارے گا تو معلوم ہوا کہ ہر ایک کی پسند اپنی اپنی ہے۔

جواب ثانی: دوسرا جواب یہ ہے کہ اس نظر انتخاب سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ تھا صفت جود کا ظہور ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جود کی نسبت کسی بھی درجہ میں ہو کہ آدم پہلے اپنی عمر دیدیں اور پھر انکار کر دیں۔

جواب ثالث: تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت "**انی جاعل فی الارض خلیفة**" اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت "**یاداؤد انا جعلناک خلیفة**" ان دو ہی کے لئے صراحتاً خلافت کا ذکر کیا گیا ہے۔

قاعدہ: اور یہ قاعدہ ہے کہ انسان کی نظر انتخاب اپنے جیسوں ہی کی طرف پڑتی ہے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی نظر انتخاب حضرت داؤد علیہ السلام پر پڑی۔

سوال: رہی یہ بات کہ اس جود کا حضرت آدم علیہ السلام کو گناہ ملے گا یا نہیں؟

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس کا گناہ نہیں ملے گا، کیونکہ گناہ تو وعدہ خلافی وغیرہ کا اس وقت ملتا ہے جب کہ وہ دیدہ و دانستہ ہو اور یہاں

حضرت آدم علیہ السلام کا انکار دانستہ نہ تھا، بلکہ آپ اس کو بھول گئے تھے، اور واقعتاً آپ کو یاد نہ رہا تھا۔

اور ایسا ممکن ہے بہت سی مرتبہ اچھے اچھے نیک معاملہ لوگوں کو بھی یاد نہیں رہتا اور حضرت عزرائیل علیہ السلام چونکہ صاحب معاملہ تھے، اس وجہ سے وہ اس معاملہ میں معتبر نہ تھے، اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار برس پوری ہوئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا، کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر ساٹھ برس ہوگی، حضرت آدم علیہ السلام ان کو اپنی عمر کے چالیس برس دیدیں گے تو سو سال ہو جائیگی اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر نو سو ساٹھ سال رہ جائیگی اور پھر حضرت آدم علیہ السلام انکار کردیں گے تو حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر پورے ساٹھ سال اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال پوری ہو جائیگی، ایسا ہی کانٹ چھانٹ کر اللہ تعالیٰ نے لکھا تھا۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آباءواجداد کی نیکی وبدی کا اثر اولاد میں بھی آتا ہے۔

جنتی کا جنتی جہنمی کا جہنمی ہونا لکھا جاچکا

﴿۱۱۲﴾ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللّٰہُ آدَمَ حِیْنَ خَلَقَہٗ فَضَرَبَ کَتِفَہُ الْیُمْنٰی فَاَخْرَجَ ذُرِّیَّۃً بَیْضَاءَ کَاَنَّھُمُ الذَّرُّ وَضَرَبَ کَتِفَہُ الْیُسْرٰی فَاَخْرَجَ ذُرِّیَّۃً سَوْدَاءَ کَاَنَّھُمُ الْحُمَمُ فَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ یَمِیْنِہٖ اِلَی الْجَنَّۃِ وَلَا اُبَالِیْ وَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ کَتِفِہِ الْیُسْرٰی اِلَی النَّارِ وَلَا اُبَالِیْ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد ص ۴۴۱/ ۶۔

حل لغات: کتفٌ کندھا، ج اکتاف، الذَّرُّ نسل، چھوٹی چیونٹیاں، الحُمَمُ واحد الحُمَمَةُ سیاہی، ابالی واحد متکلم باب مفاعلت سے پرواکرنا۔

تــرجـمـه: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کے داہنے کندھے پر تھپکی لگائی، چنانچہ ان کی وہ اولاد باہر نکلی جو سفید تھی، گویا کہ وہ چونٹیاں ہیں، پھر بائیں کندھے پر تھپکی لگائی تو ان کی وہ اولاد نکلی جو کالے رنگ کی تھی، گویا کہ وہ کوئلہ، پھر اللہ تعالیٰ نے داہنے مونڈھے سے نکلنے والوں کے بارے میں فرمایا یہ جنتی لوگ ہیں اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں پھر بائیں مونڈھے سے نکلنے والوں کے بارے فرمایا یہ جہنمی لوگ ہیں اور مجھ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

تشـریح: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ کب اور کس سن میں پیدا کیا کیوں کہ یہ سب تو بعد کی پیداوار ہیں، اس کے متعلق صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ جس وقت بھی پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دائیں مونڈھے پر ہاتھ مارا تو اس سے نورانی ذریت نکل پڑی، پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو اس سے ذریت نکلی اور اس روایت میں مونڈھے پر ہاتھ مارنا بتایا گیا ہے۔

ان دونوں میں تطبیق ہوگی اس طرح کہ مونڈھے سے ہاتھ مارنا شروع کیا اور پیٹھ تک مارتے چلے گئے تو وہ اولاد چیونٹی کی طرح تھی جس طرح چھوٹی چھوٹی چیونٹی ہوتی ہیں اس طرح وہ ذریت تھی۔

اور بائیں کاندھے پر ہاتھ مارا تو اس سے ظلماتی یعنی کوئلے کی طرح بالکل سیاہ ذریت نکلی، نورانی کے متعلق کہا کہ یہ ذریت جنتی ہے اور ظلماتی کے متعلق کہا کہ یہ جہنمی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں کوئی پرواہ نہیں کرتا یعنی میری مصلحت اسی کی مقتضی ہے یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بنا پر فرمایا ورنہ اللہ تعالیٰ نے اختیار سب کو دیا ہے۔

ایضاً

﴿۱۱۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَالُ لَہٗ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ دَخَلَ عَلَیْہِ اَصْحَابُہٗ یَعُوْدُوْنَہٗ وَھُوَ یَبْکِیْ فَقَالُوْا لَہٗ مَا یُبْکِیْکَ، اَلَمْ یَقُلْ لَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُذْ مِنْ شَارِبِکَ ثُمَّ اَقِرَّہٗ حَتّٰی تَلْقَانِیْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ قَبَضَ بِیَمِیْنِہٖ قُبْضَۃً وَاُخْرٰی بِالْیَدِ الْاُخْرٰی وَقَالَ ھٰذِہٖ لِھٰذِہٖ وَھٰذِہٖ لِھٰذِہٖ وَلَا اُبَالِیْ وَلَا اَدْرِیْ فِیْ اَیِّ الْقُبْضَتَیْنِ اَنَا۔

(رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد ص ٦٨ / ج ٥۔

ترجمہ: حضرت ابو نضرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی جن کو ابو عبداللہ کہا جاتا تھا ان کے پاس ان کے احباب ان کی عیادت کے لئے آئے تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں ان لوگوں نے کہا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں کیا آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اپنے لب کے بال کترواؤ اور اس پر جمے رہو یہاں تک مجھ سے آملو ابو عبداللہ نے کہا کہ ہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا

لیکن میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک حصے کو اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی میں لیا اور دوسرے حصہ کو بائیں ہاتھ کی مٹھی میں لیا پھر فرمایا کہ یہ جنت میں جانے والے ہیں اور یہ جہنم میں جانے والے ہیں اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے اب مجھے کیا معلوم کہ میں ان دونوں مٹھیوں میں سے کس میں ہوں۔ (مسند احمد)

تشریح: ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد انکے پاس گئے، انہوں نے مزاج پرسی کی اور وہ رو رہے تھے، انہوں نے معلوم کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا چیز آپ کو رلا رہی ہے؟

وہ حضرات سمجھ گئے کہ خوف خداوندی کی وجہ سے رو رہے ہیں، اس لئے انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا: ''خذ من شاربک'' کیا آپ کو یاد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اپنی مونچھوں کے بالوں کو کترواؤ اور اس پر دوام اختیار کرو یہاں تک کہ مجھ سے ملاقات کرو۔

دیکھو! ان کے شاگرد کس قدر رفقیہ تھے، گرچہ صراحتاً نہ سہی مگر کنایۃً اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی ضرور ملاقات ہوگی اور جب ان سے ملاقات ضرور ہوگی تو پھر فکر کس بات کا۔

انہوں نے فرمایا کہ یہ تو مجھے بھی یقین ہے کہ ضرور ملاقات ہوگی لیکن میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اللہ میاں نے پوری مخلوق کو دونوں مٹھیوں میں لے لیا، جو دائیں ہاتھ میں تھے وہ جنت کی طرف تھے، دائیں مٹھی والوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ اس کے لئے ہیں، یعنی جنت کے لئے۔

اور جو بائیں ہاتھ میں تھے وہ جہنم کی طرف تھے، بائیں مٹھی والوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ اس کے لئے ہیں یعنی جہنم کے لئے۔ اور میں کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ میں کونسی مٹھی میں ہوں؟

فائدہ: (۱)......حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال اور اتباع سنت اور اس پر مداومت کی وجہ سے بشارتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

فائدہ: (۲)......حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ مونچھوں کا کتروانا تاکیدی سنتوں میں سے ہے، اور سنت پر مداومت انسان کو دارالنعیم تک پہونچا دیتی ہی، جو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پڑوس ہے، اور سنت کا ترک خیر کثیر سے محرومی کا سبب ہے، اور ترک سنت پر دوام بے دینی وزندقہ کا ذریعہ ہے۔ (مرقاۃ:۱۹۱/۱، باب الایمان بالقدر)

روز ازل میں عہد الست

﴿۱۱۴﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَخَذَ اللّٰہُ الْمِیْثَاقَ مِنْ ظَھْرِ آدَمَ بِنَعْمَانَ یَعْنِیْ عَرَفَۃَ فَاَخْرَجَ مِنْ صُلْبِہٖ کُلَّ ذُرِّیَّۃٍ ذَرَاَھَا فَنَثَرَھُمْ بَیْنَ یَدَیْہِ کَالذَّرِّ ثُمَّ کَلَّمَھُمْ قُبُلًا قَالَ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْ بَلٰی شَھِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غَافِلِیْنَ اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَکَ اٰبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّۃً مِنْ بَعْدِھِمْ اَفَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد ص ۲۷۲ ر ج ۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وادی نعمان یعنی عرفہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے عہد لیا (پشت سے مراد پشت سے نکالی ہوئی ذریت) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان تمام کی تمام ذریت جو ان سے ہونے والی تھی نکالی پھر ان کو حضرت

آدم علیہ السلام کے سامنے چینٹیوں کی طرح پھیلا دیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت سے روبرو اللہ تعالی نے کلام کرتے ہوئے فرمایا: کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے جواب دیا کہ ہاں آپ ہمارے رب ہیں اللہ تعالی نے فرمایا کہ میں نے یہ اقرار تم سے اس وجہ سے کروایا ہے کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے غافل تھے یا تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے باپ دادا نے شرک کیا جو کہ ہم سے پہلے تھے ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد میں سے ہیں تو آپ ہمیں اس چیز کی وجہ سے کیوں ہلاکت میں ڈالتے ہیں جو باطل لوگوں نے اختیار کیا۔

تشریح: نعمان ایک وادی کا نام ہے جس کو عرفہ کہتے ہیں، عرفہ اسلامی نام ہے قبل از اسلام اس کو نعمان کہا جاتا تھا[1] اللہ تعالی نے تمام ذریت کو پیدا کیا، آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے اس کو نکالا، پھر اس کو چیونٹی کی طرح آدم علیہ السلام کے سامنے میدان عرفات میں پھیلا دیا اور پھر ان سے کلام کیا، یعنی سامنے سے ایک آواز آئی: "**الست بربکم**"[2] تو سب نے یک زبان ہو کر کہا: "**بلی شهدنا**"[3]

---

[1] **قولہ بنعمان:** جوہری فرماتے ہیں نعمان فتح کے ساتھ ہے، طائف کے راستہ میں ایک وادی ہے جو عرفات کی طرف پڑتی ہے اور قاموس میں ہے کہ ایک وادی عرفہ کے پیچھے ہے اور اس کا نام نعمان الاراک ہے اور نہایہ کے اندر ہے کہ یہ ایک پہاڑ ہے جو عرفہ سے قریب ہے اس کو نعمان السحاب کہا جاتا ہے۔ (**مرقاۃ: ۱/۱۹۱، باب الایمان بالقدر**)

[2] **قولہ الست بربکم قالوا بلی:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر وہ بلیٰ کے بجائے نعم کہہ دیتے تو وہ کافر ہو جاتے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں اس لئے کہ **نعم** نفی کو ثابت کرنے کے لئے ہے، اور **بلیٰ** اس کو رد کرنے کے لئے ہے، اور جب دو نفی ملتی ہیں تو اثبات بن جاتا ہے۔

[3] **قولہ شهدنا:** اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ یہ مقولہ کا تتمہ ہو یعنی **شهدنا علی انفسنا بذالک واقررنا بوحدانیتک** ہم اپنے اوپر گواہ ہیں اور آپ کی وحدانیت و یکتائی کا اقرار کرتے ہیں اور اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ اللہ تعالی کے ابتدائی کلام میں سے ہو: ای **شهدنا علی اقرارکم** یعنی ہم تمہارے اقرار پر گواہ ہیں اور پہلے احتمال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ طیبی نے **فعلنا ذلک کراهة** مقدر مانا ہے۔ (**مرقاۃ: ۱/۱۹۱، باب الایمان بالقدر**)

شبہ: اس پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ عہد بندہ کو یاد ہی نہیں رہتا تو اس سے کیا فائدہ، کسی ایک آدھ کو یاد رہے تو رہے ورنہ اکثر تو اس سے ناواقف ہی ہیں تو پھر اس کا کیا فائدہ ہوا۔

ازالہ: اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عہد لیا تھا اس کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ یاد دلاتے رہتے ہیں اور دنیا کی ہر چیز اس عہد الست کو یاد دلاتی ہے، روز ازل اللہ تعالیٰ نے جو سبق پڑھایا تھا، اس کی تذکیر کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ارضی وسماوی، آفاقی وانفسی، حقائق صادقہ پیدا فرمادئے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ یہ سبق نہ بھی پڑھاتے اور انسان کی اصل فطرت میں یہ دلائل نہ بھی پیدا فرماتے تب بھی اس کو یاد دلانے کے واسطے کائنات میں کتنے دلائل موجود ہیں اگر اس کے باوجود کوئی اس کو بھول جائے تو اس میں کسی کا کیا قصور، تکرار تو سبق کے بعد میں ہی ہوتا ہے۔ جو شخص سبق غور سے نہ سنے تو آپ چاہے اس کو لاکھ یاد کرائیں مگر اس کو یاد نہیں ہوگا تو یہ فائدہ ہوا اس عہد لینے سے۔

عہد الست کی تفصیل

﴿۱۱۵﴾ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِيْ قَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ قَالَ جَمَعَهُمْ فَجَعَلَهُمْ اَزْوَاجًا ثُمَّ صَوَّرَهُمْ فَاسْتَنْطَقَهُمْ فَتَكَلَّمُوْا ثُمَّ اَخَذَ عَلَيْهِمُ الْعَهْدَ وَالْمِيْثَاقَ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ فَاِنِّيْ اُشْهِدُ عَلَيْكُمُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِيْنَ السَّبْعَ وَاُشْهِدُ عَلَيْكُمْ اَبَاكُمْ آدَمَ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَمْ نَعْلَمْ بِهٰذَا اِعْلَمُوْا اَنَّهُ لَا اِلٰهَ غَيْرِيْ وَلَا رَبَّ غَيْرِيْ وَلَا تُشْرِكُوْا بِيْ شَيْئًا اِنِّيْ سَاُرْسِلُ اِلَيْكُمْ

وَرُسُلِیْ یُذَکِّرُونَکُمْ عَھْدِیْ وَمِیْثَاقِیْ وَاُنْزِلُ عَلَیْکُمْ کُتُبِیْ قَالُوْا شَھِدْنَا بِاَنَّکَ رَبُّنَا وَاِلٰھُنَا لَا رَبَّ لَنَا غَیْرُکَ وَلَا اِلٰہَ لَنَا غَیْرُکَ فَاَقَرُّوْا بِذٰلِکَ وَرُفِعَ عَلَیْھِمْ آدَمُ یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ فَرَاٰی الْغَنِیَّ وَالْفَقِیْرَ وَحَسَنَ الصُّوْرَۃِ وَدُوْنَ ذٰلِکَ فَقَالَ رَبِّ لَوْلَا سَوَّیْتَ بَیْنَ عِبَادِکَ قَالَ اِنِّیْ اَحْبَبْتُ اَنْ اُشْکَرَ وَرَاٰی الْاَنْبِیَاءَ فِیْھِمْ مِثْلَ السُّرُجِ عَلَیْھِمُ النُّوْرُ خُصُّوْا بِمِیْثَاقٍ آخَرَ فِی الرِّسَالَۃِ وَالنُّبُوَّۃِ وَھُوَ قَوْلُہٗ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ اِلٰی قَوْلِہٖ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ کَانَ فِیْ تِلْکَ الْاَرْوَاحِ فَاَرْسَلَہٗ اِلٰی مَرْیَمَ عَلَیْھِمَا السَّلَامُ فَحُدِّثَ عَنْ اُبَیٍّ اَنَّہٗ دَخَلَ مِنْ فِیْھَا۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۱۳۵۔

حل لغات: اُرْسِلُ واحد متکلم، اَرْسَلَ الرسولَ افعال سے قاصد بنا کر بھیجنا، پیغام دے کر بھیجنا، یذکرونکم ذَکَّرَ فلانا الشیءَ تفعیل سے کوئی بات یاد دلانا، المیثاق عہد وپیان، قول واقرار، جمع مواثیق ومیاثیق، سرج واحد سراج چراغ۔

ترجمہ: حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اللہ تعالی کے فرمان: "و اذ اخذ ربک من بنی ادم من ظھورھم ذریتھم" [اور جب تمہارے رب نے اولاد آدم علیہ السلام کی پشتوں سے ان کی ذریت کو باہر نکالا] کی تفسیر میں بیان کیا کہ اللہ تعالی نے ان کو یکجا کیا پھر ان کو مختلف اصناف میں تقسیم کر دیا پھر اس کے بعد ان کو شکل وصورت عطا کر کے گویائی بخشی چنانچہ انھوں نے بات بھی کی اس کے بعد اللہ تعالی نے ان سے عہد وپیان لیا اور خود ان کی ذاتوں پر انہی کو گواہ بنایا پھر ان سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ان لوگوں نے جواب دیا کیوں نہیں آپ ہمارے رب ہیں اللہ تعالی نے کہا کہ اس پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو بھی گواہ بناتا ہوں تا کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو ہم کو اسکے متعلق علم نہیں تھا جان لو کہ میرے سوا کوئی

معبود نہیں ہے میرے علاوہ کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میں تمہارے پاس اپنے رسولوں کو بھیجتا رہوں گا جو تم کو میرا عہد و پیان یاد دلاتے رہیں گے اور میں تمہارے اوپر اپنی کتابیں بھی نازل کروں گا سب لوگ بولے کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں اور آپ ہمارے معبود ہیں آپ کے علاوہ نہ تو کوئی ہمارا رب ہے اور نہ ہی آپ کے علاوہ ہمارا کوئی معبود ہے اور سب لوگوں نے اس بات کا اقرار کیا آدم علیہ السلام کو ان کے سامنے اونچی جگہ دی گئی تھی وہ سب کو دیکھ رہے تھے چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ کچھ مالدار ہیں اور کچھ غریب ہیں، کچھ خوبصورت ہیں، جب کہ کچھ بدصورت ہیں، تو عرض کیا کہ اے ہمارے رب تو نے اپنے بندوں کے درمیان برابری کیوں نہیں کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ بندے میرا شکر ادا کریں آدم علیہ السلام نے ان میں انبیاء کرام کو دیکھا وہ چراغوں کی طرح تھے ان پر نور جلوہ گر تھا ان سے ایک دوسرا ایک خصوصی عہد رسالت و نبوت کے متعلق لیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "و اذ اخذنا من النبیین الخ" مذکور ہے ان روحوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی موجود تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ روح حضرت مریم علیہا السلام میں ان کے منہ سے داخل ہوئی۔

تشریح: حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ جو اقرأ الصحابہ ہیں اللہ تعالیٰ کے قول "**و اذ اخذ ربک الخ**" کی تفسیر فرماتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اس وقت کے قراء حضرات مفسر بھی ہوا کرتے تھے، اس زمانہ کا دستور آج کل کی طرح نہیں تھا، بلکہ وہ اقرأ بھی تھے اور مفسر بھی، بہر حال وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو پیٹھ سے نکال کر جمع کیا، اور پھر ان کو جوڑے جوڑے کر دیا یہ مرد یہ بیوی پھر ان کو صورتیں عطا کیں اور یہ سب کام آنا فانا ہوا، یہ نہیں کہ اس میں وقت لگا ہو یہ وقت تو

دنیا کے اندر ہے یہ ماہ وسال تو آسمان کے نیچے ہیں اوپر کچھ بھی نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے گئے تھے ویسے ہی وہاں ہیں اور ویسے ہی زمین پر آئیں گے اگر نیچے ہوتے تو اب تک تو وہ بوڑھے ہو چکے ہوتے، وہاں تو یہ گھڑیاں بھی جا کر نہیں چلیں گی یہ گھڑی اور گھنٹے سب یہیں رہ جائیں گے۔

فانی اشهد علیکم السموات السبع و الارضین

السبع: جب سب لوگوں نے شہادت دی کہ بیشک آپ ہمارے رب ہیں۔

فانی اشهد انه: میں نے گواہ بنالیا ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کو۔

یہ عہد اس وجہ سے لیا کہ کبھی قیامت میں تم لاعلمی نہ ظاہر کرنے لگو، دیکھو یاد رکھو کہ میرے علاوہ کوئی قابل عبادت نہیں اور دیکھو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، نہ دیوی دیوتاؤں کو اور نہ لات عزیٰ کو نہ برگد کو اور نہ گائے بیل کو، یہ سبق تو تم کو پڑھا دیا، مگر اس کا تکرار کرانے والے اور بھیجوں گا، جو تمہیں یہ میثاق یاد کرائیں گے اور اس عہد کو یاد دلائیں گے اور اگر رسل نہ رہے تو میری کتابیں رہیں گی، جو تم کو یہ عہد و پیان یاد دلاتی رہیں گی، اس سے معلوم ہوا کہ استاذوں کو سبق پڑھا کر اس کا تکرار کرانا بھی ضروری ہے چاہے خود کرائیں یا دوسروں سے کرائیں، تو سب لوگوں نے گواہی دی کہ بیشک آپ ہمارے پروردگار ہیں اور آپ کے علاوہ کوئی قابل عبادت نہیں۔

ایک تو یہ وادی نعمان کا واقعہ تھا۔ ایک دوسرا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

مخلوق میں برابری نہ ہونے کی حکمت

حضرت آدم علیہ السلام کو بلند مقام پر بٹھایا گیا اسٹیج لگایا گیا، تو معلوم ہوا کہ جب کوئی مجلس ہو تو بڑے لوگوں کے لئے اس میں نمایاں جگہ ہونی چاہئے، اس سے اسٹیج کے لگانے کی

اصل بھی نکل آئی، تو آدم علیہ السلام اپنی ذریت کی طرف دیکھ رہے تھے، معلوم ہوا کہ اسٹیج پر بیٹھ کر نیچے والوں کو دیکھے، یہ نہیں کہ ان کی طرف کو دیکھتے ہی نہیں۔

تو آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو دیکھا کہ کوئی ان میں انتہائی حسین صورت اور کوئی بہت ہی بدصورت ہے تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ ساری اولاد کو خوبصورت اور برابر ہی بنا دیتا[1]، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تو اس وجہ سے ہے کہ لوگ میرا شکر ادا کریں۔ اور شکر اسی صورت میں کر سکتے ہیں، جب کہ آپس میں فرق مراتب ہو امیر شکر کرتا ہے غریب کو دیکھ کر، اور غریب شکر کرتا ہے امیر کو دیکھ کر، کار میں بیٹھے ہوئے امیر غریب کو دیکھ کر شکر کرتے ہیں اور غریب شکر کرتے ہیں امیر کی کار کا ایکسیڈینٹ دیکھ کر، حسین آدمی شکر کرتا ہے اپنی صورت کو دیکھ کر اور بدصورت آدمی شکر کرتا ہے حسین کی پریشانی دیکھ کر اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بندوں میں فرقِ مراتب رکھا ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام سے عہد

تیسرا عجوبہ اسی وادی کا ذکر کیا ہے کہ وہاں انبیاء علیہم السلام بھی موجود تھے۔ سورج کی طرح ان کے چہرے چمک رہے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے خصوصی عہد لیا، جس کا کچھ حصہ

---

[1] **قولہ فقال رب لولا سویت بین عبادک:** اس سے آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا منشا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی حکمت بیان کریں چنانچہ فرمایا: "**قال انی احببت ان اشکر**" فعل مجہول کے ساتھ یعنی میں نعمتوں کے ذریعہ سے پہچانا جاؤں اور مخلوق کی زبانوں پر ہمیشہ میرا شکر جاری رہے اس سے اس حدیث کی تصدیق ہوتی ہے، جو معنیً تو صحیح ہے، گو لفظاً صحیح نہیں، "**کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لان اعرف**" میں پوشیدہ خزانہ تھا، پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے شناخت کے لئے مخلوق کو پیدا کیا اسی لئے ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے فرمان "**وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**" کے بارے میں فرماتے ہیں ای **لیعرفون** یعنی تاکہ وہ مجھے پہچانیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مرقاۃ: ۱۹۴/۱ باب الایمان بالقدر۔

قرآن شریف میں ملتا ہے، اور دیکھو جتنا کوئی خاص ہوتا ہے اتنا ہی سخت اس کا عہد ہوتا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑا ہی سخت عہد لیا، فرمایا: "لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین" [اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے تمام اعمال ضائع کردئے جائیں گے] اگر چہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرک قطعی طور پر غیر متوقع تھا مگر پھر بھی اتنا سخت عہد لیا۔

و اذ اخذنا من النبیین الخ: میں نبیوں کے عہد کا کچھ ذکر ملتا ہے۔ یہ عہد صدق واخلاص کا عہد تھا اور باہم ایک دوسرے پر ایمان ایک دوسرے کی تصدیق ایک دوسرے کی نصرت واعانت کا عہد تھا، اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ عہد میثاق عام کے بعد ہوا اور اس کا بھی احتمال ہے کہ میثاق عام سے قبل ہو، عالم ارواح میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعظیم وتکریم کے اظہار کے لئے۔ (مرقاۃ: ۱۹۵/۱، باب الایمان بالقدر)

اور دیکھو جس ترتیب سے نکالا تھا اسی ترتیب سے بند کیا ہوگا، پہلے اولادِ صلبی کو نکالا، پھر اولاد کی اولاد کو پھر اولاد کی اولاد کو اور پھر اسی ترتیب سے انہیں بند کیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی وہاں موجود تھے، اور چونکہ وہ کسی باپ سے پیدا نہیں ہوئے، وہ صرف اکیلی ماں سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے ان کو رحم مادر کے اندر داخل کردیا گیا، حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رحم مادر کے اندر منھ کے راستہ سے داخل ہوئے۔

جبل گردد جبلت نہ گردد

﴿۱۱۶﴾ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَتَذَاکَرُ مَایَکُوْنُ اِذْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَکَانِہٖ فَصَدِّقُوْہُ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَیَّرَ عَنْ خُلُقِہٖ فَلَا تُصَدِّقُوْا بِہٖ فَاِنَّہٗ یَصِیْرُ اِلٰی مَا جُبِلَ عَلَیْہِ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد ص ۴۴۳/۶،

حل لغات: الجبل پہاڑ، جمع جبال واجبال، جبل اللہ الخلق (ض،ف) پیدا کرنا، جبلہ علی کذا وہ چیز اس کی خلقت میں داخل کر دی گئی۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہم لوگ بیٹھے ہوئے، وقوع پذیر ہونے والی باتوں کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے سرک گیا ہے تو اس کو سچ مان لینا لیکن اگر تم یہ سنو کہ کسی شخص کی عادت بدل گئی ہے تو اس کو ہرگز سچ نہ سمجھنا کیوں کہ جس خصلت پر جو پیدا کیا گیا وہ اسی خصلت پر رہے گا۔

تشریح: جبل گردد، جبلت نہ گردد، جبلت کہا جاتا ہے اس عادت کو جس پر وہ پیدا ہوا ہے وہ عادت اس کی کبھی نہیں بدل سکتی۔

ایک بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ فطرت بدل سکتی ہے اور بلیوں کو سدھایا مشق کرائی اور ایک روز شام کو بلیوں کے سروں پر چراغ لا کر رکھ دیئے اور وہ ان کو لیکر کھڑی رہیں بادشاہ نے کہا کہ دیکھو یہ ان کی فطرت نہیں ان کی فطرت بدل گئی، وزیر نے ایک چوہا لا کر ان کے سامنے چھوڑ دیا وہ فوراً ان چراغوں کو چھوڑ کر ان کے پیچھے دوڑ پڑیں، اس وقت وزیر نے کہا کہ جبل گردد جبلت نہ گردد۔

کہا گیا ہے اگر انسان سے صفاتِ ذمیمہ کلی طور پر ختم کر دی جائیں تو انسان ناقص ہو جائے گا اس لئے کہ اس کا کامل ہونا یہ ہے کہ اس کے اوصاف حمیدہ غالب رہیں اور اسی وجہ سے نوع انسانی کو نوع ملک پر فضیلت دی گئی ہے۔ واللہ اعلم

اورحاصل یہ ہے کہ تبدیل اصلی ذاتی غیرممکن ہے جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی طرف اشارہ ہے البتہ تبدیل وصفی تو وہ ممکن ہے بلکہ بندہ اس کا مامور بہ ہے اور اسی کا نام تہذیب النفس اور تحسین الاخلاق ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **"قد افلح من زکاھا"** نیز حدیث شریف میں ہے: **"حسنوا اخلاقکم"** [اپنے اخلاق کو مزین کرو] نیز دعامیں ہے: **"اللھم کما حسنت خلقی فحسن خلقی اللھم اھدنی لصالح الاعمال والاخلاق لایھدی لصالحھا الا انت". (مرقاة: ۱/۱۹۶، باب الایمان بالقدر)**

اعتراض: اس حدیث شریف سے ایک اعتراض ہوتا ہے کہ جب انسان کی عادت نہیں بدلتی تو پھر مشائخ کے پاس جانے سے کیا فائدہ ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی انسان کی عادت نہیں بدلتی، نہ ریاضت ومجاہدوں سے اور نہ محبت مشائخ سے البتہ ان چیزوں سے اس عادت کا متعلق بدلجاتا ہے جو انسان دنیا کا حریص ہو وہ صحبت بزرگاں سے آخرت کا حریص بنجاتا ہے۔ پہلے ناحق چیزوں پر غصہ آتا تھا، اب حق بات پر آتا ہے، اس کو امالہ کہتے ہیں۔ اصلاح نفس سے یہی مراد ہے، اسی کے لئے مشائخ کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔

دنیا میں جو کچھ بھی پیش آتا ہے وہ پہلے سے مقدر ہے

﴿۱۱۷﴾ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لَایَزَالُ یُصِیْبُکَ فِیْ کُلِّ عَامٍ وَجَعٌ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ الَّتِیْ اَکَلْتَ قَالَ مَااَصَابَنِیْ شَیْءٌ مِنْھَا اِلَّا وَھُوَ مَکْتُوْبٌ عَلَیَّ وَآدَمُ فِیْ طِیْنَتِہٖ۔ (رواہ ابن ماجہ)

حوالہ: ابن ماجہ ص ۲۵۲، باب السحر، کتاب الطب، حدیث نمبر: ۳۵۴۶،

ترجمہ: حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نہ کوئی بیماری پریشان کرتی ہے یہ اسی زہر آلود بکری کا اثر معلوم ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھائی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز بھی مجھ کو پہنچتی ہے وہ اسی وقت میرے لئے لکھ دی گئی تھی جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں تھے۔

تشریح: ایک یہودیہ عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر میں بکری کے گوشت میں زہر ملا کر کھلا دیا تھا جس سے چند صحابہ رضی اللہ عنہم شہید بھی ہو گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کھایا تو نہ تھا البتہ منھ میں لقمہ رکھ لیا تھا اسی کا یہ اثر تھا اور ہر سال آپ کو اس کا دورہ پڑتا تھا، تو انہوں نے اس پر غم گساری اور اظہار رنج کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی فرمائی کہ مجھ کو کوئی شئی نہیں پہنچتی مگر یہ کہ اللہ تعالی نے اس کو اس وقت لکھ دیا تھا جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی کے اندر تھے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ کو جو کچھ بھی پیش آیا وہ سب نوشتہ تقدیر کے مطابق ہے، اور اللہ تعالی خالق بھی ہے، محب بھی ہے، محبوب بھی ہے، پس جو کچھ پیش آیا یا آرہا ہے اس کی مرضی اس کے منشاء کے مطابق ہے، پھر پریشانی کیسی۔ اس سے اپنی بھی تسلی ہوگئی اور ان کی بھی۔ مومن کو تقدیر پر یقین ہوتا ہے، اس وجہ سے یہ بڑی سے بڑی دولت پر بھی اتراتا نہیں، اور نہ بڑی سے بڑی ابتلاء و مصیبت پر گھبراتا ہے، بخلاف کفار کے کہ وہ بہت جلدی اترانے بھی لگتے ہیں اور گھبرانے بھی، یہ اس لئے ہے کہ مومن تقدیر پر ایمان رکھتا ہے، اور کافر اس سے خالی اور کورا ہوتا ہے۔

❀❀❀×××❀❀❀
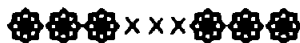
باب اثبات عذاب القبر

رقم الحدیث:...... ۱۱۸/ تا ۱۳۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اثبات عذاب القبر

﴿الفصل الاول﴾

قبر میں سوال وجواب اور ثواب وعقاب

﴿۱۱۸﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ إِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ نَزَلَتْ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ يُقَالُ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ وَنَبِيِّيْ مُحَمَّدٌ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری ص ۱۸۳/ج ۱، باب ماجاء فی عذاب القبر، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۳۶۹، مسلم ص ۳۸۶/ج ۲، باب عرض مقعد المیت، کتاب صفة الجنة، حدیث نمبر ۲۸۷۱،

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب قبر میں مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے، تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں'' اس کو یہ چیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے مضبوط قول کے ذریعہ ثابت قدم رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی'' کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے۔ ایک روایت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت یثبت اللہ الذین آمنوا الخ عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے، قبر میں مؤمن بندے سے سوال کیا جاتا ہے تیرا رب کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

تشــــریــح: من جملہ ایمانیات کے قبر کا عذاب وثواب بھی ہے، مگر چونکہ اس کا ادراک قوتِ حس سے باہر ہے اسے محسوس نہیں کیا جا سکتا البتہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے اس وجہ سے اس پر ایمان لانا ضروری ہے، اگرچہ ایمانِ کلیات میں یہ بھی داخل تھا، مگر مستقل اس کا ذکر و باب قائم کیا ہے کیونکہ ایک جماعت ایسی بھی پیدا ہوئی ہے جس کو معتزلہ وخوارج کہا جاتا ہے جس نے سرے سے عذاب قبر کا انکار کر دیا، اور صاف کہدیا کہ یہ کوئی چیز نہیں جس طرح اس نے رؤیت خداوندی کا انکار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح کہدیا کہ قبر کے عذاب کی بھی کوئی حقیقت نہیں یہ چیزیں از قبیل محالات ہیں امکان سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں، یہاں دو باتیں بتلانی مقصود ہیں کہ قبر میں فساق وفجار کو عذاب بھی ہوتا ہے اور اچھے اعمال کرنے والوں کو ثواب وآرام بھی ملتا ہے۔

مگر ان جماعتوں نے عذابِ قبر کے ثبوت کا انکار کیا ہے اس وجہ سے اس باب کا عنوان ہی ''**اثبات عذاب القبر**'' رکھا۔

قبر سے مراد

اور ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قبر اس خاص گڈھے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ جن آخری لمحات کے اندر انسانی روح لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جائے، بس وہی اس کی قبر ہے چاہے انسان دریا میں ڈوب جائے، یا اس کو بھیڑیا کھالے، بس یہی اس کی قبر ہے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اس مخصوص گڈھے کے پسِ پشت ایک اور حقیقت ہے جہاں عذاب وثواب سب محسوس ہوتا ہے۔

دنیا اور آخرت کے درمیان ایک اور مقام ہے جس کو برزخ کہا جاتا ہے اسی برزخ کے آخری حصہ کا نام قبر ہے۔

محدث دہلوی علیہ الرحمہ لمعات کے اندر فرماتے ہیں یہاں قبر سے مراد عالم برزخ ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ''ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون'' اور وہ عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ہے جو ان دونوں سے متعلق ہے اور اس سے وہ گڈھا مراد نہیں ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے، اس لئے کہ بہت سے مردے ہیں جن کو دفن نہیں کیا جاتا، جیسے پانی میں بہا دینا یا آگ میں جلا دینا یا حیوانوں کا لقمہ بن جانا، حالانکہ وہ منعم ومعذب ہیں اور ان سے سوال کیا جاتا ہے۔ (التعلیق الصبیح: ۱/۱۰۴، باب اثبات عذاب القبر)

عالم برزخ

دنیا سے عالم برزخ اتنا ہی بڑا ہے جتنی دنیا ماں کے پیٹ سے بڑی ہے، اور برزخ سے آخرت اتنی ہی بڑی ہے جتنی برزخ دنیا سے بڑی ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ایک

مؤمن کو کم از کم دنیا سے دس گنی بڑی جنت ملیگی۔

تمام صحابۂ کرام وتابعین عظام وجمہور اہل سنت والجماعت عالم برزخ کے عذاب ونعمت کے قائل ہیں۔اور آیات قرآنیہ واحادیث مشہورہ سے روز روشن کی طرح اس کا ثبوت ہوتا ہے۔چنانچہ قرآن کریم کی آیت "النار یعرضون علیها غدوا وعشیا" الآیة. [آگ ہے جس کے سامنے انہیں صبح وشام پیش کیا جاتا ہے۔] (آسان ترجمہ) اس سے برزخی عذاب مراد ہے۔کیونکہ آخرت کے عذاب کا ذکر سامنے کی آیت میں آرہا ہے جیسے: "قال تعالیٰ یوم تقوم الساعة ...... ادخلوا اٰل فرعون اشد العذاب" [اور جس دن قیامت آجائے گی، اس دن حکم ہوگا کہ فرعون کے لوگوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کردو۔] (آسان ترجمہ) دوسری آیت:"فالیوم تجزون عذاب الهون بما کنتم تستکبرون" [لہٰذا آج تمہیں بدلے میں ذلت کی سزا ملے گی، کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے۔] (آسان ترجمہ) یہاں بھی برزخی عذاب مراد ہے، کیونکہ اس سے پہلے موت کا ذکر ہے اور موت کے متصل فرشتے یہ کہیں گے تو اگر اس سے عالم برزخ کا عذاب مراد نہ ہو تو الیوم کا ترتب ماقبل کے ساتھ صحیح نہیں ہوگا۔

تیسری آیت:"ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون" [اور ان مرنے والوں کے سامنے عالم برزخ کی آڑ ہے، جو اس وقت تک قائم رہے گی جب تک ان کو دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائے گا۔] (آسان ترجمہ) چوتھی آیت:"فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنة نعیم" الآیة. [پھر اگر وہ (مرنے والا) اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہو تو اس کے لئے آرام ہی آرام ہے، خوشبو ہی خوشبو ہے، اور نعمتوں سے بھرا باغ ہے۔] (آسان ترجمہ) یہاں اس سورۃ کی ابتداء میں احکام اخروی بیان کئے گئے اس کے بعد موت کا ذکر ہے۔پھر اس کے متصل اس آیت کو ذکر کیا گیا اور اس سے احوال برزخ مراد نہ ہوں تو

تکرار لازم آئے گا۔نیز ماقبل سے اس کی ترتیب بعید ہوگی۔پانچویں آیت:"یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت" الآیة. [جولوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کواس مضبوط بات پر دنیا کی زندگی میں بھی جماؤ عطا کرتا ہے،اورآخرت میں بھی۔] (آسان ترجمہ) یہ آیت عالم برزخ کے بارے میں نازل ہوئی،جیسا کہ حدیث الباب سے ثابت ہورہا ہے۔اور عالم برزخ کے اثبات کے بارے میں احادیث کہاں تک پیش کی جائیں۔مافی الباب کی احادیث ہی کافی ہیں جن سب کاقدر مشترک تواتر ہے۔

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ قبر میں مسلمان سے جب سوال کیاجاتا ہے،تو وہ شہادت دیتا ہے:"ان لاالہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ" کی اوراسی کے مثل اللہ تعالیٰ کاقول بھی"ویثبت اللہ الذین امنو بالقول الثابت الخ" اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت عذاب قبر ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔اس سے کہاجائیگا کہ تیرارب کون؟وہ جواب دیگا:ربی اللہ [میرارب اللہ ہے]اورمیرے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ عمر قبر میں کیاحال ہوگا؟جب تجھ سے سوالات کئے جائیں گے۔

جواب دیا کہ یا نبی اللہ!صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں ہوش وحواس بھی درست ہوں گے کہ نہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہوش تو وہاں یہاں سے بھی زیادہ صحیح ہوں گے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پھر تو کوئی فکر نہیں جب ہوش وحواس درست ہوں تو انسان بہت سے کام کرسکتا ہے۔

ایک طالب علم کا واقعہ

ایک طالب علم رات کو سفر کر رہے تھے، راستہ میں ایک بھیڑیا بھی ان کے ساتھ ہولیا، قریب تھا کہ اس پر حملہ کرے اور اس کو وہ پھاڑ کھائے مگر فوراً اس نے اپنی چھتری اس کی طرف کو کر کے کھول دی وہ سمجھا کہ معلوم نہیں کیا مصیبت آ رہی ہے، فوراً بھاگ گیا تو یہ اس وجہ سے ہی تو ہوا کہ اس کے ہوش وحواس صحیح تھے، اگر اس کے ہوش وحواس درست نہ ہوتے تو کیا وہ اتنی بڑی مصیبت کو دور کر سکتا تھا؟

اشرف التوضیح میں اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اسی سے نقل کرتا ہوں۔

عذاب قبر میں مذاہب

عذاب قبر کی کیفیت کیا ہے؟ صرف روح پر ہوتا ہے یا صرف جسم پر ہوتا ہے؟ یا دونوں پر ہوتا ہے؟ اس میں فرقہ اسلامیہ کے مذاہب مختلف ہیں، یہاں صرف اہم اور مشہور مذاہب کے نقل پر اکتفاء کیا جائے گا۔

خوارج، بعض مرجیہ اور بعض معتزلہ نے عذاب قبر کا بالکلیہ انکار کیا ہے، وہ کسی طرح سے بھی عذاب قبر کے قائل نہیں ہیں، معتزلہ میں انکار عذاب قبر میں زیادہ پیش پیش دو شخص ہیں: ضرار ابن عمرو اور بشر مریسی۔

محمد بن جریر کرامی اور عبداللہ بن کرام اور ابوالحسن صالحی وغیرہ جن لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ عذاب صرف جسم پر ہوتا ہے، لیکن جس جسم پر عذاب ہوتا ہے اس میں کسی قسم کی بھی حیات نہیں ہوتی، اس سے روح کا کوئی تعلق نہیں، بالکل بے جان ہونے کے باوجود جسم پر عذاب مانتے ہیں، یہ اتنا احمقانہ مذہب ہے کہ قابل تردید بھی نہیں، جب جسم میں حیات کسی قسم

کی بھی نہیں تو اس کو عذاب ماننا انتہائی حماقت اور سفاہت ہے، مشہور متکلم علامہ خیالی شرح عقائد کے حاشیہ پر ارقام فرماتے ہیں: "وجوز بعضهم تعذيب غير الحي ولا شك انه سفسطة"[1]

ابن حزم ظاہری اور ابن میسرہ کا مذہب یہ نقل کیا جاتا ہے کہ عذاب وثواب ہوتا ہے صرف روح پر نیکوں کی روح علیین میں پہونچائی جاتی ہے، وہیں اس سے سوال وجواب ہوتا ہے، وہیں آرام پہنچایا جاتا ہے، اس کا نام ثواب القبر ہے، بدوں کی روح سجین میں پہنچائی جاتی ہے، وہیں اس سے سوال وجواب ہوتا ہے، وہیں اس کو تکلیف دی جاتی ہے، یہ عذاب القبر ہے، جس گڑھے میں مردہ کا جسم رکھا جاتا ہے، اس میں کوئی سوال وجواب نہیں ہوتا، نہ اس میں کوئی عذاب اور ثواب کا معاملہ ہوتا ہے، غرضیکہ اس گڑھے اور جسم سے عذاب وثواب کا کوئی تعلق نہیں ہے، یہ مذہب احادیث صریحہ ظاہرہ کے خلاف ہے، عذاب قبر کی جتنی احادیث آئی ہیں وہ صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ معاملہ جسم پر ہورہا ہے، اور اسی جگہ ہورہا ہے، جہاں جسم رکھا گیا ہے، اس لئے متکلمین اہل السنّت فقہاء اور محدثین سب نے زوردار طریقہ سے اس کی تردید کی ہے، کچھ حوالجات آگے آئیں گے۔

مذہب اہل السنۃ والجماعۃ

جمہور اہل السنۃ والجماعت کا اس مسئلہ میں مذہب یہ ہے کہ قبر میں عذاب وثواب اور نکیرین کا سوال وجواب اسی جسم عنصری پر ہوتا ہے، اس کے جسم میں اتنی حیات پیدا کردی جاتی ہے۔ جس سے عذاب اور ثواب کا ادراک کرسکے بعض حضرات تو اس بات کے بھی قائل ہیں کہ روح کے تعلق سے مردہ کے جسم میں حیات مطلقہ پیدا ہوجاتی ہے، لیکن اکثر علماء اہل السنۃ

[1] فتح القدیر: ۴/۳۰۴، باب الامامۃ، مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت لبنان۔

والجماعت حیات مطلقہ پیدا ہونے کے قائل نہیں ہیں، اکثر علماء کا نظریہ یہ ہے کہ روح کے تعلق سے مردہ کے جسم میں ایسی "نوع من الحیاة" پیدا ہو جاتی ہے جس سے عذاب وثواب کا ادراک کر سکے۔

اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک عذاب وثواب جسد مع الروح پر ہوتا ہے، اور جسم میں "نوع من الحیاة" ہوتی ہے۔ لیکن یہ حیات ایسی نہیں ہوتی جس میں کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت ہو، اور جس میں روح جسم کے اندر تصرف اور تدبیر کرتی ہو، اس وقت جو دنیا میں ہماری حیات ہے، اس میں روح کا جسد سے تدبیر وتصرف کا تعلق ہے، اور ایسے تعلق میں جسم کی حرکات محسوس ہوتی رہتی ہیں، اور اسے کھانے پینے کی احتیاج ہوتی ہے، قبر میں روح کا جسد سے تعلق تو ہے جس سے "نوع من الحیاة" پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ تعلق تدبیر وتصرف کا نہیں ہے، وہ دنیا میں تھا اور ختم ہو گیا، ایسا تعلق دوبارہ صرف آخرت میں ہو گا۔

موقف اہل السنۃ والجماعت کے دلائل

اہل السنۃ والجماعت نے عذاب قبر کے بارے میں جو موقف اختیار کیا ہے یہ بالکل احادیث صحیحہ صریحہ کے مطابق ہے، مشکوۃ شریف کے اس باب کی حدیثوں کے ترجمے سے یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ احادیث یہ بتلا رہی ہیں کہ عبد میت کو جس جگہ رکھا جاتا ہے، دفن کرنے والے جہاں اس کو رکھ کے آتے ہیں، وہیں منکر نکیر آتے ہیں، سوال وجواب کرتے ہیں اس کو وہیں ثواب یا عذاب کا معاملہ درپیش ہوتا ہے، یہ معاملہ اس کے جسم پر ہوتا ہے، جیسے پہلی فصل میں صحیحین کی روایت میں آتا ہے "**ان العبد اذا وضع فی قبرہ اتاہ ملکان**" اس سے معلوم ہوا کہ جس قبر میں اس بندہ کو دفن کرنے والوں نے رکھا ہے وہیں فرشتے آتے ہیں، سوال وجواب وہیں ہوتا ہے، پھر حدیثوں میں ہے: "**یقعدانہ**" ایک روایت میں ہے:

"یحلسانہ" یہ بٹھانا بھی جسم کی کیفیت ہے۔گرز بھی جسم کے ہی مارے جاتے ہیں، آواز سے چلانا بھی جسم ہی کا کام ہے:"یسمعها من یلیه غیر الثقلین" یہ لفظ صراحۃً بتاتے ہیں کہ یہ معاملات اس قبر میں ہوتے ہیں، جس کے آس پاس لوگ پھرتے ہیں، سجین کے آس پاس کون پھرتا ہے؟ مشکوۃ فصل اول کی آخری روایت جو بحوالہ مسلم پیش کی گئی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس گڑھے میں یہ جسم خاکی رکھا گیا ہے وہیں عذاب ہو رہا ہے، اس لئے انہیں قبروں کے پاس پہنچ کر سواری بدکی ہے۔

باب آداب الخلاء کی فصل اول میں متفق علیہ روایت آرہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گذرے اور فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، ان دونوں پر ٹہنی گاڑی ہے، یہ حدیث صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ عذاب اسی گڑھے میں ہو رہا ہے، جس کے پاس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گزرے تھے اور جس پر ٹہنیاں گاڑی تھیں، پھر احادیث میں تصریح ہے۔"یقال للارض التئمی علیه فتلتئم علیه فتختلف اضلاعه" یہ الفاظ صراحۃً موقف اہل سنت والجماعت کی تائید کررہے ہیں۔

غرضیکہ اس قسم کی احادیث صحیحہ کثیرہ جس کی صحت میں کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا وہ سب بتارہی ہیں کہ یہ عذاب جسم پر ہو رہا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جسم میں اگر کسی درجہ کی بھی حیات نہ ہو تو محض بے جان جسم پر عذاب واقع کرنا اس کا کوئی معنی نہیں ہے۔اور بے جان محض پر عذاب کو ماننا سفسطہ ہے، اس لئے اہل السنۃ والجماعت اس بات پر مصر ہیں کہ عذاب جسم پر ہوتا ہے، اور روح کے تعلق سے کم از کم اس میں اس درجہ کی زندگی پیدا ہو جاتی ہے، جس سے عذاب وثواب کا ادراک کر سکے۔

ان حدیثوں کے علاوہ فصل ثانی میں صفحہ:۲۵ر پر حضرت براء بن عازب رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی لمبی حدیث مذکورہ، اور یہ حدیث مشکوۃ:۱۴۲/ا پر بھی آ رہی ہے، صاحب مشکوۃ نے اسے احمد اور ابو دؤد کے حوالہ سے پیش کیا ہے، اس میں تصریح ہے:''ویعاد روحہ فی جسدہ" کہ روح کا جسم میں اعادہ کیا جاتا ہے، اس سے تو بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ جسم مع الروح پر عذاب وثواب ہو رہا ہے، روح کا جسد سے تعلق ہے، حافظ ابن حزم نے اس حدیث کو گرانے کی بڑی کوشش کی ہے لیکن وہ کوشش بالکل ناکام ہے۔ ان کی حدیث کی سند پر جتنے اعتراضات ہیں سب کے شافی جوابات علماء نے دیدئے ہیں۔ حافظ ابن القیمؒ نے اپنی کتاب ''الروح'' میں ابن حزم کے ہر قسم کے اعتراضات کو ختم کر دیا ہے۔ یہاں یہ کہنا مقصود ہے کہ اگر ابو داؤد وغیرہ کی براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت یعنی "یعاد روحہ" والی سامنے نہ بھی رکھی جائے تو بھی ہمارا مقصد صحیحین کی حدیثوں سے ہی واضح ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ صحیحین کی حدیثوں میں واضح طور پر ثابت ہے کہ یہ معاملات اس کے جسم پر ہو رہے ہیں اس کو بٹھایا جاتا ہے، پوچھا جاتا ہے، پٹائی ہوتی ہے، چیختا ہے، اور جسم پر یہ چیزیں اس میں حیات ہونے کے بغیر کیسے مانی جا سکتی ہیں، اس لئے بحث کو طول دینے کے بغیر ہم صرف صحیحین کی حدیثوں کی روشنی میں یہ بات زور سے کہہ سکتے ہیں، کہ یہ معاملہ روح مع الجسد پر ہوتا ہے۔

قبر میں جسم یا اجزاء جسم کے ساتھ روح کا تعلق جب مانا جاتا ہے حدیثوں کے تقاضے سے، تو اس میں ایک ذہنی سی الجھن ہوتی ہے کہ اس تعلق روح کے کچھ آثار تو ہمیں نظر نہیں آتے تو ہم تعلق کو کیسے تسلیم کر لیں، اس سلسلہ میں الجھن کو دور کرنے کے لئے ایک بات تو یہ ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ روح کا تعلق جسم کے ساتھ ہمیشہ یکساں نہیں ہوتا۔

انواع تعلق روح بالبدن

حافظ ابن القیم نے کتاب الروح میں ارشاد فرمایا ہے کہ روح کا تعلق جسم سے کئی قسم کا

ہوتا ہے، اور سب کے احکام جدا جدا ہیں: مثلاً

(۱)...... بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس وقت بھی اس سے روح کا تعلق تھا۔

(۲)...... جب وہاں سے نکل کر زمین پر آیا اب بھی تعلق ہے۔

(۳)...... نیند کی حالت میں بھی روح کا اس کے ساتھ تعلق ہے۔

(۴)...... برزخ میں بھی اس کا تعلق ہے۔

(۵)...... قیامت کے دن بھی تعلق ہوگا۔

قیامت کے دن جو تعلق ہوگا وہ اکمل تعلق ہوگا، دنیا کے تعلق سے بھی بڑھ کر دنیا میں بھی تعلق ہر حالت میں یکساں نہیں رہتا، یقظہ میں اور طرح کا تعلق ہے، اور نوم میں اور طرح کا۔ بے ہوشی میں اور طرح کا، پورے جسم پر فالج کا حملہ ہو اب بھی روح کا تعلق ہے، پھر بیداری کی حالت میں سارے اجزاء سے روح کا تعلق یکساں نہیں ہے، بعض جگہ ماریں تو چوٹ زیادہ لگتی ہے، مثلاً ایڑی پر ماریں تو چوٹ کم لگتی ہے، حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں کہ روح کے تعلق کی کتنی صورتیں بنادی ہیں، عالم برزخ میں روح کا تعلق ایسا نہیں ہوگا جیسے دنیا میں۔ اس تعلق سے اتنی حیات آجائے گی جس سے عذاب وثواب کا ادراک کرسکے، یہاں والی کیفیت نہیں ہوگی، جو لوگ روح کے تعلقات کو یکساں سمجھتے ہیں ان کے لئے برزخ میں روح کا تعلق ماننا مشکل ہوجاتا ہے، علماء نے تصریح کی ہے کہ قبر میں عامۃ الناس کے جسم میں صرف "نوع من الحیوٰۃ" ہوتی ہے۔ حیات مطلقہ اور کاملہ نہیں ہوتی۔

رہی یہ بات کہ ہمیں تو میت کے جسم پر کوئی معاملہ ہوتا نظر نہیں آتا ہے تو محض یہ شبہ انکار احادیث کا باعث نہیں بن سکتا، یہ حق تعالیٰ شانہ کی قدرت اور حکمت ہے، کہ ہمارے سامنے کچھ ہو اور نظر نہ آئے، حضرت جبرائیل امین علیہ السلام مجالس عامہ میں آتے تھے بات کہتے تھے، چلے جاتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ بتا کر گئے ہیں،

لیکن کسی کو بھی نظر نہیں آتے تھے، حکمت چھپانے میں تھی اس لئے دوسروں سے مخفی رکھا، ہمارے پاس سویا ہوا آدمی خواب میں کچھ کا کچھ دیکھتا رہتا ہے، اذیت والی بات بھی محسوس کرتا ہے، لیکن پاس بیٹھنے والے کو کچھ پتہ نہیں چلتا، اسی طرح عذابِ قبر کے اخفاء عن الناس میں بھی حکمتیں ہیں۔

اہم شبہ

جو بات بظاہر ان احادیث سے سمجھ میں آرہی ہے اس میں ایک اہم اشکال پیش کیا گیا ہے اور اسی اشکال نے دوسرے فرقوں کو ان احادیث کے مدلول کے انکار یا تحریف تک پہنچایا ہے، وہ اشکال یہ ہے کہ کبھی مردے کے جسم کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے، کبھی اس کے جسم کو درندے کھا جاتے ہیں، اور کبھی اس کے اجزاء خاک میں مل جاتے ہیں تو اب عذاب وثواب کس پر ہوتا ہے؟ اب تو جسم رہا ہی نہیں جس کے ساتھ روح کا تعلق ہو۔

جواب: اکابر اہل السنۃ والجماعت نے خود اس شبہ کو ذکر کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ، ملا علی قاریؒ، امام نوویؒ جیسے تمام اکابر اس کے جواب میں یہ فرما رہے ہیں کہ جسم پر عذاب ہونے کے لئے یا روح کا جسم پر تعلق ہونے کے لئے بقاء الجثۃ شرط نہیں ہے، یعنی اس کے لئے جسم کے ڈھانچہ کا محفوظ رہنا شرط نہیں ہے، حق تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ جسم کے کل یا بعض اجزائے منتشرہ سے روح کا تعلق قائم کر کے ان میں "نوع من الحیوۃ" پیدا کر کے عذاب یا ثواب دے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور عقلاً ممکن ہے اور جو چیز عقلاً ممکن ہو اور وحی اس کے ماننے پر مجبور کرے ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اسے مانا جائے۔

اہل السنۃ والجماعت کے اس جواب سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اس بات کے ماننے پر مصر ہیں کہ عذاب اسی جسم پر ہوتا ہے اور اس میں "نوع من الحیوۃ" ہوتی ہے،

بہ تعلق روح۔ اس اشکال سے متاثر ہو کر بھی انہوں نے نہیں کہا کہ اگر جسم باقی نہیں رہا تو کیا ہوا؟ ہم کب جسم پر عذاب مانتے ہیں، ہم تو صرف روح پر مانتے ہیں، یا کم از کم اتنا ہی کہہ دیتے کہ جب تک جسم باقی رہتا ہے جسم پر عذاب ہوتا ہے، جسم کے ختم ہو جانے کے بعد صرف روح پر ہوتا ہے، ایسی حالت میں بھی یہ اسی پر مصر ہیں کہ جسم پر عذاب ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ ان کے ہاں نہایت ضروری ہے اور احادیث بھی اس پر مجبور کرتی ہیں۔

فائدہ: سلف میں اعادۃ الروح کے بارے میں کبھی بظاہر متعارض کلام نظر آتا ہے، بعض نے اعادۃ الروح میں توقف کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ بعض سے نفی کا قول بھی مل جائے اس کو کبھی نفی مطلقہ کا باعث بنا لیا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اتنی بات پر سلف متفق ہیں کہ جسم پر ثواب وعذاب ہوتا ہے، اور جسم میں "نوع من الحیاۃ" ہے، لیکن اس کے ساتھ روح کا کامل تعلق نہیں مانا جاتا جس سے حیات مطلقہ اور کاملہ پیدا ہو جائے جو حضرات اعادۂ روح کا اثبات کرتے ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ روح کا جسد سے صرف اتنا تعلق ہو جاتا ہے جس سے "نوع من الحیاۃ" پیدا ہو جاتی ہے، تعلق کامل اور حیات کاملہ کے وہ بھی قائل نہیں ہیں، نفی کرنے والوں کی مراد اعادۂ کاملہ کی نفی ہے، یعنی ایسے تعلق کامل کی نفی ہے، جس سے حیات مطلقہ پیدا ہو جاتی ہے، دونوں کے کلام میں تعارض نہ ہوا، اس نکتہ پر دونوں مشترک ہیں کہ اس میں "نوع من الحیاۃ" ہے۔ ایسے ہی توقف کرنے والوں کی مراد "نوع من الحیوۃ" کی نفی نہیں ہے۔ بلکہ ان کا توقف کیفیت اعادہ میں ہے، یعنی ہم یہ متعین نہیں کر سکتے کہ اعادہ کس طرح ہوتا ہے، اتنا یہ بھی مانتے ہیں کہ اس میں بقدر ادراک حیات ہے، الفاظ کی بحث میں پڑنے کے بجائے بحث کا نکتہ یہ ہونا چاہئے کہ آیا جمہور جسم مع الروح پر عذاب کے قائل ہیں یا نہیں؟ سب کتب معتبرہ یہی بتائیں گی کہ وہ قائل ہیں۔

فائدہ: بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ روحیں علیین یا سجین میں چلی جاتی ہیں،

یہ بھی جمہور کے اختیار کردہ موقف کے خلاف نہیں ہے، علیین یا سجین میں ہونے کے باوجود روح کا تعلق جسد کے کل یا بعض اجزاء سے ہوسکتا ہے، روح میں ایک خاص قوت اور لطافت پیدا ہوجاتی ہے، ان کا مستقر علیین یا سجین بھی رہے تو بھی ان کا تعلق اجسام سے ہوسکتا ہے، روح کے لوٹائے جانے کا مطلب بھی صرف یہ تعلق بتانا ہے۔

اعتراضات وجوابات

اعتراض اول: ابن حزم نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں یہ فرمایا ہے کہ اگر قبر میں میت کے جسم میں حیات تسلیم کر لی جائے یہ قرآن پاک کے خلاف ہے۔قرآن پاک میں ہے:"**قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین**" [وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمیں دومرتبہ موت دی، اور دومرتبہ زندگی دی۔] (آسان ترجمہ) اس میں صرف دوموتوں اوردوحیاتوں کا تذکرہ ہے، دوسری آیت میں اس کی قدرے وضاحت ہے: "**کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم**" [تم اللہ کے ساتھ کفر کا طرز عمل آخر کیسے اختیار کر لیتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اسی نے تمہیں زندگی بخشی، پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر وہی تم کو دوبارہ زندہ کرے گا۔] (آسان ترجمہ) '**کنتم امواتا**' پہلی موت ہے۔'**فاحیاکم**' یہ پہلی حیات ہے،'**ثم یمیتکم**' یہ دوسری موت ہے،'**ثم یحییکم**' یہ حیات آخرت ہے، اگر قبر میں بھی زندگی مان لی جائے تو تین موتیں اور تین حیاتیں بن جاتی ہیں۔

جواب نمبر(۱): دوسری آیت میں جو"**یحییکم**" آیا ہے اس کی مفسرین نے دونوں تفسیریں کی ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد حیات فی الآخرۃ ہے۔ دوسری یہ کہ اس سے مراد حیات فی القبر ہے، یعنی قبر میں سوال جواب کے لئے زندہ کیا جائے گا۔تفسیر کبیر،

بیضاوی اور دوسری معتبر تفسیروں میں یہ دونوں تفسیریں کی گئی ہیں، قاضی بیضاوی انہی لفظوں کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:"ثم یحییکم بالنشور یوم نفخ الصور او للسئوال فی القبور" جس آیت کو جمہور کے خلاف استدلال کے لئے پیش کیا گیا تھا اس کی ایک تفسیر وہی ہے جو جمہور کہتے ہیں۔

جواب نمبر(۲): اصل جواب یہ ہے کہ قرآن نے جو کہا ہے کہ حیاتیں دو ہیں اس سے مراد حیات کاملہ اور حیات مطلقہ ہے، حیات مطلقہ وہ ہوتی ہے کہ روح کا جسم سے ایسا تعلق ہو کہ روح جسم میں تدبیر اور تصرف کرتی ہو، اس میں جسم کو کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے، لباس پہنے گا، حرکات کرے گا، اس کی جنبش نظر آئے گی، جب حیات کا لفظ مطلق بولا جائے تو عموماً ایسی حیات ہی مراد لی جاتی ہے اس لئے یہ فرد کامل ہے اور یہ صرف دنیا میں ہوگی یا آخرت میں ہوگی، برزخ میں ایسی حیات کا کوئی بھی قائل نہیں۔کوئی بھی نہیں مانتا کہ برزخ میں روح کا جسم سے ایسا تعلق ہے کہ روح جسم میں تدبیر وتصرف کرتی ہے صرف اتنا مانتے ہیں کہ روح کے تعلق سے صرف "نوع من الحیوۃ" اس قدر آجاتی ہے کہ عذاب وثواب کا ادراک کر سکے، اسی طرح اور آیات سے جو معلوم ہوتا ہے کہ اس معروف موت کے بعد پھر زندگی صرف آخرت میں ہی ہوگی، مطلب یہ ہے کہ حیات مطلقہ اور کاملہ صرف آخرت میں ہوگی، اس سے پہلے نہیں ہوگی، جمہور بھی اس کے قائل ہیں کہ قیامت سے پہلے حیات مطلقہ نہیں ہوگی، جمہور کے موقف کو صحیح سمجھ لینے اور تعلقات روح کی انواع سمجھ لینے کے بعد کسی عاقل منصف کو انشاء اللہ کوئی شبہ نہیں آسکتا۔

حدیث براء بن عازبؓ پر اعتراض

جن احادیث صحیحہ سے جمہور اہل السنۃ والجماعت نے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے

ان میں ایک حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ بھی ہے، جس کو یہاں صاحب مشکوۃ نے فصل ثانی میں بحوالہ ابوداؤدواحمد نقل کیا ہے۔ اس میں صاف لفظ ہیں ''یعاد روحه في جسده'' حافظ ابن حزم وغیرہ حضرات نے اس حدیث کو گرانے کی کوشش کی ہے، اس کی سند پر کچھ اعتراضات کئے ہیں یہاں ان اعتراضات کو نقل کر کے مختصراً جواب دیں گے، لیکن اس سے پہلے اس حدیث کی صحت کے بارے میں ائمہ حدیث میں سے دو حضرات کی اجمالی شہادت نقل کرنا مناسب ہے۔

پہلی شہادت

حدیث کے مشہور امام حافظ ابو عبداللہ الحاکم اپنی المستدرک میں فرماتے ہیں، هذا حديث صحيح على شرط الشيخين وقد احتجا جميعا بالمنهال بن عمرو وزاذان ابی عمر الكندی وفی هذا الحديث فوائد كثيرة لاهل السنة وقمع للمبتدعة''

دوسری شہادت

حافظ ابن القیم کتاب الروح میں اس حدیث کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ''هذا حديث ثابت مشهور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ ولا نعلم احدا من ائمة الحديث طعن فيه بل اوردوه فی كتبهم وتلقوه بالقبول وجعلوه اصلاً من اصول الدين فی عذاب القبر ونعيمه ومسألة منكر ونكير وقبض الارواح وصعودها الى بين يدی الله ثم رجوعها الى القبر''

اب حدیث براء کی سند پر کئے جانے والے اعتراضات نقل کر کے جوابات دیے

جاتے ہیں۔

اعتراضات

اعتراض اول: اس حدیث پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس کو حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرنے والے زاذان ہیں اور وہ "**یعاد روحه الی جسده**" والی زیادتی نقل کرنے میں متفرد ہیں۔

اس اعتراض کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

(الف)...... زاذان ثقہ ہیں بہت سے ائمہ حدیث نے انکی توثیق کی ہے، یحیٰ بن معین نے انکی توثیق کی ہے، حمید بن بلال نے انکے بارے میں کہا ہے۔ "**هو ثقة لاتسئل عن مثل هؤلاء**" یحیٰ بن معین کا قول حافظؒ نے نقل فرمایا ہے: **ثقة لا يسئل عن مثله**" محدثین کا یہ متفقہ قاعدہ ہے کہ ثقہ اگر کسی حدیث میں کوئی زائد بات نقل کرے جس کو دوسرے نقل نہیں کرتے تو یہ زیادتی مقبول ہوتی ہے، لہٰذا اگر زاذان متفرد بھی ہوں اس زیادتی کے نقل کرنے میں تب بھی قواعد محدثین کی روشنی میں اسے قبول کرنا پڑیگا۔

(ب)...... حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کو نقل کرنے میں زاذان منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے اور بھی متابعات ثقات ہیں، چنانچہ حافظ ابن القیم کتاب الروح میں فرماتے ہیں: **وقد رواه عن البراء بن عازب جماعة غير زاذان ان منهم عدى بن ثابت ومحمد بن عقبة ومجاهد**" اس کے بعد متابعت والی روایات تفصیل سے پیش کی ہیں، مثلاً پہلے حافظ ابن مندۃ کی کتاب ''کتاب الروح والنفس'' میں اس سند سے یہ حدیث ہے۔ ''**اخبرنی محمد بن يعقوب بن يوسف قال حدثنا محمد بن السفار انا ابو النضر هاشم بن القاسم ثنا عيسى بن المسيب عن عدى بن ثابت عن البراء بن**

عازب قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی جنازۃ رجل من الانصار. الحدیث“ اس لمبی حدیث میں ’تعاد روحہ‘ کے الفاظ کے بجائے ’فترد روحہ الی مضجعہ‘ کے لفظ ہیں اس سند میں براء سے نقل کرنے والے زاذان نہیں بلکہ عدی بن ثابت ہیں اور عدی سے نقل کرنے والے منہال نہیں بلکہ عیسیٰ بن میتب ہیں، اس کے بعد پھر ابن مندۃ کی اور سند پیش کی ہے:”من طریق محمد بن سلمۃ عن خصیف الجزری عن مجاھد عن البراء بن عازب“ اس میں براء سے نقل کرنے والے مجاہد ہیں، اور مجاہد سے نقل کرنے والے منہال نہیں خصیف جزری ہیں، غرضیکہ نہ زاذان متفرد ہے نہ منہال متفرد ہے، دونوں پر تفرد کا الزام غلط ہے۔

(ت)...... اگر بالفرض براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کو بالکل کالعدم تصور کر لیں تب بھی جمہور کا موقف صحیحین کی حدیثوں سے ثابت ہے۔ کما مر غیر مرۃ.

اعتراض ثانی: دوسرا اعتراض بعض نے اس حدیث پر یہ کیا ہے کہ زاذان کو براء رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل نہیں لہذا یہ روایت منقطع ہوئی، یہ بہت غلط الزام ہے، ایک تو اس لئے کہ رجال کی تمام کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے، کہ زاذان جن صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں ان میں حضرت براء بن عازب ہی ہیں۔ دوسرا یہ کہ صحیح ابوعوانہ میں سماع کی تصریح موجود ہے۔ یعنی زاذان اس کو سمعت البراء کہہ کے نقل کرتے ہیں، اس کے بعد کسی قسم کا خلجان باقی نہیں رہنا چاہئے۔

اعتراض ثالث: اس حدیث کو زاذان سے نقل کرنے والے منہال بن عمر ہیں اور منہال ضعیف ہیں لہذا یہ حدیث قابل قبول نہیں۔

جوابات

(الف): منہال کو ضعیف کہنا غلط ہے اس لئے کہ بہت سے ائمہ رجال نے ان کی توثیق کی ہے، حافظ ابن قیم اپنی کتاب الروح میں فرماتے ہیں: "**فالمنهال احد الثقات العدول قال ابن معين المنهال ثقة وقال العجل كوفى ثقة**" ان کی توثیق کے الفاظ حافظ ابن حجرؒ نے بھی تہذیب التہذیب میں نقل فرمائے ہیں۔ ان پر جو بڑی سے بڑی جرح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے گھر سے گانے کی آواز سنائی دی گئی ہے۔ حافظ ارشاد فرماتے ہیں: "**وليس على المنهال جرح فى ما حكى ابن ابى حازم نذكر حكايته المتقدمة**" ارشاد کے آخر میں حافظ ارشاد فرماتے ہیں۔ "**وجرحه هذا تعسف ظاهر**" یعنی اس بناء پر ان پر جرح کرنا کھلی بے انصافی ہے، اس لئے کہ اول تو یہی متیقن نہیں کہ انہی کے گھر سے آواز آرہی تھی، ہوسکتا ہے کہ پڑوسی کے گھر سے یہ آواز آئی ہو، اگر انہی کے گھر سے آئی تھی تو ہوسکتا ہے کہ یہ وہاں موجود نہ ہوں یا یہ بات ان کے علم میں نہ ہو، اس لئے اس کی بناء پر جرح بعید از انصاف ہے۔ حافظ نے یہ بھی نقل کیا ہے۔ "**قال وهب بن جرير عن شعبة اتيت منزل المنهال فسمعت منه صوت الطنور فرجعت ولم اسئله قلت فهلا سألته عيسىٰ كان لايعلم**" اس سے ثابت ہوا کہ شعبہ کو اس بات کی ہرگز بالکل تحقیق نہیں ہوئی کہ واقعی یہ آواز ان کے اختیار سے تھی اور ان کے علم میں تھی۔

(ب): بتایا جا چکا ہے کہ منہال اس زیادتی کے نقل کرنے میں متفرد نہیں ہیں، روایات تفصیل سے پیش کی جا چکی ہیں، اس لئے اس بنیاد پر اس زیادتی کو گرانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(ج): نیز اس زیادتی سے جو بات ثابت ہوتی ہے یعنی حیات فی القبر وہ اسی حدیث پر

موقوف نہیں ہے۔ صحیحین کی حدیثیں بھی اس کے ماننے پر مجبور کرتی ہیں، اگر کوئی حدیث سنداً ضعیف بھی ہو لیکن اس کا مضمون دوسری نصوص سے مؤید ہو تو اس کو ماننا پڑتا ہے۔

(د): اگر علیٰ سبیل التنزل مان بھی لیا جائے کہ یہ زیادتی ضعیف ہے تب بھی اس کے ماننے سے فرار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ حدیث ضعیف کو اگر تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو جائے تو وہ حدیث صحیح کے حکم میں ہوتی ہے۔ آپ کو بہت سے مسائل کی احادیث ایسی نظر آئیں گی جن کی سند میں کلام ہے لیکن اس سے جو مسئلہ نکلتا ہے اس کو اکثر تسلیم کرتے ہیں، جامع ترمذی میں اس کی بہت سی مثالیں آسانی سے مل سکتی ہیں، امام ترمذی حدیث کی سند پر کلام فرماتے ہیں اس کے بعد فرما دیتے ہیں: "والعمل علیه عند اهل العلم" اس میں کوئی شک نہیں کہ سند کی حالت پر نظر ضرور رکھنی چاہئے، سند اور سند پر انتقاد اس امت کی امتیازی شان ہے، لیکن تحقیق مسائل کے لئے صرف سند پر ہی نگاہ نہیں رکھی جاتی بلکہ صحیح موقف تک پہنچنے کے لئے یہ بات انتہائی معاون اور مفید ہوتی ہے کہ دیکھا جائے کہ سلف نے اس حدیث کے مضمون کو قبول کیا ہے یا نہیں؟ اگر سلف کا نظریہ اسی کے مطابق چلا آیا ہے تو یہ واضح دلیل ہوگی کہ یہ حدیث مقبول ہے اس لئے کہ سلف کے نظریات مسلسل ورثۃً عن ورثۃٍ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متصل ہیں، خلاصہ یہ کہ حدیث ضعیف کو بھی جب تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو جائے تو وہ مقبول سمجھی جاتی ہے، کوئی شخص بھی اس ضابطے سے فرار نہیں کر سکتا، اور اوپر جو حوالجات سے بتایا جا چکا ہے کہ جمہور اہل السنۃ والجماعت نے حیات فی القبر کو تسلیم کیا ہے اور اس پر اصرار کیا ہے کسی صورت میں بھی وہ اس موقف سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

بعض باتوں سے اس مسئلہ میں الجھاؤ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے، کچھ عبارات تلاش کر کے اس عقیدے میں تزلزل پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، سب عبارات کو نقل کر کے فرداً فرداً جواب دینے میں بہت طول ہو جائے گا، جس کی یہاں گنجائش نہیں البتہ اصولی طور پر کچھ باتیں کہدینی مناسب ہیں۔

(۱)...... دنیا اور برزخ اور آخرت تینوں عالموں میں روح اور جسد کے تعلقات ایک درجہ کے نہیں ہوتے، نوعیت میں فرق ہے، عالم دنیا میں روح اور جسد کا تعلق ہے، لیکن روحانیت مغلوب ہے، جسمانیت غالب ہے، عالم برزخ میں باہمی تعلق تو ہوگا لیکن اس میں روحانیت غالب ہوگی، جسمانیت انتہائی مغلوب، اس عالم کے زیادہ تر معاملات اور حالات روح پر ہوں گے، جس سے گو روح کا تعلق ہوگا، اور جسم پر بھی ان حالات کا ورود ہوگا، لیکن جسمانیت انتہائی مغلوب ہوگی، حتی کہ جسم تو تفرق کا شکار ہوتے ہوتے، تقریباً لاشئ ہو گیا، اور عالم آخرت میں روحانیت اور جسمانیت دونوں مساوی سطح پر چلیں گے، عالم دنیا میں زیادہ تر حالات کا ورود جسم پر ہے، برزخ میں زیادہ تر روح پر ہے، آخرت میں دونوں پر، چونکہ برزخ میں روحانیت کا غلبہ ہے، اس لئے اس غلبہ روحانیت کی تعبیر کبھی سلف یوں بھی فرمادیتے ہیں کہ برزخ کا عذاب وثواب روح پر ہو رہا ہے، ان کی مراد صرف غلبہ روحانیت بتلانا ہے۔ اجزاء جسم کے ساتھ روح کے "نوع من التعلق" کی نفی ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتی، اس "نوع من التعلق" کے تسلیم کرنے میں وہ کبھی بھی جمہور کی گاڑی سے نہیں اترتے۔ وہ تو صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہاں زیادہ زور روحانیت کا ہے،

سلف اور خلف نے جب بھی یہ مسئلہ کتب کلامیہ میں لکھا ہے تو اہل السنۃ والجماعت سے تعلق رکھنے والے صرف ابن حزم وغیرہ نے ایک دو شخصیات کا اختلاف نقل کیا ہے، جن کی ایسی تعبیریں نقل کی جاتی ہیں، ان کا اختلاف کسی نے بھی نقل نہیں کیا، معلوم ہوا کہ مسئلہ میں وہ جمہور کے ساتھ ہیں، صرف عالم برزخ کا غلبہ روحانیت بتانے کے لئے کبھی تعبیر یوں ہو جاتی ہے کہ وہاں معاملات روح پر ہو رہے ہیں، اور ان حضرات کے کلام سے دوسری جگہ صراحۃً جمہور سے موافقت ثابت ہوتی ہے، بالفرض اگر تسلیم کرلیا جائے کوئی شخص ابن حزم کا ہم نوا بن گیا ہے تو اربوں سواریوں میں سے ایک دو سواریوں کے اتر جانے سے گاڑی میں کیا فرق پڑتا ہے، ایسی عبارتوں سے کتب کلامیہ میں نصف النہار کی طرح مصرح مسئلہ میں الجھاؤ پیدا کرنے کی کوشش کرنا منصف فہیم کی شان کے لائق نہیں۔

(۲)...... عالم برزخ میں روح کہاں کہاں پھرتی ہے، کہاں رہتی ہے؟ اس کے بارے میں اگر نصوص مختلف بھی نظر آئیں، مثلاً یہ کہ روح علیین میں ہے، یا جنت کے سبز پرندوں میں سیر کرتی ہے، یا وہاں فلاں صورت میں ممثل ہو کر پھرتی ہے، ان میں سے کسی بات کے انکار کی ضرورت نہیں، وہ جہاں ہو جس حالت میں ہو جس کیفیت میں ہو عذاب وثواب قبر کی نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ بہر حالت اس کا اجزاء جسم سے "**نوع من التعلق**" ہے اور جمہور نے اس کو تسلیم کرلیا ہے۔

(۳)...... صوفیاء اپنے کشف سے جسد مثالی کے قائل ہوئے ہیں، کشف سے واقعات تو معلوم ہو سکتے ہیں، لیکن کسی کا کشف مدار مسائل نہیں بن سکتا، عذاب قبر کے بارے میں بعض صوفیا کا نظریہ ہے کہ وہ جسد مثالی پر وقوع عذاب کے قائل ہوتے ہیں، اور غالباً قائل ہونے کی ضرورت بھی ان کو یہی پیش آئی ہے کہ جب جسم بالکل ریزہ

ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، اس صورت میں یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ اب وقوع عذاب کی صورت کیا ہوگی، بعض صوفیا نے علامۃ الناس کے فہم کی آسانی کے لئے یہ قول اختیار کیا ہے کہ عذاب برزخ بتوسط مثال ہوتا ہے، اگر جسم عنصری محفوظ نہیں تو جسد مثالی پر عذاب ہوسکتا ہے، اس کے قائل ہونے کی ضرورت اس مشہور اشکال کو رفع کرنا ہے، اس میں قابل غور دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ ہوسکتا ہے کہ جسد مثالی پر بھی عذاب ہوتا ہے، لیکن عذاب قبر کی احادیث کو حل کرنے کے لئے اور اشکال مذکور کو دور کرنے کے لئے اس کے قائل ہونے کی ضرورت کوئی نہیں ہے، متکلمین نے کہہ دیا ہے کہ اجزاء جسم میں سے بعض کے ساتھ روح کا تعلق ہوسکتا ہے۔ یہ ایک امر ممکن ہے اور امر ممکن کی جب مخبر صادق خبر دے دے تو اس کو ماننا لازم ہے، اس لئے کسی شرعی ضرورت کے لئے ہمیں اس کے قائل ہونے کی کوئی احتیاج نہیں، دوسری بات یہ کہ اگر اصحاب کشف کہیں کہ ہمارا کشف ہے کہ جسد مثالی پر عذاب واقع ہوتا ہے تو ہم کہیں گے کہ ہوتا ہوگا لیکن نصوص کا مقتضی یہ ہے کہ جس جسد کو دفن کرکے آئے تھے یہ معاملات اس پر ضرور پیش آرہے ہیں، اگر اس کو تسلیم کرتے ہوئے جسد مثالی پر بھی وقوع عذاب مان لیا جائے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، جبکہ مقتضائے نصوص کو تسلیم کرلیا جائے۔

چنانچہ بعض اکابرین کے کلام میں تصریح بھی ہے کہ وہ جسد مثالی پر وقوع عذاب کے ساتھ ساتھ اجزاء الجسم کے ساتھ تعلق روح کو بھی تسلیم کرتے ہیں، اس کے منکر نہیں ہیں، تو وہ جمہور کے مخالف نہ ہوئے، ایک زائد چیز کو اپنے کشف سے مانتے ہیں، مانتے رہیں اور اگر کوئی کہے کہ ہم صرف جسد مثالی پر وقوع عذاب کے قائل ہیں اجزاء جسم کے ساتھ کسی قسم کا روح کا تعلق تسلیم نہیں کرتے، تو ان کا یہ نظریہ چونکہ کسی نص سے ثابت نہیں بلکہ نصوص عذاب

قبراور جمہور کے مذہب کے خلاف ہیں، اس لئے تسلیم نہیں کیا جا سکتا، حاصل یہ ہے کہ اگر اجزاء جسم عنصری پر عذاب مانتے ہوئے جسد مثالی پر وقوع کے بھی قائل ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر اجزائے جسم خاکی پر وقوع عذاب کی نفی کرتے ہیں صرف جسد مثالی پر مانتے ہیں یہ بات نہ صرف بلا دلیل شرعی ہے بلکہ خلاف دلیل شرعی ہے، اس کا تسلیم کرنا ہمارے لئے درست نہیں۔

حضرت حکیم الامتؒ کی تحقیق

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض ملفوظات اور تصانیف میں صوفیاء کے اس مسلک کو نقل کر دیا ہے، جس سے بعض لوگوں نے ان کو اپنا ہمنوا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔لیکن یہ یاد رہے کہ ان کی کتابوں میں واضح تصریحات موجود ہیں کہ روح کا جسم خاکی کے اجزاء سے تعلق ہے، اگر کوئی اس کو مانتے ہوئے جسد مثالی پر وقوع کا قائل ہو جائے تو اوپر کہا جا چکا ہے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں، ان کی تصریحات کے ہوتے ہوئے ان کو اس بات میں اپنا ہمنوا ثابت کرنا کہ اجزاء بدن کے ساتھ عذاب وثواب کے معاملہ کا کچھ تعلق نہیں یہ غلط دعویٰ ہے، چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ایک طویل تحریر میں یہ لکھتے ہیں کہ:

> ''اور اسی جگہ اس کو عذاب اور ضغطہ ہوتا رہتا ہے خواہ جسد کہیں ہوں اور درندوں نے کھالیا یا سوختہ ہوکر متفرق ہوگیا ہو، البتہ اجزائے جسد یہ کے ساتھ اس کو کچھ تعلق رہتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے ان اجزاء میں بھی اگر اس قدر حیات باقی رہی جس سے عذاب وثواب کا اثر جسد پر بھی آجاوے تو کچھ بعید نہیں۔'' (امداد الفتاویٰ: ۶/۱۲۸)

اپنی کتاب المصالح العقلیہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''ناممکن اور ممتنع نہیں ہے کہ مصلوب اور غریق کی روح پھیر دی جائے اور ہم معلوم نہ کرسکیں کیونکہ یہ روح اور قسم کی ہے، بے ہوش اور سکتہ زدہ اور مبہوت زندہ ہوتے ہیں او ان کی روحیں ان کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور بظاہر وہ مردہ دکھائی دیتے ہیں ان کی زندگی ہم کو معلوم اور محسوس نہیں ہو سکتی، جس کے ٹکڑے اور اجزاء الگ الگ ہوکر پراگندہ ہوجاویں خدائے قادر مطلق پر نہ مشکل ہے اور نہ ممتنع ہے کہ ان اجزاء میں روح کو پیوست کردے اور درد اور لذت اور دکھ اور سکھ کا شعور ان اجزاء میں پیدا کردے۔''

ایسے ہی اس کتاب میں چند صفحات کے بعد فرماتے ہیں۔

''اسی طرح بلاشبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے، گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں، اور بدوں کی سجین میں، لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے، خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں، خواہ جلادیں، خواہ ڈوب جائے، ذرے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق (بالاتر ازفہم) رہتا ہے۔''

قبر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سوال وجواب

﴿۱۱۹﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِہِمْ اَتَاہُ مَلَکَانِ فَیُقْعِدَانِہٖ فَیَقُوْلَانِ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَیَقُوْلُ اَشْہَدُ اَنَّہٗ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ فَیُقَالُ لَہٗ اُنْظُرْ اِلٰی مَقْعَدِکَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَکَ

اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ كُنْتُ اَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ فَيُقَالُ لَهٗ لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ (متفق علیه) ولفظه للبخاری۔

حوالہ: بخاری ص ۱۸۳/۱۸۴/ ج ۱، باب ماجاء فی عذاب القبر، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۳۷۴، مسلم شریف ص ۳۸۶/ ج ۲، باب عرض مقعدا لمیت، کتاب صفة الجنة، حدیث ۲۸۷۰۔

حل لغات: تولیٰ احد عنه (تفعل) منہ پھیرنا، پیٹھ پھیرنا، قرع، آواز، قرع (ف) الباب دراوزہ کھٹکھٹانا، نعلٌ جوتا، ج نعال، مطارقٌ واحد مطرقٌ ہتھوڑا، ولیہ۔ یلیه ولیا قریب ہونا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”حقیقت یہ ہے کہ جب بندے کو اس کی قبر میں رکھ کر واپس ہونے کے لئے مڑتے ہیں تو یہ بندہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بیٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ پس اگر وہ بندہ مؤمن ہے تو کہتا ہے ”میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں“ اس بندہ مؤمن سے کہا جاتا ہے کہ اپنا جہنم کا ٹھکانا دیکھ لو اللہ تعالیٰ نے اب بدل کر جنت تمہارے لئے ٹھکانا کر دیا ہے تو وہ دونوں کو ایک ساتھ دیکھتا ہے اور جب کافر و منافق سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ تو وہ کہتا ہے کہ ”مجھے نہیں معلوم جو لوگ کہتے تھے وہی میں کہتا تھا“ چنانچہ اس سے کہا جاتا ہے تو نے کچھ نہیں پڑھا اور تو نے کچھ نہیں سمجھا پھر لوہے کے ہتھوڑوں سے اس کو مارا جاتا ہے وہ خوب زور

سے چیختا چلاتا ہے اسکی چیخ وپکار کوانسان اور جنات کے علاوہ قرب وجوار کی ساری آبادی سنتی ہے۔ (بخاری ومسلم) یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب انسان قبر میں رکھدیا جاتا ہے۔ اور رہا ہے جو بھی اور جیسی بھی اس کی قبر ہو دریا ہو یا زمین کا گڈھا ہو یا شیر کا پیٹ ہو اور وہ صدر جمہوریہ کی قبر ہو یا کسی گھس کھودے کی، جب مردہ کو اس میں رکھ کر سارے بیوفا واپس چلد یتے ہیں، اس وقت دوفرشتے اس کے پاس آتے ہیں، اور اس کو بیٹھاتے ہیں[1]، اور بیٹھانے کا طریقہ یہ نہیں جس طرح یہاں بیٹھتے بیٹھاتے ہیں۔

یہاں ہر ایک کے بیٹھنے کا طریقہ علیحدہ علیحدہ ہے ایک کتے کا بیٹھنا ہوتا ہے اور ایک ہمارا ایک انگریز کا ایک جوان کا بیٹھنا ہوتا ہے اور ایک بوڑھے کا تو ہر جگہ کا بیٹھنا علیحدہ ہوتا ہے اور ہر کسی کا بیٹھنا اس کی شایانِ شان ہوتا ہے، وہاں کے بیٹھنے کو یہاں کے بیٹھنے پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔

---

[1] **افادہ: فیقعد انہ:** یہ اقعاد سے ہے اور بعض روایات میں **فیجلسانہ** آیا ہے اجلاس سے، اور یہی بہتر ہے، اس لئے کہ فصحاء کے یہاں قعود قیام کے مقابلہ میں آیا ہے اور جلوس اضطجاع اور استلقاء کے مقابلہ میں آتا ہے اور نضر بن شمیل کی حکایت اس کی تائید کرتی ہے وہ مثال بیان کرتے ہیں مامون کے سامنے کی، مامون بادشاہ نے ان سے فرمایا **اجلس** تو انہوں نے کہا **لست مضطجعا فاجلس** میں تو لیٹا ہوا نہیں ہوں جو بیٹھ جاؤں، تو مامون نے کہا پھر کیا کہوں تو انہوں نے فرمایا **اقعد** کہئے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ **اقعاد** سے ایقاظ وتنبیہ مراد ہو اور اعادۂ روح کے ساتھ وہ اس سے سول کرتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ خوف اور دہشت کی وجہ سے مردہ کھڑا ہوجاتا ہو اور پھر اس کو بیٹھاتے ہوں علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جس نے **فیقعد انہ** روایت کیا ہے شاید اس کا گمان یہ ہے کہ دونوں لفظ معنی کے اعتبار سے ایک ہی درجہ میں ہیں حالانکہ اس سے معنی کی باریکی ختم ہوگئی، اسی لئے بہت سے متقدمین حضرات نے روایت بالمعنی سے روکا ہے، امام نووی فرماتے ہیں قعود اور جلوس دونوں مترادف لفظ ہیں اور قعود کا استعمال قیام کے ساتھ اور جلوس کا استعمال اضطجاع کے ساتھ کرنے میں لفظی مناسبت ہے اور اس دوسرے قول کی تائید افعالِ صلوٰۃ میں فقہاء کے استعمال سے ہوتی ہے جہاں کہا ہے **القعدۃ الاولی والقعدۃ الاخری**۔ (**مرقاۃ: ۱۹۸/ ۱، باب اثبات عذاب القبر**)

دیکھو! عالم خواب بھی دنیا کی ہی ایک نوع ہے اور ایک نوع کا حال دوسری نوع کے حال پر قیاس نہیں کر سکتے تو جہاں جا کر دنیا بالکل ہی بدل جائیگی، وہاں کے حالات کو یہاں کے حالات پر کس طرح قیاس کرنا درست ہو سکتا ہے۔

ماتقول فی هذا الرجل الخ: اس سے اشارہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہوگا، لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: اشکال یہ ہے کہ ہذا سے اشارہ قریب کے لئے ہوتا ہے، اور محسوس کے لئے ہوتا ہے، پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے: کہ اس اشارہ میں چند احتمال ہیں۔

(۱)......مردہ کی قبر اور روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سے تمام حجابات دور کر کے اشارہ محسوس ہوگا۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالیہ مردہ کے سامنے پیش کی جائے گی۔

(۳)......حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور اور موجود فی الذہن کے اعتبار سے اشارہ کیا جائے گا۔

(۴)...... بہت ممکن ہے کہ بعض خواص اور خوش قسمت حضرات کی قبر میں خود بہ نفس نفیس براہ راست حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لاتے ہوں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ:

شعر

کششے کہ عشق دارد نگذاردت بدینسا

بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

بہر حال وہ فرشتے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ یہ کون ہیں؟ وہ جواب دیگا: "انہ عبداللہ ورسولہ" [کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں] اس سے کہا جائیگا کہ دیکھ اپنا ٹھکانا جہنم میں تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا ورنہ جہنم میں تیرا یہ ٹھکانا ہوتا پس جنت وجہنم کا ٹھکانہ اس کو دکھادیں گے۔

اور منافق وکافر سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو وہ کہے گا میں ان کو نہیں جانتا میں کہا تو کرتا تھا ان کو جس طرح دوسرے لوگ کہا کرتے تھے، پس اس کافر اور منافق سے کہا جائے گا: لا دریت ولا تلیت تو نے کچھ نہیں کمایا زندگی یوں ہی گذار دی۔ پھر وہ فرشتے لوہے کا گھن اس پر مارنے لگتے ہیں اور وہ بری طرح چیخنے چلانے لگتا ہے۔ اور اس کی آواز کو انسان اور جنات کے سوا دوسری تمام مخلوق سنتی ہے۔

اور ایسا دنیا میں بھی ہوتا ہے ظاہر ہے کہ بعض حیوانوں کو انسان کے مقابلہ میں زیادہ قوی حواس عطا فرمائے ہیں جیسے سور کی قوتِ سامعہ اور چیونٹی کی قوتِ شامہ انسان کے مقابلہ بہت طاقتور ہے۔

سوال وجواب

سوال: قبور کے حالات انسانوں سے کیوں مخفی رکھے گئے؟

جواب: اس لئے کہ ایمان بالغیب کی حکمت باقی رہے کیونکہ اگر انسانوں کو ان حالات کا علم دیا جاتا تو پھر ایمان بالغیب نہ رہتا دوسرے یہ کہ لوگ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیتے، تیسرے یہ کہ دنیا کے معاملات کاروبار اور معیشت کا سلسلہ منقطع ہوجاتا البتہ جانوروں اور دوسری مخلوقات کو احوالِ قبور کا علم دیا گیا کیونکہ وہ یہ احوال اوروں کو نہیں بتا سکتے اسی طرح بعض اولیاء پر بھی احوال قبور منکشف ہوجاتے ہیں۔(التعلیق الصبیح: ۱/۱۰۶، باب اثبات

عذاب القبر)

اشکال: اشکال یہ ہے کہ دو فرشتے تمام مکلفین سے کیسے کلام کرتے ہیں اور ان کی کثیر تعداد کے باوجود اور پورے عالم میں مشرق ومغرب کی مسافت کے باوجود وہ کیسے ایک ہی وقت کے اندر سوال کر لیتے ہیں اور سوال کرنے کے لئے تو ایک ہی کافی ہے دو کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: ان کے بہت سے مددگار ہیں جیسا کہ ملک الموت کے لئے، اور کہا گیا ہے کہ ان کے لئے پوری روئے زمین کھلی ہوئی ہے اور وہ تمام ان کی نظر میں ہیں جیسا کہ ملک الموت کی نظر میں ہیں نیز ان میں سے ایک مسلمانوں سے سوال کرتا ہے اور دوسرا کافروں سے اور ممکن ہے کہ دو کی حکمت یہ ہو کہ وہ دونوں گواہ کے درجہ میں ہیں یا کراماً کاتبین کے عوض اور ان کے مقابلہ میں ہوں۔(مرقاۃ: ۲۰۰/۱، باب اثبات عذاب القبر)

مسئلہ سماع موتی

مشکوۃ شریف کی اس حدیث میں ”اِنَّـہ لَیَسْمَعَ قَرْعَ نِعَالِھِمْ“ جیسے الفاظ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ قبر میں مردے سنتے ہیں، اس لئے اس مسئلہ کی مختصراً وضاحت کر دینا ضروری ہے۔

موتی کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)......انبیاء۔

(۲)......غیر انبیاء

حضرات انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں سننا اہل السنۃ والجماعت کے تمام ائمہ میں متفق علیہ مسئلہ ہے اس میں کسی معتد بہ عالم نے اختلاف نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ فتاویٰ

رشید یہ میں ایک مسئلہ میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ ''انبیاء علیہم السلام کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ ان کے سماع میں کسی کا اختلاف نہیں'' یہ حضرت گنگوہیؒ کی ذاتی رائے نہیں بلکہ حکایت اجماع ہے۔ اس پر زیادہ تفصیلی کلام باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تذکرہ کے وقت کیا جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس وقت زیر بحث حضرات انبیاء علیہم السلام کے علاوہ باقی موتی کے سماع کا مسئلہ ہے، کہ اگر ان کی قبروں کے پاس جا کر کچھ کہا جائے تو سنتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر اب تک اختلاف چلا آ رہا ہے۔ سلف اہل حق کے دونوں قول ہیں۔ بعضوں نے سماع موتی کا انکار کیا ہے، اور بعض نے اثبات کیا ہے، حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ مسئلہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہا ہے اس کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔'' حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں اسی کے قریب فرمایا۔ مقصد ان اکابر کے فرمانے کا یہ ہے کہ جس مسئلہ میں جانبین سے سلف اہل حق کا قول موجود ہو اس میں ایک طرف کا ایسا جزمی فیصلہ کرنا جس میں دوسری طرف کی تضلیل ہو درست نہیں، ایسے اختلافی مسئلہ میں زیادہ سے زیادہ ایک جانب کا رجحان ہو سکتا ہے، جزم نہیں کیا جا سکتا۔

مشہور یہ ہے کہ علماء حنفیہ سماع موتی کے قائل نہیں۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ کتاب الایمان میں یہ مسئلہ ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا۔ فلاں کے مرنے کے بعد اس سے کلام کیا تو فقہ حنفی کی کتابوں میں ہے کہ وہ حانث نہیں ہوگا اس سے بعض لوگ یہ سمجھ گئے کہ حانث اسی لئے نہیں ہوا کہ مردہ نہ سنتا ہے اور نہ کلام کرتا ہے، معلوم ہوا کہ حنفیہ سماع موتی اور کلام موتی کے قائل نہیں، حضرت شاہ صاحبؒ ملا علی قاریؒ کے ایک غیر مطبوعہ رسالہ کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں، کہ حانث نہ ہونے کی وجہ مردہ کا عدم سماع یا عدم کلام نہیں بلکہ حانث نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مردے سے بات کرنا عرف میں کلام نہیں سمجھا جاتا،

اور ایمان کا مبنیٰ عرف پر ہے، کسی کی قسم کا وہی مفہوم لیا جائے گا، جو عرف میں رائج ہے، مرنے کے بعد کی گفتگو کو چونکہ عرف عام میں کلام نہیں سمجھا جاتا اس لئے یہ کلام اس کی قسم کے خلاف نہیں، تو انکار سماع کی علماء حنفیہ کی طرف نسبت اس مسئلہ کے غلط سمجھنے کی وجہ سے ہے، ورنہ ائمہ حنفیہ میں سے کسی نے صراحتاً انکار نہیں کیا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محقق ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں نفی سماع کا عنوان قائم کیا ہے، پھر اس پر محقق نے خود ہی سوال کیا ہے کہ جب سنتے نہیں تو سلام علی القبر کا کیا معنی، اس کا جواب یہ دیا کہ مردے اس وقت سن لیتے ہیں یعنی یہ جزئیہ نفی سے مستثنیٰ ہے، پھر خود ہی سوال کیا کہ جب سنتے نہیں تو پھر "انہ لیسمع قرع نعالھم" کا کیا مطلب؟ اس کا جواب بھی استثناء کے ساتھ دیا، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**واما الشیخ ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ فجعل الاصل ھو النفی وکل موضع ثبت فیہ السماع جعلہ مستثنیٰ ومقتصرا علی المورد قلت: اذاً ماالفائدۃ فی عنوان النفی وما الفرق بین نفی السماع ثم الاستثناء فی مواضع کثیرۃ وادعاء التخصیص وبین اثبات السماع فی الجملۃ مع الاقرار بانا لاندری ضوابط اسماعھم فان الاحیاء اذا لم یسمعوا فی بعض الصور فمن ادعیٰ المطرد فی الاموات ولذا قلت بالسماع فی الجملۃ**" اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ محقق ابن ہمام نے عنوان نفی قائم کر کے پھر اس میں سے بعض مواضع کا استثناء کر کے جو بات کہنا چاہی ہے، اس کے قائل کا مقصد وہی تو ہے جو ہم کہتے ہیں، ہم سماع موتی میں طرد کے قائل نہیں کہ ہر مردہ ہر بات کو سنتا ہے اور یہ طرد تو احیا کے اندر بھی نہیں، مردوں میں کیا ہوگا، ہم جو سماع موتی کے ثبوت کے قائل ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ جو بات اللہ تعالیٰ ان کو سنانا چاہتا ہے سنا دیتا ہے، ہمیں ضابطہ اسماع کا پتہ نہیں، اسی کو سماع فی الجملہ کے ساتھ تعبیر

کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے عنوان ثبوت قائم کر کے سماع فی الجملہ کا قول اختیار کیا ہے، اور آپ نے عنوان نفی قائم کر کے بھی بعض جگہ ثبوت سماع کو تسلیم کر لیا ہے، بعض جگہ سماع کے قائل آپ بھی ہیں۔ اور ہم بھی مآل واحد ہے، پھر عنوان نفی سے کیا فرق پڑتا ہے۔

اصل محقق بات سماع فی الجملہ کا ثبوت ہے نہ کہ سماع مطرد کا، شیخ الاسلام مولانا عثمانیؒ نے بھی یہی تعبیر اختیار فرمائی ہے، مثبتین حضرات سماع موتی کے اثبات کے لئے شیخین کی اس حدیث اور بہت سی دیگر احادیث صحیحہ سے استدلال کرتے ہیں، صحیحین کی اس حدیث میں واضح ہے کہ ''انه لیسمع قرع نعالهم'' مردہ دفن کر کے جانے والوں کے جوتوں کی آہٹ کو یقیناً سنتا ہے، احادیث صحیحہ میں قبر پر سلام کرنا وارد ہے۔ اگر سنتے نہ ہوں تو یہ سلام لغو ہے، بالخصوص وہ سلام جو خطاب کے صیغہ سے ہو، حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:
''والاحادیث فی سماع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر وفی حدیث صححه الدنیا'' [اور مردوں کے سننے کے متعلق احادیث حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں اور ایک حدیث میں ہے، جس کی تصحیح ابو عمرو نے کی ہے، کہ جب کوئی شخص میت کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کا جواب دیتا اور اس کو پہچان لیتا ہے، اگر دنیا میں اس کو پہچانتا تھا۔]

صاحب فتح الملہم فرماتے ہیں کہ ''والذی تحصل لنا من النصوص والله اعلم ان سماع الموتی ثابت فی الجملة بالاحادیث الکثیرة الصحیحة'' جو حضرات نفی سماع کے قائل ہیں وہ قرآن پاک کی آیات سے استدلال کرتے ہیں، جیسا کہ سورۂ نمل میں ہے، ''انک لاتسمع الموتیٰ'' اور دوسری جگہ ہے: ''ما انت بمسمع من فی القبور'' مثبتین حضرات نے اس دلیل کے کئی جوابات دئے ہیں، ان جوابات کا منشاء احادیث کثیرہ صحیحہ اور آیات میں تطبیق دینا ہے۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ آیت میں اسماع کی نفی ہے، سماع کی نہیں،

آیت یہ کہتی ہے کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ مردوں کو سنا سکیں یہ نہیں فرمایا "لایسمع الموتیٰ" کہ مردے سنتے نہیں۔ واقعی تبدل عالم کے بعد کس میں طاقت ہے کہ اپنی بات ان کو سنا سکے یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طاقت اور قدرت سے ہو سکتا ہے، وہ اپنی قدرت سے جوتوں کی آہٹ سنا دے آنے والے کے سلام کے الفاظ سنا دے اور جواب کی توفیق دے دے، غرضیکہ آیت میں نفی اسماع ہے، نہ کہ نفی سماع، متنازع فیہ دوسرا امر ہے نہ کہ پہلا۔ صاحب فتح الملہم نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیانات سے تمسک کرتے ہوئے اس جواب کی تفصیل فرمائی ہے، ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے افعال کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ افعال ہیں جو اسباب طبعیہ کے ماتحت ہوتے ہیں، مثلاً پورے اسلحہ کے زور سے جیتنا یہ اسباب کے ماتحت ہے، ایسے افعال کے کرنے کی نسبت تو بندوں کی طرف کی جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ اس بندے نے یہ کام کیا، اور جو کام مافوق الاسباب ہو جائے اس کی نسبت بندے سے سلب کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے، مثلاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریوں کی پھینکی جو سب کافروں کی آنکھوں میں پڑی جو ان کی شکست کا سبب بنی، اس کے متعلق قرآن نے یہ طرز اختیار کیا: "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ" رمی اگرچہ حضور علیہ السلام سے ہی بظاہر صادر ہوئی لیکن اس کے آثار مافوق الاسباب تھے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی گئی۔

مردہ جب مر کر دوسرے عالم میں پہنچ گیا تو یہاں کی بات اس کو سنانا مافوق الاسباب الطبعیہ ہے، گو وہ قدرت حق سے سنتے ہیں، "کما نطقت به الاحادیث" لیکن اس کے سنانے کی آپ سے نفی کر دی گئی "انک لاتسمع الموتیٰ" ان کو سنانا آپ کے بس کا کام نہیں۔

سماع کے اقسام

سماع کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......سماع حسی یعنی حسی طور پر کان میں آواز آجانا۔

(۲)......سماع قبول اور سماع نافع، یعنی سن کر قبول کرنا ایسا سننا کہ جس پر نفع کا ترتب ہو۔

"انک لاتسمع الموتی" میں سماع حسی کی نفی نہیں سماع نافع کی نفی ہے، مطلب آیت یہ ہے کہ گو حسی طور پر تو یہ آواز کو سنتے ہیں لیکن سماع نافع نہیں ہو رہا کیونکہ قبول کرنے کی نیت ہی نہیں، اس آیت میں موتی سے مراد کفار ہیں، کلام بناء بر تشبیہ کے ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے یہ مخاطب کفار مردوں جیسے ہیں، آپ ان کو کیسے سنا سکتے ہیں، تو یہاں حقیقی مردوں کی بات نہیں بلکہ کافروں کی بات کی جارہی ہے، اس لئے متنازع فیہ مسئلہ سے اس آیت کا تعلق نہیں، اختلاف حقیقی مردوں کے سننے یا نہ سننے میں ہے، اگر اس پر یہ کہا جائے کہ یہ استعارہ بھی صحیح ہو سکتا ہے جب کہ مستعار منہ کا بھی وجود ہو، جیسے مشبہ نہیں سنتا مشبہ بہ بھی نہ سنتا ہو تو مشبہ بہ کا عدم سماع ثابت ہو گیا، جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مشبہ بہ میں بھی عدم سماع کی بات ہونی چاہئے لیکن جس قسم کا سماع مشبہ میں منفی ہے اسی قسم کے سماع کی نفی جانب مشبہ بہ میں ہونی چاہئے۔ ظاہر ہے کہ مشبہ یعنی کافر حسی طور پر یقیناً سنتے تھے، لیکن اس سے نفع نہیں اٹھاتے تھے، تو سماع حسی مشبہ میں یقیناً ثابت ہے سماع نافع اور سماع قبول، سماع ہدایت یہ منفی ہے، تو جانب مشبہ بہ میں بھی یہی بات ہونی چاہئے کہ حسی طور پر تو حقیقی مردے سنتے ہیں، البتہ سماع ہدایت نہیں کیونکہ وہ عالم تکلیف سے نکل چکے ہیں، وہاں نفع ہدایت حاصل نہیں کر سکتے تو زیادہ سے زیادہ حقیقی مردوں میں اگر سماع کی نفی کی جا سکتی ہے تو سماع نافع کی نہ کہ سماع حسی کی اس مضمون کی آیتیں جہاں بھی وارد ہیں حقیقی مردوں کی بات کرنا کسی جگہ مقصود

نہیں، ان تمام آیات کا سوق کفار کے لئے ہے کبھی ان کو مردے کہا جاتا ہے کبھی ان کو بہرے اور کہیں اندھے کہا جاتا ہے، ہر جگہ مراد ہدایت حاصل کرنے کی نفی ہے، حاصل یہ ہے کہ آیت میں سماع کی نفی مقصود نہیں، بلکہ نفی انتفاع مقصود ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ جواب جلال الدین سیوطی سے نقل فرمایا، دوسرے محققین مفسرین اکثر یہی تفسیر فرمارہے ہیں، سیوطی نے یہ جواب نظم میں پیش فرمایا ہے۔

سماع موتی کلام الخلق قاطبة

قد صح فیها لنا الآثار بالکتب

امّا النفی معناها سماع هدی

لایسمعون ولایصنعون للادب

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لغت میں سننا بمعنی عمل کرنے کے بھی آتا ہے، بکثرت کہا جاتا ہے کہ تم میری بات سنتے نہیں مراد یہ ہوتا ہے کہ اس کو مانتے نہیں اور عمل نہیں کرتے ہر زبان میں یہ محاورہ رائج ہے، اسی طرح سے یہاں سماع ماننے کے معنی میں ہے کہ یہ لوگ سنتے نہیں یعنی مانتے نہیں، اس جواب کے مطابق کلام لغت میں داخل ہوگی غرض نزول پر بحث کرنے کی حاجت نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہاں سماع کی نفی ہمارے علم اور ہمارے عالم کے اعتبار سے ہے، مردے گرچہ عالم برزخ میں سن رہے ہیں، "کما نطقت به الاحادیث" لیکن ان کا یہ سماع اس عالم میں ہے وہ خود ہمارے عالم سے نکل چکے ہیں وہ خود ہمارے عالم سے معدوم ہیں تو ان کا سماع ہمارے علم اور ہمارے اس عالم کے لحاظ سے معدوم ہے، گفتگو اس اعتبار سے ہے کہ قرآن پاک کی تعبیرات بسا اوقات مخاطبین کے علم اور مشاہدہ کے اعتبار سے ہوتی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: "وجدها تغرب فی عین حمئة" واقع کے اعتبار

سے غروب سورج چشمۂ میں نہ تھا لیکن مشاہدۂ لوگوں کو چشمے میں ڈوبتا معلوم ہوتا ہے، اس لئے یہ تعبیر اختیار فرمائی۔

اہم تنبیہ

پہلے کہا جاچکا ہے کہ اس مسئلہ میں سلف کا اختلاف رہا ہے ایک طرف کا جزم مشکل ہے اس لئے اگر کوئی دیانتداری کے ساتھ اپنے نزدیک نفی سماع کو راجح سمجھتا ہے اور اثبات سماع کے دلائل کی قواعد علمیہ کے مطابق مناسب تاویل کرتا ہے اور نفی کا قائل ہے تو اس پر طعن نہیں کیا جاسکتا اس پر طعن کرنا تجاوز عن الحدود ہے، اس لئے کہ یہ بھی سلف کا ایک مسلک ہے لیکن اگر کوئی شخص نفی سماع موتی کا اس طرح سے قائل ہے کہ اس کے ساتھ جزم والا معاملہ کرتا ہے اور مثبتین سماع پر طعن کرتا ہے ثبوت سماع کا قائل ہونے کی وجہ سے ان کو مشرک یا توحید میں ڈھیلا سمجھتا ہے تو اس کی طرف سے تجاوز عن الحدود ہوتا اور نا قابل گوارزیادتی تصور ہوگی جس پر مواخذہ کیا جاسکتا ہے، ہمارا مؤاخذہ نفی سماع کے قول پر نہیں، بلکہ اس بات پر ہے کہ جب سلف میں ایک گروہ بلکہ اکثر سلف دلائل صحیحہ کی بناء پر ثبوت سماع کے قائل ہیں یہ اس کو ضلالت کیوں قرار دیتا ہے، اسی طرح اگر غیر انبیاء سے بڑھ کر انبیاء کے سماع کی نفی کرنے لگ جائیں تو بھی قابل مؤاخذہ ہوں گے کیوں کہ یہ خلاف اجماع ہے۔

فائدہ: بعض جاہل اور بے دین ثبوت سماع پر اپنی جہالت سے غلط تفریعات بٹھاتے ہیں، مثلاً یہ کہ ان سے امداد مانگنے لگ جاتے ہیں ان کے سامنے حاجت پیش کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اولیاء ہر جگہ کی ہر بات کو سنتے ہیں ان کو حاضر ناظر تک گمان کر لیتے ہیں، یہ سب شرکیات ہیں، جو سلف اہل حق ثبوت سماع کے قائل تھے ان میں سے ان باتوں کا کوئی قائل نہ تھا نہ ہی ثبوت سماع ان باتوں کا مبنیٰ بن سکتا ہے اس لئے کہ جو حضرات ثبوت سماع

کے قائل ہیں وہ موتی میں سے صرف اولیاء کرام کے سماع کے قائل نہیں بلکہ فاسقوں اور کفار تک کے سماع کے قائل ہیں، ان کا مسلک یہ ہے کہ نیک وبد ثبوت سماع میں سب برابر ہیں، تو اگر مردے کا قبر میں سننا ان امور کی دلیل ہے تو پھر کفار اور فساق کی قبروں پر جا کر یہی امور جائز ہونے چاہئیں، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں، معلوم ہوا ثبوت سماع ان امور کے جواز کی دلیل نہیں ان امور شرکیہ کا سماع موتی سے کوئی علاقہ نہیں، ان کی تردید پر دلائل قطعیہ قائم ہیں ان سے تردید کی جائے گی، البتہ اگر کسی جگہ کے عوام ایسے ہوں کہ جب تک سماع موتی کا انکار نہ کیا جائے ان کو یہ باتیں سمجھائی نہ جاسکتی ہوں تو وہاں مصلحتاً انکار کر دینے میں کوئی مضائقہ ہمارے نزدیک بھی نہیں لیکن مصلحتاً انکار اور چیز ہے تحقیق مسئلہ اور چیز ہے یہاں گفتگو تحقیق مسئلہ میں ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ التکشف میں سماع موتی کے مسئلہ پر کلام فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ: ''البتہ عوام کا سا اعتقاد اثبات کہ اس کو حاضر ناظر متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں یہ صریح ضلالت ہے اگر اس کی اصلاح بدون انکار سماع کے نہ ہو سکے تو انکار سماع واجب ہے۔''

قبر میں جنتی، جہنمی کو اپنا اصلی ٹھکانہ دکھلایا جاتا ہے

﴿۱۲۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَامَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (متفق علیہ)

حواله: بخاری شریف ص۱۸۴/۱، باب المیت یعرض علیہ مقعدہ الخ، کتاب الجنائز حدیث نمبر ۱۳۷۹، مسلم ص۳۸۵، ج۲، باب عرض مقعد المیت، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۲۸۶۶۔

حل لغات: الغداۃ صبح، ج غداوات، العشی شام کاوقت۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اسکو صبح وشام اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہے تو جنتیوں والا ٹھکانا ہوتا ہے اگر وہ جہنمی ہے تو جہنمی والا ٹھکانا ہوتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے یہ ہے تیرا ٹھکانا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم کو اس میں بھیج دیں گے۔[۱]

تشریح: جنتی کو اپنا ٹھکانہ جنت میں دیکھنے سے بے انتہاء خوشی ہوتی ہے اور وہ تمنا کرتا ہے کہ جلد سے جلد اس میں پہونچوں اور قبر میں اس کو کوئی اور راحت بھی نہ ہو یہی راحت اس کے لئے کافی ہے، اور جہنمی کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں دیکھنے سے اتنی تکلیف ہوتی ہے جو بیان سے باہر ہے، اور جہنمی کو قبر میں اگر اس کے علاوہ کوئی اور عذاب نہ بھی ہو یہی اس کے عذاب کے لئے کافی ہے۔

پس اس حدیث سے بھی عذاب قبر کا اثبات ہوگیا کہ اس حدیث کو یہاں بیان کرنے سے یہی مقصود ہے۔

---

[۱] یوم القیامۃ: نصب کے ساتھ ہے ظرفیت کی بناء پر علامہ تورپشتی فرماتے ہیں یہ مصابیح کا لفظ ہے اور صحیح حدیثوں کے اندر ربعثک اللہ الی یوم القیامۃ مروی ہے از بار میں ہے کہ قیامت سے مراد یہاں نفخہ اولیٰ ہے نہ کہ اخریٰ اس لئے کہ دونوں نفخوں کے درمیان کوئی معذب نہیں ہوگا نہ مسلمان نہ کافر۔ ملاعلی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے اس لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ھذا مقعدک مطلق ہے جو عذاب وراحت کو شامل ہے۔ (مرقاۃ: ۱/۲۰۱، باب اثبات عذاب القبر)

عذاب قبر سے پناہ مانگنی چاہئے

﴿۱۲۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ يَهُوْدِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَ لَهَا اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ "نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ" قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا فَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلّٰى صَلَاةً اِلَّا تَعَوَّذَ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف ص ۱۸۳/ ج ۱، باب ماجاء فی عذاب القبر، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۳۷۲، مسلم ۲۱۷/ ج ۱، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۵۸۲۔

حل لغات: اعاذ باللہ افعال سے اللہ کی پناہ میں دینا، تعوذ به تفعل سے پناہ میں آنا۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ عورت ان کے پاس آئی اور ان سے بولی ''اللہ تم کو قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبر کے عذاب کے بارے میں دریافت کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں قبر کا عذاب ایک حقیقت ہے'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس کے بعد میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز پڑھی ہو اور

قبر کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ مانگی ہو۔ (بخاری ومسلم)

تشــریح: ایک یہودیہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، اور اس نے عذاب قبر کا ذکر کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس سے قبل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب قبر کے بارے میں کوئی مضمون نہیں سنا تھا اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمادی کہ ہاں عذابِ قبر حق ہے اس کے بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا معمول بنالیا کہ ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے تھے۔ اور عذابِ قبر ایسا ہی ہے جیسے پولس کسی شخص کو گرفتار کرے اور اس کو جیل بھیجنے سے پہلے تھانے وغیرہ میں رکھے جو اس کی آزادی اور قید کے بین بین ایک ٹھکانہ ہے اسی طرح قبر بھی دنیا اور آخرت دونوں کے درمیان درمیان ہے۔

فوائد

فائدہ اول: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ کوئی نئی چیز سامنے آئے تو اپنے بڑوں سے اس کی تحقیق کرنا چاہئے، اور بلا تحقیق عمل درآمد نہیں کرنا چاہئے۔

فائدہ دوم: حدیث پاک سے عذاب قبر کا حق ہونا بھی معلوم ہوگیا، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ چاہنا امت کی تعلیم کے لئے تھا۔ معلوم ہوا کہ ہر امتی کو عذاب قبر سے پناہ چاہنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

فــائـدہ سوم: تیسری بات حدیث پاک سے یہ معلوم ہوئی کہ حق بات کوئی بھی بیان کرے خواہ دشمن بیان کرے خواہ کافر بیان کرے، حق بات کو قبول کرنا چاہئے۔ فقط

ایضاً

﴿١٢٢﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَائِطٍ لِبَنِي النَّجَّارِ عَلٰى بَغْلَةٍ لَهٗ وَنَحْنُ مَعَهٗ اِذْ حَادَتْ بِهٖ فَكَادَتْ تُلْقِيْهِ وَاِذَا اَقْبُرٌ سِتَّةٌ اَوْ خَمْسَةٌ فَقَالَ مَنْ يَعْرِفُ اَصْحَابَ هٰذِهِ الْاَقْبُرِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ فَمَتٰى مَاتُوْا قَالَ فِي الشِّرْكِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا فَلَوْ لَا اَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ اَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف ص ٣٨٦ / ج ٢، باب عرض مقعد المیت، کتاب صفة الجنة الخ، حدیث نمبر ٢٨٦٧۔ مسلم شریف ص ٣٨٦ / ج ٢، باب عرض مقعد المیت، کتاب الجنت الخ، حدیث نمبر ٢٨٦٧۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار بنونجار کے باغ سے گزر رہے تھے ہم کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اچانک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خچر بدک گیا اور قریب تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گرا دے اسی

وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پانچ چھے قبریں دکھائی دیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ہے جوان قبر والوں کو جانتا ہو؟ ایک آدمی نے کہا کہ میں جانتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ کب مرے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ یہ لوگ شرک کی حالت میں مرے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جارہے ہیں، اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم لوگ دفن کرنا ترک کردو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ جو آواز میں سن رہا ہوں وہ آواز تم بھی سنو۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چہرا ہماری طرف پھیر کر کہا کہ جہنم کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں جہنم کے عذاب سے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں قبر کے عذاب سے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ظاہری و باطنی فتنہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں ظاہری و باطنی فتنہ سے، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال کے فتنہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا: کہ ہم دجال کے فتنہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

تشریح: فکادت تلقیہ: خچر کا بدکنا اس لئے ہوا کہ اس نے عذاب قبر کو سنا کیونکہ انسان و جن کے علاوہ تمام مخلوق عذاب قبر کو سنتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو عام انسانوں کی طرح آنکھ اور کان رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بصارت وسماعت دوسرے انسانوں سے بہت زیادہ عطا ہوئی ہے، جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے بھی آگے کی جو چیزیں اور عالم غیب کی جو باتیں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سنانا اور دکھانا چاہتا ہے اس کو سن لیتے اور دیکھ لیتے ہیں، اور

ان چیزوں کو ظاہری آنکھوں، اور ظاہری کانوں سے دیکھنے اور سننے کا تحمل بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عذاب قبر کو سنا۔

فلولا ان لاتدافنوا: میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تم کو عذاب قبر سنائے اور دکھائے اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم عذاب قبر کی وجہ سے اپنے مردوں کو دفنانا چھوڑ دوگے۔ تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تم کو بھی عذاب قبر سنا دے اور دکھا دے لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اگر تم نے عذاب قبر کو سن لیا یا دیکھ لیا تو گھبراہٹ کی وجہ سے آئندہ اپنے مردوں کو دفن کرنا ہی چھوڑ دوگے، اس اندیشہ کی وجہ سے دعا نہیں کرتا۔ (مرقاۃ: ۱/۲۰۲، باب اثبات عذاب القبر)

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوگیا کہ جس طرح عذاب نار حق ہے اسی طرح عذاب قبر بھی حق ہے اور جس طرح عذاب نار سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہنا چاہئے اسی طرح عذاب قبر سے بھی پناہ چاہنا چاہئے اور اسی طرح تمام ظاہری باطنی فتنوں اور دجال کے فتنہ سے بھی پناہ چاہتے رہنا چاہئے۔ فقط

﴿الفصل الثانی﴾

قبر میں منکر نکیر کی آمد اور قبر کی کشادگی وتنگی

﴿۱۲۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقْبِرَ الْمَیِّتُ اَتَاهُ مَلَكَانِ اَسْوَدَانِ اَزْرَقَانِ یُقَالُ

لِاَحَدِهِمَا اَلْمُنْكَرُ وَلِلْاٰخَرِ اَلنَّكِيْرُ فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَاِنْ كَانَ مُؤْمِنًا فَيَقُوْلُ هُوَ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ هٰذَا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِيْ سَبْعِيْنَ ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهٗ فِيْهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهٗ نَمْ فَيَقُوْلُ اَرْجِعُ اِلٰى اَهْلِيْ فَاُخْبِرُهُمْ فَيَقُوْلَانِ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِيْ لَا يُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَيْهِ حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذَالِكَ وَاِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُ مِثْلَهٗ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ ذَالِكَ فَيُقَالُ لِلْاَرْضِ اِلْتَئِمِيْ عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ فَلَا يَزَالُ فِيْهَا مُعَذَّبًا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذَالِكَ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف ص ۲۰۵ ر ج ۱، باب ماجاء فی عذاب القبر، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۰۷۱۔

حل لغات: ازرقان تثنیہ ہے واحد ازرق جمع زُرْق، نیلا، یفسح (ف) کشادگی کرنا۔ ینور، تفعیل سے روشن ہونا۔ یوقظہ افعال سے بیدار کرنا، التئمی امر حاضر، اِلْتَئَمَ الشیئُ افتعال سے ملنا، سمٹنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مردہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اس کے پاس دو نیلی آنکھوں والے کالے فرشتے آتے ہیں، جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے، وہ دونوں سوال کرتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے تھے، مردہ اگر مؤمن ہے تو وہ کہتا ہے، کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اسکے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور بلاشبہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے

رسول ہیں، وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ ہم جانتے تھے کہ تم یہی بات کہو گے، پھر اس کی قبر لمبائی اور چوڑائی میں ستر ستر گز کشادہ کردی جاتی ہے، اور قبر میں اس کے لئے روشنی کردی جاتی ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ سو جا، وہ مردہ کہتا ہے میں اپنے گھر والوں کے پاس واپس چلا جاؤں اور ان کو اس سے باخبر کردوں، فرشتے کہتے ہیں کہ تو اس دلہن کی طرح سو جا جس کو وہی شخص بیدار کرتا ہے جو اس کو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اس کا سونا اس وقت تک ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی خواب گاہ سے اٹھائیں گے۔ اور مردہ اگر منافق ہے تو یوں جواب دیتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں جو بات دوسروں سے میں سنا کرتا تھا وہی میں بھی کہتا تھا، میں اور کچھ نہیں جانتا، فرشتے کہتے ہیں ہم جانتے تھے کہ تو یہی کہے گا، اس کے بعد زمین کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ مردہ کے اوپر سمٹ جائے، چنانچہ زمین اس طرح سمٹ جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ اس کو اس طرح برابر عذاب دیا جاتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس جگہ سے اٹھالیں۔

تشـــریح: منکر ونکیر ان دونوں کے لفظی معنیٰ ہیں اجنبی ناآشنا، غیر مانوس، ان دونوں فرشتوں کو منکر اور نکیر اس لئے کہا جاتا ہے کہ مردہ ان دونوں کو نہیں پہچانتا نہ ان کی صورت اس نے کبھی دیکھی ہوگی۔ "**اسـودان ازرقـان**" کیری آنکھ والا اس آنکھ کو کہتے ہیں جس کی پتلی نیلی ہو اہل عرب ایسی آنکھوں کو بہت برا سمجھتے تھے ان آنکھوں سے مراد ان فرشتوں کا نہایت ہی ہولناک اور دہشت انگیز شکل وصورت کے اندر آنا ہے۔

ثـم یـفـسـح لـہ فـی قـبره: یعنی قبر کو ستر ہاتھ کشادہ کردیا جائے گا اس سے کثرت کو بتلانا مقصود ہے لیکن بعض روایات میں آتا ہے جہاں تک اس کی نگاہ جائے گی قبر کو کھول دیا جائے گا ان روایات کا مختلف ہونا لوگوں کے اعمال و درجات میں احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔ (**مرقات ص ۲۰۴/۱، التعلیق الصبیح ص ۱۱۰/۱**)

نـم کنومۃ العروس: شب عروسی کے دولہا کی نیند سے مردہ کی نیند کو اس وجہ سے تشبیہ دی ہے کہ اس کو اس کے متعلقین میں سے وہی جگاتا ہے جو اس کو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اسی طرح اس مردہ کو اللہ تعالیٰ ہی بیدار کریں گے کیونکہ وہی اس کے لئے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوگیا کہ مومن بندہ کے لئے قبر کشادہ کردی جائے گی، اور اس کو میٹھی نیند سلادیا جائے گا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مومن بندہ کو اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

دوم: حدیث پاک سے فاسق کو قبر میں عذاب دیا جانا بھی معلوم ہوگیا۔ عذاب قبر بیان کرنے کے لئے ہی حدیث پاک کو یہاں ذکر کیا ہے۔ اعاذنا اللہ. فقط

قبر میں مومن کا اکرام اور کافر کو عذاب

﴿۱۲۴﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَأْتِیْہِ مَلَکَانِ فَیُجْلِسَانِہٖ، فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَنْ رَّبُّکَ فَیَقُوْلُ رَبِّیَ اللّٰہُ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَادِیْنُکَ فَیَقُوْلُ دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَا ھٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ فَیَقُوْلُ ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ وَمَا یُدْرِیْکَ فَیَقُوْلُ قَرَأْتُ کِتَابَ اللّٰہِ فَاٰمَنْتُ بِہٖ وَصَدَّقْتُ فَذَالِکَ قَوْلُہٗ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ اَلْاٰیَۃَ قَالَ فَیُنَادِیْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِیْ فَاَفْرِشُوْہُ مِنَ الْجَنَّۃِ وَاَلْبِسُوْہُ مِنَ الْجَنَّۃِ وَافْتَحُوْا لَہٗ بَابًا اِلَی الْجَنَّۃِ فَیُفْتَحُ لَہٗ قَالَ فَیَاْتِیْہِ مِنْ رَوْحِھَا وَطِیْبِھَا وَیُفْسَحُ لَہٗ فِیْھَا مَدَّ بَصَرِہٖ وَاَمَّا الْکَافِرُ فَذَکَرَ مَوْتَہٗ قَالَ وَیُعَادُ رُوْحُہٗ فِیْ جَسَدِہٖ وَیَاْتِیْہِ مَلَکَانِ فَیُجْلِسَانِہٖ فَیَقُوْلَانِ مَنْ رَّبُّکَ فَیَقُوْلُ ھَاہْ ھَاہْ لَا اَدْرِیْ

فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَادِيْنُكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِیْ فَيَقُوْلَانِ مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِیْ فَيُنَادِیْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ كَذَبَ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَی النَّارِ قَالَ فَيَاْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا قَالَ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰی تَخْتَلِفَ فِيْهِ اَضْلَاعُهٗ ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهٗ اَعْمٰی اَصَمُّ مَعَهٗ مِرْزَبَةٌ مِنْ حَدِيْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِهَا ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ يُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف ص ۶۵۴ ج ۲، باب المسئلة فی القبر، کتاب السنة، حدیث نمبر ۴۷۵۳، مسند احمد ص ۲۸۷ ج ۴۔

حل لغات: افرشوہ امر حاضر افعال سے بستر بچھانا، البسوہ افعال سے لباس پہنانا، بعث احداً حداً (ف) بھیجنا، قیض اللہ لہ کذا تفعیل سے اللہ تعالیٰ کا کسی کے لئے کوئی چیز مقدر فرمانا، اعمی نابینا، اصم بہرا۔

ترجمہ: حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بٹھا کر سوال کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ مردہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر دونوں کہتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے؟ مردہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، پھر دونوں کہتے ہیں کہ یہ شخص جو تمہارے درمیان بھیجا گیا کون ہے؟ مردہ کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ یہ بات تم کو کس نے بتائی؟ مردہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی، اس پر ایمان لایا، اور اس کی تصدیق کی، یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت

السـ ــخ" سے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، اس کے لئے جنت کا بستر بچھادو، اس کو جنت کا لباس پہنادو اور اس کے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو چنانچہ اس کے لئے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس دروازے سے جنت کی ہوائیں اور اس کی خشبوئیں آتی ہیں اور اس کی قبر میں تا حد نظر وسعت کردی جاتی ہے۔ اور بہر حال کافر تو اس کی موت کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں پھر اس کو بٹھا کر اس سے سوال کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ کافر کہتا ہے ہائے ہائے میں تو نہیں جانتا، پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ کافر مردہ جواب دیتا ہے ہائے ہائے میں تو نہیں جانتا، پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ یہ شخص جو تمہارے درمیان بھیجا گیا ہے کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ ہائے ہائے میں تو نہیں جانتا، اس کے بعد آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے کہ اس نے جھوٹ کہا اس کے لئے جہنم کا بستر بچھادو اس کو جہنم کا لباس پہنادو اور اس کے لئے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کے اس دروازہ سے گرم ہوائیں اور جہنم کی بدبو آتی ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس کی قبر کو تنگ کردیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، پھر اس کے اوپر ایک اندھا بہرا فرشتہ مقرر کردیا جاتا ہے اس کے پاس لوہے کا ایک ہتھوڑا ہوتا ہے اگر پہاڑ کو اس سے مارا جائے تو پہاڑ مٹی ہو جائے، چنانچہ اس کافر کو فرشتہ اس ہتھوڑے سے مارتا ہے وہ کافر اس قدر زور زور سے چیختا ہے کہ اس کی آواز مشرق و مغرب کے درمیان سوائے جنات اور انسانوں کے ہر کوئی سنتا ہے وہ کافر مٹی کا ڈھیر ہو جاتا ہے، پھر اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے۔

تشریح: ان صدق عبدی: آدمی جب قبر کے سوال وجواب میں کامیاب ہوجائے گا تو اس مومن بندے کو پکارنے والا یہ فرمان سناتا ہے کہ یہ میرا سچا بندہ ہے اس کو سچا بندہ کہنا اور اللہ تعالیٰ کا اپنی طرف منسوب کرنا اس کے اکرام کے لئے ہوتا ہے کیونکہ وہ دنیا میں اعتقاد پر رہا تو یہ اکرام کا مستحق ہے۔ **فیقول هاه هاه: هاه هاه** عربی میں کلمہ تحیر ہے عرب میں یہ الفاظ اس شخص کی زبان سے نکلتا ہے جو خوف ودہشت کے مارے اپنے ہوش وحواس پر قابو نہیں رکھ پاتا کیونکہ عالم برزخ میں بھی منکر ونکیر کے سوال وجواب کے وقت کافر ایسا خوف زدہ ہوتا ہے کہ ہوش وحواس باقی نہیں رہ پاتے اور وہ ہاہ ہاہ جیسے الفاظ نکالنے لگتا ہے۔ **ثم تقیض له اعمی واصم** کافر پر اندھا اور بہرہ فرشتہ اس لئے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کو عذاب کی شدت اور تکلیف دیکھ کر یا چیخنے اور چلانے کو سن کر رحم نہ آجائے۔

ثم یعاد فیہ الروح: کافر کو جب عذاب دیا جائے گا تو اس کی روح بدن سے نکل جائے گی پھر دوبارہ اس کی روح کو اس کے بدن میں لوٹایا جائے گا اور یہ شدت عذاب کی وجہ سے ہوگا اور اس کو اس بات کو بتلانے کے لئے ہوگا کہ تو بعثت کا انکار کرتا تھا اب دیکھ لے اور مزہ چکھ جس کا تو انکار کرتا تھا۔ (**التعلیق الصبیح ص ۲۰۶-۲۰۷/۱**)

فائدہ: حدیث پاک سے مومن بندہ کے لئے قبر میں جنت کے فرش بچھائے جانے اور جنت کا دروازہ کھلنے اور اس سے جنت کی ہواؤں کا آنا معلوم ہوگیا اسی طرح کافر کے لئے جہنم کا دروازہ کھلنے اور جہنم کی لپٹوں کا آنا اور اس کو سخت عذاب دیا جانا معلوم ہوگیا، **اعاذنا الله منه.** اس کو بیان کرنے کے لئے حدیث پاک کو یہاں لائے ہیں۔ فقط

حدیث پاک قبر میں مردہ سے سوال وجواب اور ثواب وعذاب کے سلسلہ میں بہت واضح ہے اس کی وضاحت اور تفصیل اور اس پر اعتراضات اور ان کے جوابات فصل اول میں تفصیل سے گذر چکے ہیں۔

قبر آخرت کی پہلی منزل ہے

﴿۱۲۵﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰی قَبْرٍ بَکٰی حَتّٰی یَبُلَّ لِحْیَتَہٗ فَقِیْلَ لَہٗ تَذْکُرُ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْکِیْ وَتَبْکِیْ مِنْ ھٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَۃِ فَاِنْ نَجَا مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَیْسَرُ مِنْہُ وَاِنْ لَمْ یَنْجُ مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَشَدُّ مِنْہُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَارَاَیْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْہُ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ وقال الترمذی ھذا حدیث غریب)

حوالہ: ترمذی ص۵۷/ج۲، باب ماجاء فی ذکر الموت، ابواب الزھد، حدیث نمبر ۲۳۰۸، ابن ماجہ ص۳۲۴/باب ذکر القبر والبلی، ابواب الزھد، حدیث نمبر ۴۲۶۷۔

حل لغات: افظع اسم تفضیل فَظِعَ (س)فظعاً بھیانک،ہولناک۔

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ان کی ڈاڑھی تر ہوجاتی ان سے کسی نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ جنت وجہنم کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن روتے نہیں ہیں مگر یہاں کھڑے ہوکر رونے لگتے ہیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، جو شخص اس سے نجات پا گیا بعد کے مراحل اس کے لئے آسان ہیں، اور جو شخص اس سے نجات نہ پاسکا بعد کے مراحل اس کے لئے اور دشوار ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا میں نے قبر سے بھیانک کوئی منظر نہیں دیکھا۔(الترمذی ابن ماجہ) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: وتبکی من ھذا: اس جگہ پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور انکو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی پھر بھی عذاب قبر کے خوف سے روتے تھے جواب یہ ہے کہ ان کے اس رونے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔

(۱)......ایک وجہ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جوان کو جنت کی بشارت دی تھی وہ ان کی غیر موجوگی میں دی تھی جوان تک نہیں پہنچ سکی۔

(۲)......دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ان کو جنت کی بشارت پہنچ بھی گئی لیکن پختہ طریقہ سے نہیں پہونچی۔

(۳)......یا اس وجہ سے روتے تھے کہ یہ بات جان لی جائے کہ اتنا جلیل القدر صحابی کہ جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہو وہ اس قدر عذاب قبر کے خوف سے روتے تھے تو عام آدمی کو بدرجۂ اولی عذاب قبر کے خوف سے رونا چاہئے۔

(۴)......اور یہ بھی ممکن ہے کہ قبر کے دبوچنے کے خوف سے روتے تھے۔

(۵)...... یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رونا مؤمنین کے لئے رحمت ہو۔

ما رأیت منظرا قط: قبر وہ جگہ ہے جہاں کھڑے ہوکر اس دنیائے فانی کا منظر صحیح معنی میں سامنے آجاتا ہے اور وہ انسان کو آگاہ کرتی ہے کہ ایک نہ ایک دن تمہیں بھی میری جیسی قبر کے آغوش میں آنا ہے اگر چاہتے ہو کہ وہ آغوش تمہارے لئے آخرت کی راحتوں اور جنت کی نعمتوں کے ساتھ ایک پرسکون خواب گاہ بن جائے تو کبھی اس دنیائے فانی

میں دل نہ لگانا اور آخرت سے ذرا بھی غفلت اختیار نہ کرنا ورنہ تمہارا انجام بڑا سخت ہوگا۔ (مرقات ص ۱۰۸ /۱)

میت کے لئے استغفار

﴿۱۲۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهُ بِالتَّثْبِيْتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ۔ (رواہ ابوداود)

حوالہ: ابوداؤد شریف ص ۴۵۹/ج ۲، باب الاستغفار عند القبر، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۳۲۲۱۔

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مردہ کو دفن کر کے فارغ ہو جاتے تو اس کے پاس کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت طلب کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو کیوں کہ اس وقت اس سے باز پرس ہو رہی ہے۔

تشریح: ثم سلوا له بالتثبيت: اس سے مراد یہ ہے کہ تم یہ دعا پڑھو۔ "ثبت الله بالقول الثابت" چنانچہ مردے کو دفن کرنے کے بعد یہ دعا میت کے سرہانے میں کھڑے ہو کر پڑھنا اکثر شوافع اور بعض احناف کے نزدیک مستحب ہے۔ یافلان بن فلان اذكر العهد الذى خرجت عليه من الدنيا شهادة ان لا اله الاالله وحده لاشريک له الخ.

چنانچہ اس دعا کے متعلق ایک حدیث بھی ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اگرچہ وہ

اسناد کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے۔ لیکن دوسری احادیث کی شہادت کی بنا پر اہل شام اس پر زمانہ قدیم سے عمل کرتے آرہے ہیں۔ هذا کانه ماقال النووی سنن بیہقی میں ہے سورۃ بقرہ کے شروع سے اولئک هم المفلحون تک پائینتی، امن الرسول سے آخر سورہ تک سرہانے پڑھنا وارد ہوا ہے۔ (التعلیق الصبیح: ۲ / ۱۱۲ / ۱)

قبر میں کافر میت پر ننانوے اژدہے

﴿۱۲۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیُسَلَّطُ عَلَی الْکَافِرِ فِیْ قَبْرِهٖ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ تِنِّیْنًا تَنْهَسُهٗ وَتَلْدَغُهٗ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ لَوْ اَنَّ تِنِّیْنًا مِنْهَا نَفَخَ فِی الْاَرْضِ مَا اَنْبَتَتْ خَضِرًا۔ رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ نَحْوَهٗ قَالَ سَبْعُوْنَ بَدَلَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ۔

حوالہ: دارمی: ۲/۴۲۶، باب فی شدة عذاب النار، کتاب الرقائق، حدیث نمبر: ۲۸۱۵، ترمذی شریف: ۲/۲۶، باب کتاب صفة القیامة، حدیث نمبر: ۲۴۶۰۔

حل لغات: التنین اژدہا، تلدغ لدغ (ف) لدغاً ڈسنا، نفخ (ن) نفخاً پھونک مارنا۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’کافر پر اس کی قبر میں ننانوے اژدہے مسلط کردئے جاتے ہیں، وہ اژدہے قیامت تک اس کو کاٹتے اور ڈستے رہیں گے، اگر ان میں سے ایک اژدہا زمین پر پھنکار ماردے تو زمین پر کوئی سبزہ نہیں اگے گا۔ (دارمی) ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت

نقل کی ہے؛ لیکن اس میں ننانوے کے بجائے ستر کا عدد ہے۔

تشریح: یسلط علی الکافر: روایت میں آیا ہے کہ ننانوے اژدھے مردہ پر مسلط کردئے جائیں گے آخر ننانوے کا ذکر کیوں آیا ہے۔

کافر پر ننانوے اژدہے مسلط ہونے کی وجہ

اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ ہیں تو کافر کو ہر ایک پر ایمان لانا چاہئے تھا لیکن کافر نے جب ہر ایک کا انکار کردیا تو ہر ایک کے مقابلہ میں ایک ایک اژدہا اس پر مسلط کردیا جائے گا نیز یہ بھی احتمال ہے جیسا کہ طیبیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک سو رحمت پیدا کی ہیں اس میں سے صرف ایک رحمت کو دنیا میں بھیجا جن سے دنیا میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ننانوے رحمت آخرت کے لئے جمع کر رکھی ہیں اور کافر نے جب اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے مطابق کام نہیں کیا تو آخرت کے لئے جو ننانوے رحمت ہیں ہر ایک رحمت کے بدلے میں ایک ایک سانپ اس کو ڈستا رہے گا۔

رفع تعارض

الترمذی سبعون: یہاں روایت میں بھی تعارض ہوگیا اس میں ننانوے کا ذکر ہے جب کہ ترمذی کی روایت میں ستر کا ذکر ہے ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے جیسا امام غزالی سے منقول ہے کہ اخلاق ذمیمہ مفصلاً ننانوے ہیں اور اجمالاً ستر ہیں اس لئے دو عدد لائے یا دونوں سے بیان کثرت مراد ہے۔(التعلیق الصبیح، مرقات)

﴿الفصل الثالث﴾

تسبیح کی برکت سے قبر میں کشادگی

﴿۱۲۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حِيْنَ تُوُفِّيَ فَلَمَّا صَلّٰى عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ، سَبَّحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيْلًا ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيْلَ يَارَسُولَ اللّٰهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ قَالَ لَقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ۔ (رواه احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۳/۳۶۰۔

حل لغات: سوی تفعیل سے تسویۃ برابر کرنا ،تضایق تفاعل سے تنگ ہونا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو ہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز جنازہ کے لئے نکلے، جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ ادا کر چکے، اوران کے جنازہ کو قبر میں رکھ کر مٹی برابر کردی گئی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح پڑھی، ہم بھی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے، پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر پڑھی تو ہم نے تکبیر کہی، کسی نے پوچھا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تسبیح کیوں پڑھی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دراصل اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو کشادہ کردیا۔

تشریح: سبح رسول اللّٰہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر تسبیح پڑھی اس لئے کہ تسبیح وتکبیر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا غصہ دور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا غضب رحمت میں بدل جاتا ہے اس لئے علماء نے لکھا ہے کسی ہولناک اور دہشت انگیز چیز کو دیکھ کر اللہ اکبر کہنا مستحب ہے۔(مرقاۃ ص ۲۱۰/۱)

فائدہ: قبر کا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تنگ ہو جانا دراصل یہ قبر کا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شدت اشتیاق وشدت محبت میں دبو چنا تھا، جس طرح ایک دوست دوسرے دوست کو جب طویل مدت اور فراق کے بعد ملاقات ہو تو وہ اس سے معانقہ کرتا ہے اور اس کو بہت شدت سے دبو چتا ہے، کہ اس دبو چنے میں لذت بھی بہت ہوتی ہے، مگر ساتھ ساتھ تکلیف بھی ہوتی ہے اسی تکلیف کے دفعیہ کے لئے تسبیح وتکبیر کہی گئی۔ فقط

مومن بندہ کو قبر کا دبو چنا

﴿۱۲۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الَّذِيْ تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَهُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَهِدَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفاً مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثُمَّ فُرِّجَ عَنْهُ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: نسائی باب ضمۃ القبر وضغطتہ، حدیث نمبر: ۲۰۵۴۔

حل لغات: ضم (ن) ضماً ملنا، فرج (ض) کھل جانا کشادہ ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جس کی موت پر عرش ہلا، اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے، اور اس کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے، لیکن قبر نے اس کو ایک

باردبوچا، پھراس سے نجات پاگیا۔

تشــریح: اس حدیث پاک سے یہ بتانا مقصود ہے جب اتنے بڑے جلیل القدر صحابی اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندہ کو تھوڑی دیر قبر کے دبوچنے اور بھینچنے کا سامنا کرنا پڑا جن کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے جن کی روح کی آمد پر عرش والوں نے خوشی کا اظہار کیا تو عام آدمی کو بدرجۂ اولیٰ عذاب قبر سے ڈرنا چاہئے اس لئے ہم سب کے لئے ضروری ہے کہ عذاب قبر سے ہمیشہ پناہ مانگتے رہیں انشاء اللہ اللہ تعالیٰ عذاب قبر سے محفوظ فرمائیں گے۔

(التعلیق الصبیح، ومرقات المفاتیح ص ۲۱۱/۱)

فــائدہ: عرش کا حرکت کرنا خوشی میں جھومنا مراد ہے، اور آسمانوں کے دروازوں کا کھلنا اور جنازہ میں ستر ہزار فرشتوں کی شرکت ان کے اعزاز واکرم کے لئے ہے، اور قبر کا دبوچنا شدت شوق ومحبت میں دبوچنا ہے، جیسا کہ پہلی حدیث کے ذیل میں گذرا۔ فــــلا اشکال.

فــائدہ دوم: معلوم ہوا کہ بعض اللہ تعالیٰ کے ایسے برگزیدہ اور نیک بندے بھی ہوتے ہیں، جن کی آمد پر عرش اور عرش والے بھی خوشی مناتے ہیں اور آسمانوں پر اس کا اعزاز واکرام کیا جاتا ہے، پس مومن بندہ کے لئے چاہئے کہ نیک اعمال کی پوری پوری کوشش کرے۔ فقط

فتنہ قبر

﴿۱۳۰﴾ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْباً فَذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِیْ يُفْتَنُ فِيْهَا الْمَرْءُ

فَلَمَّا ذَكَرَ ذٰلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّةً رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ هٰكَذَا وَرَوَاهُ النَّسَائِى حَالَتْ بَيْنِىْ وَبَيْنَ اَنْ اَفْهَمَ كَلَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَكَتَتْ ضَجَّتُهُمْ قُلْتُ لِرَجُلٍ قَرِيْبٍ مِنِّى اَىْ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ مَاذَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ آخِرِ قَوْلِهٖ قَالَ قَالَ قَدْ اُوْحِىَ اِلَىَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِى الْقُبُوْرِ قَرِيْباً مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔

حوالہ: بخاری:۱۸۳/۱،باب ماجاء فی عذاب القبر، کتاب الجنائز، حدیث نمبر:۱۳۷۳،نسائی شریف باب التعوذ من عذاب القبر، کتاب الجنائز، حدیث نمبر:۲۰۶۱۔

حل لغات: ضَجَّ ضَجًّا چیخنا،سکنت سکنَ (ن)سکوناً ٹھہرنا،تفتنون، فتن (ض)فتناً وفتنۃً آزمائش میں ڈالنا۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، اور قبر کے فتنہ کا ذکر کیا جس میں انسان آزمایا جائے گا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو مسلمان خوب زور زور سے چیخنے لگے، بخاری نے اتنی روایت نقل کی ہے،نسائی نے اضافہ کیا ہے، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ یہ چیخ و پکار میرے اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے سمجھنے میں حائل ہوگئی، (یعنی آپ کے فرمان سمجھنے سے مانع بن گئی) میں نے اپنے ایک قریبی شخص سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے علم میں برکت فرمائے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آخیر میں کیا بات فرمائی تھی؟ اس شخص نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس وحی آئی کہ قبر میں تم لوگ دجال کے فتنے کے قریب قریب فتنے سے دوچار کئے جاؤ گے۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ خوف ووہشت کے اعتبار سے قبر کے فتنہ کو دجال کے فتنہ سے کچھ کم نہ سمجھو لہٰذا جس طرح دجال کے فتنہ سے پناہ مانگی جاتی ہے اسی طرح قبر کی ہولناک اور اس کی آزمائش سے بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہتے رہو طیبی فرماتے ہیں فتنہ سے مراد قریبی فتنہ ہے یعنی بہت بڑا فتنہ اس لئے کہ دجال کے فتنہ سے کوئی بڑا فتنہ نہ ہوگا۔(مرقات، التعلیق، مظاهر حق)

فائدہ: حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ قبر کے فتنہ کے ذکر سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کس طرح روتے چلاتے تھے، پس مسلمانوں کو فتنہ قبر سے کتنا ڈرنا چاہئے ،اور اس کے لئے کتنی تیاری کرنا چاہئے۔

مؤمن کو قبر میں بھی نماز کا خیال رہے گا

﴿۱۳۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا اُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَيَجْلِسُ يَمْسَحُ عَيْنَيْهِ وَيَقُوْلُ دَعُوْنِيْ اُصَلِّيْ۔ (رواه ابن ماجه)

حوالہ: ابن ماجه: ۳۲۶، باب ذكر القبر والبلى، ابواب الزهد، حدیث نمبر: ۴۲۷۲۔

حل لغات: مَثَّل الشيء بفلان (تفعيل) کسی کے لئے کوئی نقشہ کھینچنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب مردہ کو قبر میں دفن کردیا جاتا ہے تو اس کو ایسا لگتا ہے کہ سورج غروب ہورہا ہے؛ چنانچہ وہ اپنی آنکھیں ملتا ہوا

اٹھ بیٹھتا ہے، اور کہتا ہے مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھ لوں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں اس مؤمن بندہ کی شان کو بیان کیا ہے جو اس دنیائے فانی میں ایمان واسلام پر مضبوطی سے قائم رہتا ہے احکام شریعت اور دین کے فرائض سے کبھی بھی غافل نہیں رہتا اور نماز کو پابندی سے ادا کرتا ہے ایسا صاحب ایمان جب اس دنیا سے چلا جاتا ہے سب سے پہلے جو چیز اس کو یاد آتی ہے وہ ہے نماز، فرشتوں کے سوال وجواب سے پہلے یا بعد میں ان سے کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو تا کہ میں عصر کی نماز ادا کرلوں کیا تم دیکھتے نہیں سورج ڈوبنے کو جارہا ہے دراصل اس وقت اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سماں پیش کیا جاتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسا کہ دن کا بالکل آخری حصہ ہو وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں دنیا میں ہوں اس لئے اس کا سب سے پہلے یہ کلام ہوتا ہے کہ مجھے نماز پڑھنی ہے۔

قبر میں اتارنے کے بعد خاص طور سے غروب آفتاب سے ذرا پہلے کا سماں جو اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے دراصل یہی وقت اس کی حالت مسافرت کے ساتھ زیادہ موزونیت رکھتا ہے۔(مرقات، التعلیق)

فائدہ: مومن بندہ چونکہ دنیا میں ہر وقت نماز کی فکر کرتا ہے، بالخصوص جب کہ کسی نماز کا وقت تنگ ہورہا ہو پس یہی فکر اس کو قبر میں بھی ہوگی، جس سے اس کا نمازی ہونا اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار ہونا فرشتوں کو بھی معلوم ہو جائے گا اور یہ اس بندہ مومن کے لئے زیادتی اعزاز واکرام کا ذریعہ بنے گا، پس مومن بندہ کو اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت اور کامل فرمانبرداری بالخصوص نمازوں کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔

قبر میں مومن اور کافر کے ساتھ معاملہ

﴿۱۳۲﴾ **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمَيِّتَ يَصِيرُ إِلَى الْقَبْرِ فَيُجْلَسُ الرَّجُلُ فِي قَبْرِهِ غَيْرَ فَزِعٍ وَلَا مَشْغُوبٍ ثُمَّ يُقَالُ فِيمَ كُنْتَ فَيَقُولُ كُنْتُ فِي الْإِسْلَامِ فَيُقَالُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُولُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ جَاءَ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَصَدَّقْنَاهُ فَيُقَالُ لَهُ هَلْ رَأَيْتَ اللّٰهَ فَيَقُولُ مَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَرَى اللّٰهَ فَيُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ فَيَنْظُرُ إِلَيْهِ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضاً فَيُقَالُ لَهُ انْظُرْ إِلَى مَا وَقَاكَ اللّٰهُ ثُمَّ يُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ فَيَنْظُرُ إِلَى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيهَا فَيُقَالُ لَهُ هٰذَا مَقْعَدُكَ عَلَى الْيَقِينِ كُنْتَ وَعَلَيْهِ مُتَّ وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى وَيُجْلَسُ الرَّجُلُ السُّوءُ فِي قَبْرِهِ فَزِعاً مَشْغُوباً فَيُقَالُ لَهُ فِيمَ كُنْتَ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي فَيُقَالُ لَهُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُولُ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ قَوْلاً فَقُلْتُهُ فَيُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ فَيَنْظُرُ إِلَى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيهَا فَيُقَالُ لَهُ انْظُرْ إِلَى مَا صَرَفَ اللّٰهُ عَنْكَ ثُمَّ يُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ إِلَى النَّارِ فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضاً فَيُقَالُ لَهُ هٰذَا مَقْعَدُكَ عَلَى الشَّكِّ كُنْتَ وَعَلَيْهِ مُتَّ وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى۔ (رواہ ابن ماجۃ)

حوالہ: ابن ماجہ: ۳۲۵، باب ذکر القبر والبلیٰ، ابواب الزھد، حدیث نمبر: ۴۲۶۸۔

حلہ لغات: فزِعٌ فَزِعَ (س) فَزَعاً گھبرانا، شَغِبَ شغباً شر وفساد پھیلانا مراد ہے۔ پریشان نہ ہونا۔

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب مردہ قبر میں دفنا دیا جاتا ہے، تو وہ اپنی قبر میں اس طرح اٹھ بیٹھتا ہے کہ نہ تو اس پر گھبراہٹ طاری ہوتی ہے اور نہ وہ پریشان حال ہوتا ہے، پھر اس سے سوال ہوتا ہے کہ تو کس دین پر تھا، وہ جواب دیتا ہے کہ میں

اسلام پر تھا، پھر کہا جاتا ہے یہ کون شخص ہیں؟ وہ جواب دیتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، یہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے، تو ہم نے ان کو مان لیا پھر اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ وہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا کسی کے بس میں نہیں ہے، تب اس کے لئے جہنم کی طرف کا ایک روشندان کھول دیا جائیگا، اس کے ذریعہ سے وہ جہنم کو دیکھے گا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو توڑ رہا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھو یہ ہے وہ جگہ جس سے اللہ تعالیٰ نے تجھے محفوظ رکھا ہے۔ پھر اس کے لئے جنت کا ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے، جس کے ذریعے سے وہ جنت کے سبزہ زاروں اور وہاں کی دوسری چیزوں کو دیکھتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانا ہے، تو جس یقین پر تھا اسی کے انعام کے طور پر تجھے یہ ملا ہے، تو اسی یقین پر مرا ہے اور اسی یقین پر تجھے اٹھایا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اور برائیوں کا حامل شخص اپنی قبر میں گھبرایا ہوا پریشان حال اٹھتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو کس دین پر تھا، وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا، پھر اس سے کہا جاتا ہے یہ کون شخص ہیں؟ وہ کہتا ہے میں لوگوں سے ان کو جو کہتے سنتا تھا وہی کہتا تھا، اس کیلئے جنت کی جانب کا ایک روشندان کھول دیا جائیگا، تو وہ اس کا سبزہ زار اور جو کچھ اس میں ہے اس کو دیکھتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے دیکھ یہ وہ جگہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجھ سے پھیر دی ہے، پھر اس کیلئے دوزخ کی ایک کھڑکی کھول دی جائیگی وہ دیکھے گا کہ دوزخ کا بعض حصہ بعض حصے کو توڑ رہا ہے، پھر اس سے کہا جائیگا کہ یہ ہے تیرا ٹھکانا، یہ تیرے شک کرنے کی بنا پر ہے، تو دنیا میں بھی شک پر تھا، تیری موت شک پر ہوئی، اور تو اسی شک پر قیامت میں دوبارہ اٹھے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تشریح: غیر فزع: یہ لفظ زا کے کسرہ کے ساتھ ہے اور غیر یہ حال ہونے کی بناپر منصوب ہے **ولا مشغوب**. یہ شغب سے مشتق ہے اور مذکورہ لفظ فزع کی تاکید کے

لئے آیا ہے اس کے معنی شر اور فتنہ پر ابھارنا ابن حجرؒ کہتے ہیں فزع صفت مشبہ ہے جو مبالغہ کے معنی پر دلالت کرتا ہے (یعنی بالکل کسی کا خوف نہ ہونا)

و یحطم بعضها بعضا: حطم کے معنی کسی شخص کو کسی ایسی تنگ جگہ پر بند کرنا جہاں اس کو تنگی کی وجہ سے گھوڑا روندو ے اسی طرح جہنم کی جگہ تنگ ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ جہنم کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو کھائے گا اس کی لپٹوں کی شدت کی وجہ سے یا آگ کی کثرت کی وجہ سے۔

ان شاء اللہ: یہ لفظ تبرک یا تحقیق کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "ان شاء اللہ آمنین" (مرقات ص ۱/۲۱۳)

فائدہ: مومن بندہ کو اولاً جہنم کا ٹھکانہ دکھایا جانا پھر جنت کا ٹھکانہ دکھایا جانا یہ اس لئے ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کا احساس ہو، اور مزید شکر کرے اس لئے کہ جہنم کے اس ٹھکانہ سے حفاظت مستقل اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اور جنت کا ٹھکانہ ملنا یہ مستقل اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔

اسی طرح کافر کو اولاً جنت کا ٹھکانہ دکھانا پھر جہنم کا ٹھکانہ دکھانا تا کہ اس کے رنج وغم اور حسرت ویاس اور افسوس کی شدت میں اضافہ کرنے کے لئے ہے، اس لئے کہ جنت کے ایسے ٹھکانہ سے محرومی کتنی سخت محرومی ہے، اس کا کتنا غم اور افسوس ہوگا، پھر اس پر بس نہیں بلکہ جہنم میں ایسا ٹھکانہ اس کے بدلہ میں ملنا کتنے رنج وغم اور افسوس اور حسرت ویاس کی شدت کا ذریعہ ہوگا۔ اللهم احفظنا منه.

فائدہ دوم: حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ قبر میں سوال وجواب کے وقت مومن بندہ کو کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں ہوگی، تا کہ وہ جوابات اطمینان سے دے سکے، اور یہ نہ ہو کہ گھبراہٹ کی وجہ سے صحیح جواب نہ دے سکا۔ فقط

باب الاعتصام بالکتاب والسنة

رقم الحدیث:...... ۱۳۳/ تا ۱۸۷/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الاعتصام بالکتاب والسنة

﴿الفصل الاول﴾

بدعت اور اس کی حرمت

﴿۱۳۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف:۱/۳۷۱، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، فالصلح مردود، کتاب الصلح، حدیث نمبر:۲۶۹۷، مسلم شریف:۲/۷۷، باب نقض الاحکام الخ، کتاب الاقضیة، حدیث نمبر:۱۷۱۸۔

حل لغات: احدث الشیٔ (افعال) ایجاد کرنا، اختراع کرنا، ردٌّ خلاف سنت، مردود ج رُدُوْدٌ۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات

ایجاد کی جس کا اس دین سے کوئی تعلق نہیں تو وہ مردود ہے۔

تشـــریح: اعتصام کے معنی کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑنا جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول "واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا" [اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ (آسان ترجمہ)] "الاعتصام بالکتاب والسنة" یعنی قرآن وسنت کو مضبوطی سے پکڑنا۔

من احدث فی امرنا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص اپنی رائے کے ذریعہ دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرتا ہے جو دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے حالانکہ دین کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "الیوم اکملت لکم دینکم" [آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔] (آسان ترجمہ)

اب جو شخص اپنی مرضی کے ذریعہ اس میں زیادتی کرے گا یہ اس کے فہم کا قصور ہے۔ (التعلیق الصبیح ص ۱/۱۱۴)

فهو رد الخ: ضمیر میں دو احتمال ہیں، ایک احتمال تو یہ ہے کہ وہ نئی بات ایجاد کرنے والا مراد ہے، یا وہ بات جو اس نے ایجاد کی وہ مراد ہے کہ وہ مردود ہے، اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ رد کر دیا جائے گا۔

فائدہ: دین میں نئی بات ایجاد کرنے والا گویا زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ دین نعوذ باللہ نامکمل تھا میں اس کو مکمل کر رہا ہوں، اس لئے دین میں نئی بات ایجاد کرنا کوئی بدعت پیدا کرنا انتہائی خطرناک ہے۔ اعاذنا اللہ منه.

ایضاً

﴿۱۳۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۲۸۵-۲۸۴/۱، باب تخفيف الصلاة والخطبة، كتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۱۷۔

حل لغات: شَرٌّ بدی، خرابی، ج شُرُوْر، شَرَّ فُلَانٌ (ن، ض) شَرًّا شریر ہونا، شرارت کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اما بعد، حمد وصلاۃ کے بعد سب سے بہترین بات اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور سب سے بہتر راستہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے، اور سب سے بری چیز وہ باتیں ہیں جو نئی نکالی گئی ہوں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

تشریح: اما بعد: یہ دو کلمے ایسے ہیں جن کو فصل خطاب کہا جاتا ہے، اکثر اس کا استعمال باری تعالیٰ کی تعریف اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد ہوتا ہے اصل یہ ہے کہ اما بعد حمد اللہ تعالیٰ والصلوة على النبی کہا جائے۔

کل بدعة ضلالة: بدعت ہر اس چیز کا نام ہے جس کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ رہا ہو بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوئی ہوں۔

اقسام بدعت

بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱)......واجبہ جیسا کہ کلام اللہ اور حدیث نبوی کو سمجھنے کیلئے نحو وصرف کے فن کا سیکھنا۔

(۲)......بدعت محرمہ جیسا کہ قدریہ اور جبریہ کا مسلک ہے۔

(۳)......بدعت مستحبہ مثلاً خانقاہوں اور مدارس کا قیام۔

(۴)......بدعت مکروہہ جیسا کہ مساجد کی در و دیوار پر نقش ونگار کرنا۔

(۵)......بدعت مباحہ جیسا کہ صبح کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا۔(التعلیق الصبیح ص ۱۱۵/۱)

مگر صبح کی نماز کے بعد مصافحہ کرنے میں التزام ما لا یلتزم پائے جانے کی وجہ سے کراہت آئی اس لئے اس کا ترک کرنا بھی ضروری ہوگیا۔

بدعت کی تعریف

اس حدیث میں بدعت کی مذمت کے ساتھ بدعت کی تعریف کی طرف بھی واضح اشارہ ہے، اس حدیث کی روشنی میں بدعت کی تعریف نکلتی ہے: "مالیس من الدین" کو دین میں داخل کرنا۔ جس چیز کی دین کی طرف نسبت کی جائے اس کی دو قسمیں ہیں، ایک "مامن الدین" اور دوسری "مالیس من الدین" "ما من الدین" سے مراد یہ ہے کہ اس شئی کے دین میں سے ہونے پر کوئی دلیل شرعی قائم ہو۔ اور "مالیس من الدین" وہ چیز ہے جس کے دین میں سے ہونے پر کوئی دلیل شرعی قائم نہ ہو، کسی چیز کے بدعت میں سے ہونے کے لئے دو باتوں کا ہونا ضروری ہے، ایک یہ کہ وہ "مالیس من الدین" کے قبیل سے ہو اور دوسرا یہ کہ اس کو دین میں سے سمجھا جائے۔

مثلاً: ایصال ثواب کا جواز دلیل شرعی سے ثابت ہے، اگر کوئی شخص ایصال ثواب کو مشروع سمجھتا ہے اور اس کو کرتا ہے تو اس نے "مامن الدین" کو دین میں سے سمجھا ہے اس لئے یہ بدعت نہیں اس لئے کہ یہاں بدعت کا پہلا رکن یعنی اس چیز کا "مالیس من الدین"

ہونا مفقود ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو ایصال ثواب کرنے کا زیادہ ثواب ہے تو اس دن کی یہ تخصیص بدعت ہے، اس لئے کہ اس پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں یہ "مالیس من الدین" کے قبیل سے ہے اس شخص نے اس کو دین میں داخل کر دیا اور موجب ثواب سمجھا لہٰذا یہ بدعت ہوگا۔

کسی دن کی تخصیص کو دین میں سے سمجھنے کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس دن ایصال ثواب وغیرہ نہ کرنے والے کو قابل ملامت سمجھا جائے، اگر کسی دن کی تخصیص دینی فرقوں میں محاذ آرائی اور فتویٰ بازی کی بنیاد بن جائے تو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اس کو ایک فریق نے دین میں سے سمجھ لیا ہے۔

ریل گاڑی، کاریں، بسیں، ہوائی جہاز وغیرہ دوسری نئی نئی ایجادات بھی "مالیس من الدین" کے قبیل ہیں لیکن یہ بدعت نہیں کیونکہ بدعت ہونے کے لئے "مالیس من الدین" ہونا کافی نہیں بلکہ اس کو دین میں سے سمجھنا بھی ضروری ہے، ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی ان چیزوں کو دین میں سے نہیں سمجھتا، کوئی نہیں کہتا کہ ریل گاڑی پر سفر کرنے پر اتنی نفلوں کا ثواب ملے گا اور ہوائی جہاز پر سفر کرے گا تو اتنا ثواب ملے گا۔

ایسے ہی مدارس اور دیگر اداروں میں اسباق اور دوسرے کام کرنے کے لئے جو ایک نظام بنا لیا جاتا ہے اس پر بھی کوئی دلیل شرعی قائم نہیں لیکن ان کو دین میں داخل نہیں سمجھا جاتا اس لئے یہ بدعت نہیں، کوئی نہیں کہتا کہ صحیح بخاری پہلے گھنٹہ میں پڑھنے پر خاص ثواب ملے گا جو دوسرے گھنٹہ میں پڑھنے کی صورت میں نہیں ملے گا۔

بدعت کی تقسیم

علماء میں یہ بحث چلی ہے کہ آیا بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف ہوتی ہے یا نہیں؟

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، حسنہ اور سیئہ۔ اور بہت سے محققین نے یہ فرمایا ہے: کہ بدعت ہمیشہ سیئہ ہی ہوتی ہے، کبھی حسنہ نہیں ہوتی۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی اختلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بدعت کی تعریفیں دو کی گئی ہیں، اتنی بات پر تو سب متفق ہیں کہ بدعت وہ کام ہے جس کا خیر القرون میں وجود نہ ہو اور اس کو دین سمجھ کر کیا جائے، خیر القرون میں موجود ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ چیز خیر القرون میں موجود بوجود حسی ہو، دوسرے یہ کہ موجود بوجود شرعی ہو، موجود بوجود حسی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کا نفس الامر میں وجود ہو، اور موجود بوجود شرعی کا مطلب یہ ہے کہ اس کام کے جواز پر دلیل شرعی قائم ہو خواہ نفس الامر اور خارج میں وہ کام پایا جاتا ہو یا نہیں۔

اگر موجود سے مراد موجود بوجود شرعی لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جس کام کے جواز پر دلیل شرعی قائم نہ ہو اس کو دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے، اس صورت میں ہر بدعت سیئہ ہی ہوگی، کوئی بدعت بھی اس معنی کے اعتبار سے حسنہ نہیں ہو سکتی، جو حضرات عدم انقسام کے قائل ہیں وہ یہی معنی مراد لیتے ہیں اور بدعت کی یہی تعریف کرتے ہیں۔

اگر موجود سے مراد موجود بوجود حسی لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ بدعت وہ کام ہے جس کا خیر القرون میں وجود خارجی نہ ہو اور اس کو دین سمجھ کر کیا جائے، اس صورت میں بدعت کی دو قسمیں ہوں گی اس لئے کہ جو چیز خیر القرون میں خارجاً موجود نہ ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کا وجود خارجی تو نہیں تھا، لیکن اس کے جواز پر دلیل شرعی قائم ہے۔ یہ بدعت حسنہ ہوگی، اور دوسری صورت یہ کہ اس چیز کا نہ تو وجود خارجی خیر القرون میں تھا اور نہ ہی یہ کسی اور دلیل شرعی سے ثابت ہے تو یہ بدعت سیئہ ہوگی۔

اس نکتہ پر دونوں فریق متفق ہیں کہ جو چیز کسی بھی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو اور اس کو دین میں داخل سمجھا جائے تو وہ بدعت ہے، اور سیئہ ہے۔ اس کی قباحت پر سب کا اتفاق ہے، اور ایک چیز جس کا خیر القرون میں تو وجود خارجی نہیں تھا لیکن کسی دلیل سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، تو ایسی چیز سب کے نزدیک جائز ہے۔ ان دونقطوں پر اتفاق کے بعد اختلاف صرف اتنی بات میں ہے کہ اس دوسری قسم کی چیز کو بدعت سے تعبیر کیا جائے گا یا نہیں؟ جو انقسام کے قائل ہیں وہ اس کو بدعت سے تعبیر کرتے ہیں اور جو عدم انقسام کے قائل ہیں وہ اس کو بدعت ہی شمار نہیں کرتے، تو یہ اختلاف تعبیری اور لفظی ہوا۔ (اشرف التوضیح)

تین لوگ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسندیدہ ہیں

﴿۱۳۵﴾ **وَعَنْ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيقَ دَمَهُ۔

(رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۱۶، باب من طلب دم امرء بغیر حق، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۶۸۸۲۔

حل لغات: مُلْحِدٌ، اَلْحَدَ فُلَانٌ حق سے منحرف ہو کر اس میں بے بنیاد باتیں داخل کرنا، فی الحرم حرم کی بے حرمتی کرنا، منع کی ہوئی باتوں کا ارتکاب کرنا، مُبْتَغٍ ابتغی، چاہنا، خواہش کرنا، مُطَّلِبٌ چاہنا، لیھرق اھریق الماء ونحوہٗ بہانا، اھریق اصل میں اراق تھا۔

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ تین لوگ ہیں، (۱) حدود میں منع کی ہوئی باتوں کا ارتکاب کرنے والا، (۲) اسلام میں زمانہ جاہلیت کے طریقے کو تلاش کرنے والا، (۳) کسی مسلمان کے خون ناحق کو بہانے کی خواہش کرنے والا۔

تشریح: ابغض الناس الی اللّٰہ: اس جگہ الناس سے مراد المسلمین ہے۔

ملحد فی الحرم: یہاں پر الحرم محل کو ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ الحاد مطلق قبیح ہے لیکن جب وہ حرم میں کرے گا تو وہ قباحت میں زیادہ ہو جائیگا تو گویا یہاں قبیح کی زیادتی محل کے اعتبار سے ہے۔

مبتغ فی الاسلام: شریعت کے خلاف مطلقاً نئی بات نکالنا فعل قبیح ہے لیکن جب نئی بات نکالنے والا اس نئی بات کو زندہ کرے گا تو اس کے اندر قباحت زیادہ ہوگی تو گویا قباحت یہاں فاعل کے اعتبار سے ہے۔

ومطلب دم امرء: مطلقاً قتل کی تمنا کرنا بہت بڑا گناہ ہے مگر جب وہ ایک مسلمان کا ناحق قتل کرنے کا متمنی ہوگا تو یہ گناہ میں زیادہ ہوگا تو گویا یہاں قباحت فعل کے اعتبار سے ہے۔

جب معصیت کی خواہش اور طلب پر یہ وعید ہے یہ مبالغہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اسلئے کہ جب خواہش کرنے پر اتنی بڑی وعید ہے تو کرنیوالے کا کیا حال ہوگا۔(**التعلیق الصبیح:۱/۱۱۵**)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہونا

﴿۱۳۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اُمَّتِیْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قِيْلَ وَمَنْ اَبٰى؟ قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰى۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف:۱۰۸۱/۱،باب الاقتداءِ بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، حدیث نمبر:۷۲۸۰۔

حل لغات: عصانی عصاہ (ض) معصیۃً وعِصْیَاناً نافرمانی کرنا،حکم کی خلاف ورزی کرنا،ابی علیہ اِباءً واباءۃً نافرمانی کرنا،سرکشی کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی،سوائے اس شخص کے جس نے انکار کردیا،پوچھا گیا کس نے انکار کردیا؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا،اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کردیا۔

تشریح: کل امتی یدخلون الجنۃ: اس سے مراد یہاں امت دعوت ہے یعنی وہ تمام کے تمام جنت میں داخل ہوجائیں گے ایک احتمال یہ بھی ہے اس سے مراد امت اجابت ہو۔

ومن اطاعنی: یعنی جس شخص نے میری اطاعت کی اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مضبوطی سے پکڑا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

من عصانی: یعنی جس شخص نے نفس کی خواہشات کی پیروی کی اور صراط مستقیم سے گمراہ ہوگیا اور حق بات کہنے سے کترایا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

امام محی السنۃ فرماتے ہیں اس حدیث کو باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں اس لئے لایا گیا کیونکہ جو شخص مطیع ہوگا وہ کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑے گا اور نفسانی خواہشات اور بدعات سے اجتناب کرے گا۔(التعلیق الصبیح ص:١/١١٦)

اباء کی دو صورتیں ہیں

کل امتی یدخلون الجنة الامن ابی: اباء اور انکار کی دو صورتیں ہیں:

(١)......اباء اعتقادی یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کسی بات پر پورا اعتقاد نہیں۔ ایسا شخص خالدٌ فی النار ہوگا، حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ میری امت دعوت جنت میں ضرور جائے گی سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اباء اعتقادی یعنی کفر کیا، یہ جنت میں کبھی نہیں جائیں گے۔

(٢)......اباء عملی یعنی اعتقاداً تمام ضروریات دین کو مانتا ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعض باتوں پر عمل کرنے میں سستی کرتا ہے، ایسے شخص کے دخول فی النار کا خطرہ ہے، حدیث کا مطلب یہ ہوگا میری امت اجابت کو جنت کا دخول اولیٰ ضرور حاصل ہوگا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے کوئی بدعملی کی ہوگی۔(اشرف التوضیح)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے

﴿١٣٧﴾ **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَتْ مَلَائِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالُوا إِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هٰذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوا لَهُ مَثَلًا قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوا

مَثَلُهٗ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا وَجَعَلَ فِيْهَا مَأْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَاكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ فَقَالُوْا اَوِّلُوْهَا لَهٗ يَفْقَهُهَا قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهٗ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوْا الدَّارُ الْجَنَّةُ وَالدَّاعِيْ مُحَمَّدٌ فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف:۲/۱۰۸۱،باب الاقتداء بسنن رسول الله صلی الله علیہ وسلم، کتاب الاعتصام، حدیث نمبر:۷۲۸۱۔

حل لغات: یقظان ج یقاظی ویقاظ بیدار،یَقِظَ من نومہٖ ونحوہٖ (س) یَقْظاً بیدار ہونا، جاگنا،مادبۃ دعوت کا کھانا،فرق بین المتشابهین باہم ممتاز کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند فرشتے آئے،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے،ان فرشتوں نے آپس میں کہا کہ تمہارے ان صاحب پر ایک مثل صادق آتی ہے،تو ان کے سامنے وہ مثل ذکر کردو،ان ہی میں سے بعض فرشتے بولے کہ یہ تو سو رہے ہیں،اور بعض نے یہ بات کہی کہ ان کی آنکھیں بیشک سو رہی ہیں؛ لیکن ان کا دل تو جاگ رہا ہے،تب ان فرشتوں نے کہنا شروع کیا کہ ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس میں دسترخوان بچھادیا،پھر اس نے ایک بلانے والے کو بھیج دیا تو جس شخص نے اس بلانے والے کی بات مان لی وہی اس گھر میں داخل ہوگیا،اور وہاں کا کھانا کھایا،اور جس شخص نے اس داعی کی بات نہیں مانی وہ گھر میں نہیں داخل ہوا،اور دسترخوان سے نہیں کھایا،اس کے بعد فرشتوں نے کہا کہ اب اس مثال کی وضاحت بھی کردو کہ یہ اس کو سمجھ لیں،اس پر بعض فرشتوں نے کہا یہ تو سو رہے ہیں؛ لیکن بعض

نے یہ بات کہی کہ بلاشبہ ان کی آنکھیں سو رہی ہیں؛ لیکن دل جاگ رہا ہے، اس کے بعد بعض نے کہا کہ مکان سے مراد جنت ہے، اور داعی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو جس نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

تشریح: ان العین نائمة و القلب یقظان: اس سے معلوم ہوتا ہے سننے کا مدار ادراک باطنہ پر ہے نہ کہ حواس ظاہرہ پر۔

ان صاحبکم هذا: اشارہ ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور مخاطب فرشتے ہیں۔

مثله کمثل رجل: مقصود اس تمثیل سے مفرد کو مفرد کے ساتھ تشبیہ دینا نہیں ہے بلکہ مرکب کو مطابقت مفردات سے قطع نظر کرتے ہوئے طرفین سے تشبیہ دینا ہے۔

فقال بعضهم: اس عبارت سے اہل تعبیر دلیل پکڑتے ہیں کہ تعبیر جب خواب میں واقع ہو تو اس پر اعتماد کیا جائے گا۔

فقالوا الدار: دار سے مراد جنت ہے مکان بنانے والے سے مراد اللہ ہے کھانے سے مراد جنت کی نعمتیں ہیں اور داعی سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (التعلیق الصبیح ص ۱/۱۱۷)

نوم انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت

عام لوگوں کی نیند عموماً صرف ظاہری اعضاء پر ہی اثر انداز نہیں ہوتی بلکہ ان کا دل بھی اس سے متأثر ہوتا ہے، لیکن نبی کی نیند سے صرف ظاہری اعضاء ہی متأثر ہوتے ہیں، دل پر

ان کی نیند کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ متعدد احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے دل نہیں سوتے، کیونکہ نبی کو ہر وقت عالم بالا سے علم حاصل کرنے کے لئے تیار رہنا ہوتا ہے، نبی کا دل ہر وقت نوم اور یقظہ میں علوم وحی حاصل کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کا خواب وحی کی ایک مستقل قسم ہے اور وحی کی دوسری اقسام کی طرح قطعی اور حجت ہے۔

قتل اولاد حرام قطعی ہے لیکن نبی کے خواب سے اس کا نسخ ہو سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو وحی قطعی سمجھ کر اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، پھر اپنے بیٹے سے امتحاناً پوچھتے ہیں وہ جواب دیتا ہے "افعل ما تؤمر" حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بھی اس خواب کو حق تعالیٰ کا حکم قرار دیا معلوم ہوا وہ بھی نبی کے خواب کو حجت سمجھتے ہیں، قرآن کریم نے ان کے اس نظریہ کو بلا انکار نقل کیا ہے، معلوم ہوا قرآن کی نظر میں بھی نبی کا خواب وحی قطعی اور حجت ہے۔

نبی کے خواب کا حجت ہونا قرآن سے بھی ثابت ہے اور اس پر علماء امت کا اجماع بھی ہے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اعضاء کے سونے کے ساتھ ساتھ نبی کا دل بھی سو جاتا ہے تو وحی کی اس قسم پر سے اعتماد اٹھ جائے گا، اس لئے نبی کے خواب کو وحی ماننے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ یہ بھی مانا جائے کہ نیند کی حالت میں بھی نبی کا دل جاگتا رہتا ہے۔

چونکہ نیند کی حالت میں بھی نبی کا دل نہیں سوتا اس لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کی نیند ناقض وضوء نہیں ہوتی، یہ مضمون متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے اور علماء امت کا بھی یہی نظریہ ہے، بعض اوقات حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو جاتے اور اٹھ کر نیا وضو کئے بغیر ہی نماز پڑھ لیتے۔

اشکال وجواب

ایک حدیث کتاب الصلوٰۃ میں آئے گی جس کو ''حدیث لیلۃ التعریس'' کہتے ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبح کے قریب سونے کے لئے پڑاؤ ڈالا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ صبح صادق کے وقت جگا دینا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سو گئے اتفاق سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی نیند آ گئی، فجر کے وقت کوئی بھی جاگ نہیں سکا، جب سورج نکل آیا تو جاگے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز قضاء فرمائی، اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ تو کہتے ہیں نبی کا دل ہر وقت بیدار رہتا ہے، اگر یہی بات ہے تو پھر حضرت نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صبح صادق کا علم کیوں نہ ہوا۔

جواب: بعض حضرات نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ نبی کے دل کا بیدار ہونا کلی نہیں اکثری ہے کبھی کبھار نبی کا دل بھی نیند سے متاثر ہو جاتا ہے، ایسے مواقع میں سے ایک موقعہ پر لیلۃ التعریس کا واقعہ بھی پیش آیا ہے۔ لیکن یہ جواب اچھا نہیں کیونکہ نبی کا ہر خواب وحی ہے، اگر یہ کہہ دیا جائے کہ نبی کا دل بھی بعض اوقات نیند سے متاثر ہو جاتا ہے تو وحی کی اس مستقل قسم پر اعتماد نہیں رہ سکتا اس لئے کہ ہر خواب میں یہ احتمال موجود ہے کہ اس وقت نبی کا دل سویا ہوا ہو۔ اس لئے یہ جواب مناسب نہیں۔

اکثر شارحین حدیث نے جواب یہ دیا ہے کہ اس حدیث کا حدیث لیلۃ التعریس کے ساتھ کوئی تعارض ہی نہیں ہر عضو کے وظائف الگ الگ ہیں صبح صادق معلوم کرنا دل کا کام نہیں آنکھوں کا کام ہے۔ صبح صادق مدرکات بصر میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص آنکھیں بند کر لے اور دل جاگ رہا ہو تو اس کو صبح کا ادراک بالکل نہیں ہوگا۔ لیلۃ التعریس

میں صبح کے علم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت آنکھیں سوئی ہوئی تھیں، اور ادراک صبح ان کا کام تھا۔ (اشرف التوضیح)

اتباع سنت کی اہمیت

﴿۱۳۸﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّى اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا مَا وَاللّٰهِ اِنِّىْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهُ لٰكِنِّىْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّىْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِىْ فَلَيْسَ مِنِّىْ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۵۷، باب الترغیب فی النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۰۶۳، مسلم شریف: ۱/۴۴۹، باب استحباب النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۰۱۔

حل لغات: رهطٌ تین سے نو تک کی جماعت جمع ارهط و ارهاط جمع الجمع اراهط و اراهیط، تقالوها، تقلل الشئ کم سمجھنا، افطر افطر الصائم روزہ ختم کرنے والی چیز سے روزہ افطار کرنا، الشئ الصوم کسی چیز کا روزہ کو توڑ دینا، ارقدُ رقد رقداً ورُقوداً ورُقَاداً (ن) سونا، لیٹنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس تین آدمی آئے اور وہ لوگ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں سوال کرنے لگے جب ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں بتایا گیا تو گویا انہوں نے اس کو کم سمجھا اور انہوں نے کہا کہ ہماری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیئے ہیں، پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن میں روزہ رکھا کروں گا، اور افطار نہیں کروں گا، اور تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے الگ رہوں گا، اور کبھی نکاح نہیں کروں گا، اس اثناء میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کیا تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟ یاد رکھو اللہ کی قسم، میں اللہ سے تم لوگوں سے زیادہ ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہوں؛ لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، یاد رکھو جس نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

تشریح: ثلثة رهط: ان تین آدمیوں سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

تقالوھا: جب ان تین آدمیوں کو ازواج مطہرات نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتایا تو انہوں نے اس عبادت کو قلیل خیال کرکے آپس میں کہا کہ وہ تو معصوم تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کی مغفرت کا اعلان قرآن کریم میں فرمایا ہے: "**لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر**" تو ان تینوں نے یہ سوچ کر کہ ہم تو معصوم نہیں ہیں اور نہ ہماری مغفرت کا اعلان اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اس لئے اپنا سارا وقت عبادت میں لگائیں گے۔

اماو اللّٰہ : اس کا علم جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہوا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات کو واضح فرمایا کہ تمہارے خیال کے مطابق میں بہت زیادہ عبادت وریاضت نہیں کرتا ہوں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں معصوم مغفور ہونے کی وجہ سے بے خوف ہوگیا ہوں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جتنا میں اپنے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اتنا تمہارے میں سے کوئی نہیں ڈر سکتا جتنا تقویٰ میں اختیار کرتا ہوں اتنا تمہارے میں سے کوئی اختیار نہیں کرسکتا مظہر نے کہا ہے کہ حضرت نبی علیہ السلام کا وظائف میں کمی کرنا امت کے لئے رحمت اور شفقت کی بنا پر تھا کہ امت کو دشواری نہ ہو اس لئے کہ انسان کا اپنے اوپر اپنا بھی حق ہوتا ہے بیوی کا بھی حق ہوتا ہے اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھانے کا محتاج بنایا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت چستی کے ساتھ کرے اور ایک انسان کے لئے عورت کا بھی ہونا ضروری ہے تاکہ اولاد پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے زیادہ بن جائیں اور مرد وعورت سے دین کی حفاظت بھی ہوگی ۔(التعلیق الصبیح ص:۱۱۷/۱)

مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام پر ایک نظر

اس حدیث میں اور اس قسم کی دوسری نصوص میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرف ذنب یا اس قسم کے دوسرے الفاظ کی نسبت کی گئی ہے ۔ اس قسم کے نصوص لے کر ملحدین مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں، اس لئے اس مقام کی قدرے وضاحت ہوجانا مناسب ہے ۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ مسئلہ عصمت انبیاء دین کے بنیادی اور اہم مسائل میں سے ہے بلکہ اس کو سب مسائل کی بنیاد کہا جا سکتا ہے اس لئے کہ پوری شریعت مطہرہ

انسانیت کو نبی کے واسطے سے ہی ملتی ہے، نبی کی ہر بات دین میں حجت ہوتی ہے۔قرآن کریم میں ہے:"**ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولی ونصله جهنم**" اس میں نبی کی ہر قسم کی مخالفت کو گمراہی اور دخول جہنم کا سبب قرار دیا ہے۔اس اطلاق اور عموم سے معلوم ہوا کہ نبی کا ہر قول وفعل اور اس کی ہر تقریر حجت اور تشریعی مقام رکھتی ہے۔اگر نبی سے بھی ''تقاضائے بشریت'' سے مغلوب ہونے کی وجہ سے گناہ کا صدور ہوسکتا ہے تو یہ اس آیت کے منافی ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس کے ہر قول فعل اور تقریر کو حجت کہنا اور اس کی مخالفت کو دخول نار کا سبب قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔اگر نبی کی زندگی میں کچھ باتیں غلط ہوتیں تو حق تعالیٰ یہ اعلانات کبھی نہ فرماتے کہ ان کی ہر بات ماننی ضروری ہے،اگر نہ مانو گے تو جہنم کی سزا ہوگی، غلط بات کے نہ ماننے پر دوزخ کی سزا کیسے ہوسکتی ہے؟

نبی کی طبیعت شریعت کا سانچہ ہوتی ہے۔جس میں سے شریعت ڈھل ڈھل کر نکلتی اور امت کے سامنے آتی ہے،جس طرح کسی اینٹ کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جس سانچہ سے وہ بن کر آئی ہے وہ بھی درست ہو ایسے ہی شریعت پاک وصاف اور پوری انسانیت کے لئے واجب العمل تبھی ہوسکتی ہے جبکہ نبی کی طبیعت اور فطرت کو پاک وصاف تسلیم کیا جائے اور کہا جائے کہ نبی کے طبعی میلانات اور رجحانات اتنے صاف ہوتے ہیں کہ وہ کبھی گناہ کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا،اسی بات کا دوسرا عنوان ''عصمت انبیاء'' ہے،عصمت انبیاء کا انکار دراصل پوری شریعت سے ہی اعتماد اٹھانے کی ایک ناکام کوشش ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلبی رجحانات کی طہارت بیان کرنے پر زور دیا ہے،ایک جگہ ارشاد فرمایا:"**لولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیهم شیئاً قلیلا**" اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ اگر ہماری طرف سے

تثبیت نہ ہوتی تو آپ ان مشرکین کی بات پر عمل کر لیتے بلکہ یہاں صرف رکون اور میلان کا ذکر ہے، اور میلان بھی بہت تھوڑا سا ''شیئاً قلیلا'' اور یہ بھی نہیں کہ یہ بالکل تھوڑا سا میلان بھی ہو ہی جاتا بلکہ لفظ ''کــــدت'' استعمال فرمایا یعنی ایسا میلان دل میں آنے کے قریب ہو جاتا ہے، یہ بھی اس صورت میں جبکہ ہماری طرف سے تثبیت نہ ہوتی، مطلب یہ ہوا کہ آپ کا جوہر فطرت اتنا پاک ومنزہ ہے کہ اگر ہماری طرف سے حفاظت اور عصمت کے انتظامات نہ بھی ہوتے تب بھی ان کی باتوں کی طرف نہایت ہی معمولی سا جھکاؤ ہونے کے قریب ہو جاتا اور جب ہم نے اس کے ساتھ آپ کی تثبیت اور حفاظت وعصمت کا بھی وعدہ کر رکھا ہے تو اس صورت میں اس قدر میلان کا بھی احتمال نہیں ہو سکتا۔

اس مسئلہ پر جو شبہات وارد کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض نصوص میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف ذنب یا اس جیسے دوسرے الفاظ کی نسبت کی گئی ہے ایسے ہی بعض انبیاء کا استغفار کرنا مذکورہ استغفار تبھی ہو سکتا ہے جب کہ کوئی گناہ سرزد ہوا ہو، اس کے جواب کے لئے سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذنب کا وہ مفہوم نہیں جو عام لوگوں کے ذنب کا ہوتا ہے، بعض اوقات مضاف الیہ کے بدلنے سے لفظ کے مفہوم میں فرق پڑ جاتا ہے، جیسے لفظ محبت اس کی نسبت کئی قسم کے لوگوں کی طرف کی جا سکتی ہے، مثلاً اس کی نسبت ماں کی طرف بھی کی جا سکتی ہے، اسی لفظ کی نسبت بیوی کی طرف بھی کی جا سکتی ہے، ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں محبت کے تصورات میں زمین وآسمان کا فرق ہوگا، محبت زوجہ کا جو تصور ہے وہ محبت مادر میں ہرگز نہ ہوگا۔

ایسے ہی ذنب کا مفہوم بھی مضاف الیہ کے بدلنے سے بدل جاتا ہے، جب اس کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف کی جاتی ہے تو اس کا مفہوم وہ نہیں ہوتا جو عام لوگوں کی طرف نسبت کرنے کی صورت میں ہوتا ہے، بلکہ نبی کا ذنب عام لوگوں کے ذنب سے بالکل مختلف

ہوتا ہے، مثلاً نبی کے ذنب کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ کبھی ایک کام کے دوطریقے ہوتے ہیں، ایک فاضل اور ایک افضل بعض اوقات نبی افضل کو چھوڑ کر فاضل پر عمل کر لیتے ہیں، یا کبھی نبی سے اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے نبی اس کو بھی ذنب سمجھتے ہیں، نبی کے ذنب کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ نبی قرب حق کے مراتب و مدارج میں ہر لحہ اور ہر آن ترقی کرتا رہتا ہے، جب وہ ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ پر پہنچتا ہے تو گویا پہلا مرتبہ عام لوگوں کے اعتبار سے بہت بلند تھا لیکن نبی کو پہلے مرتبہ پر ہونا، اپنا قصور نظر آتا ہے، اور اس کو ذنب سمجھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ زیادہ فضیلت والا عمل چھوڑ کر کم فضیلت والا اختیار کرنا، اجتہادی غلطی ہو جانا یا قرب حق کے بڑے مرتبہ کے اعتبار سے نچلے مرتبہ پر ہونا کوئی معصیت اور گناہ نہیں ہے، لیکن نبی اس کو اپنا قصور سمجھتے ہیں اور اس پر اتنا استغفار کرتے ہیں جتنا کوئی دوسرا واقعی غلطی سرزد ہونے پر بھی نہیں کرتا، اس کی وجہ ان کے ذوق طاعت کی بلندی ہوگا اتنا ہی اس کو معمولی باتوں پر گناہ کا احساس اور ندامت زیادہ ہوگی، کتنے لوگ ہیں جن کو کبھی قیام اللیل کی توفیق نہیں ہوتی بلکہ رات گناہوں میں گذر جاتی ہے، اور ان کو کبھی توبہ واستغفار کا کبھی خیال تک نہیں آتا، لیکن اللہ تعالیٰ کے بعض نیک بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو ساری رات عبادت میں گذار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہماری عبادت بھی گناہوں کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل ہے، اس احساس کی وجہ سے صبح کے وقت ساری رات کی عبادت پر توبہ واستغفار کرنا شروع کر دیتے ہیں، قرآن کریم نے اپنے ایسے نیک بندوں کا حال ان لفظوں میں ذکر کیا ہے: "**كانوا قليلا من الليل ما يهجعون وبالاسحار هم يستغفرون**" ان لوگوں کا اپنے آپ کو گناہگار سمجھنا اور استغفار کرنا اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے واقعی کوئی معصیت کی ہے بلکہ اس کی وجہ ان کے ذوق طاعت کی بلندی ہے، ایسے ہی انبیاء علیہم السلام کا اپنے بعض افعال یا احوال کو ذنب سمجھنا ان کی عدم عصمت کی دلیل نہیں، بلکہ یہ تو ان کے ذوق طاعت کے

انتہائی بلند ہونے کی دلیل ہے۔

اس پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ نبی جس چیز کو گناہ سمجھ کر استغفار کرتا ہے اگر وہ واقعی گناہ نہیں ہے تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ حق تعالیٰ یہ فرماتے کہ تم سے کوئی غلطی ہی نہیں ہوئی معافی کی کیا ضرورت ہے، حالانکہ نصوص میں اس قسم کے مواقع پر اس طرح نہیں فرمایا گیا بلکہ ہر جگہ اعلان توبہ ہی مذکور ہے۔

اس کا حل یہ ہے کہ حق تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے مزاج شناس بلکہ اس مزاج کے خالق ہیں، انہیں معلوم ہے کہ اس طرح کہہ دینے سے ان کی تشفی نہیں ہوگی، اسلئے ان کی تشفی کیلئے فرمادیتے ہیں کہ مان لیا کہ تم سے گناہ ہوگیا سہی لیکن کیا ہوا ہم نے معاف جو کردیا ہے۔

بعض نصوص میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق بظاہر ذنب وغیرہ سے بھی سخت لفظ وارد ہوئے ہیں، جیسے ایک جگہ ارشاد فرمایا: "**وعصی آدم ربه فغوی**" اس کے حل کے لئے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ الفاظ کی شدت دووجہ سے ہوسکتی ہے۔

(۱)...... بعض اوقات وہ فعل ہی اتنا قبیح ہوتا ہے کہ اس کے لئے سخت الفاظ ہونے چاہئیں۔

(۲)...... بعض اوقات فعل تو قبیح اور عظیم نہیں ہوتا لیکن اس کا فاعل عظیم الشان ہوتا ہے ایسے موقع پر سخت لفظ استعمال کر لئے جاتے ہیں، مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ فعل گو اور لوگوں کے اعتبار سے برا نہ ہو بلکہ نیکی ہی ہو لیکن تمہاری شان کے لائق نہیں تھا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے: "**حسنات الابرار سیئات المقربین**" انبیاء علیہم السلام کے متعلق الفاظ کی بظاہر شدت کی وجہ دوسری ہے یعنی عظمت فاعل صحیح نظر سے دیکھا جائے تو ایسی آیات ان حضرات کی عظمت شان کی دلیلیں ہیں۔ (اشرف التوضیح)

قوله فمن رغب عن سنتی فلیس منی الخ: اس سے معلوم ہوگیا کہ اصل چیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک سنت کا اتباع ہے، جو

شخص جتنا جتنا سنت کا اتباع کریگا اللہ تعالیٰ کا مقبول ہوگا، اور خلاف سنت کیسے ہی مجاہدے اختیار کرے کیسی ہی مشقت اٹھائے وہ مقبول نہیں ہوسکتا، اللہ پاک ہم سب کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں کا اتباع نصیب فرمائے۔ آمین

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اتباع سنت اور عمل پر رخصت

﴿۱۳۹﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيْهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ مَابَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ اَصْنَعُهُ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ لَهٗ خَشْيَةً۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف:۱/۹۰۱، باب من لم يواجه الناس بالعتاب، كتاب النكاح، حدیث نمبر:۶۱۰۱، مسلم شریف:۲/۲۶۱، باب علمه صلى الله عليه وسلم بالله تعالىٰ، كتاب الفضائل، حدیث نمبر:۲۳۵۶۔

حل لغات: رخص لـه في الامر سہولت و آسانی فراہم کرنا، لـه بكذا اجازت دینا، (ممانعت کے بعد) فتنزہ تنزه عن الشيء کسی چیز سے دور رکھنا، دور کرنا، بری قرار دینا، خطب الناس و فيهم عليهم خِطَابَةً خُطْبَةً تقریر کرنا، لکچر دینا۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا اور اس کام میں لوگوں کو رخصت عطا فرمائی؛ لیکن کچھ

لوگوں نے اس رخصت سے اجتناب کیا، جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو اس کی خبر ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی، پھر فرمایا ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے، کہ وہ ایسی چیز سے اجتناب کررہے ہیں، جس کو میں اختیار کررہاہوں، خدا کی قسم میں اللہ تعالیٰ کو ان سے زیادہ جانتاہوں اوران سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتاہوں۔

تشریح: چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کی سہولت کے لئے ہی اور لوگوں کی پریشانی دور کرنے کے لئے ہی اس کام کو کیا تھا تاکہ امت رخصت پر عمل کرکے پریشانی سے بچی رہے لیکن اس کے باوجود چند لوگ اس کام سے پرہیز کررہے تھے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میں ان لوگوں سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو جانتاہوں اوراس سے بہت زیادہ ڈرنے والا ہوں۔

یتنزھون عن الشیٔ: یعنی یہ لوگ دوررہتے ہیں اوراحتراز کرتے ہیں اس چیز سے جوان سے میں کہتاہوں (یعنی رخصت کے بارے میں) یا جس کو میں کرتاہوں۔

لاعلمھم باللہ: اللہ کی قسم میں اللہ تعالیٰ کےعذاب اوراس کے غضب سے زیادہ ڈرتاہوں یعنی میں ان تمام کاموں کوانجام دیتاہوں جومباحات میں سے ہیں جیسا کہ سونا، دن میں کھانا اورشادی کرنا اوریہ لوگ اس سے احتراز کرتے ہیں تو میں ان سے زیادہ اللہ کے عذاب کو جانتاہوں مجھےتو بدرجۂ اولیٰ اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ (یعنی رخصت پرعمل نہیں کرنا چاہئے) حالانکہ ایسانہیں۔ (التعلیق الصبیح ص۱۱۷/۱)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اصل چیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کااتباع ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات کو اس کی رضا

مندی اس کی ناراضگی وغیرہ کو سب مخلوق سے زیادہ جانتے ہیں اس لئے بندوں کا کام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع کرنا ہے، اپنی طرف سے کسی چیز کو اختیار کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ گویا اس کو ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ جانتے ہیں، نعوذ باللہ من ذٰلک. اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح عزیمت پر عمل کرنے سے خوش ہوتا ہے اسی طرح رخصت پر عمل کرنے سے بھی خوش ہوتا ہے۔ فقط

دینی امور میں اتباع آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور واقعہ تابیرِ نخل

﴿۱۴۰﴾ وَعَنْ رَافِعِ ابْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسلم الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُؤَبِّرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَاتَصْنَعُوْنَ قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهٗ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَّاْيِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۲۶۴، باب وجوب امتثال الخ، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۲۳۶۲۔

حل لغات: یؤبرون، أَبَّرَ النخل او الزرع تأبیراً باب تفعیل سے، کھیتی یا کھجور کو درست کرنا، گابھا دینا۔ نقصت نقص الشیء نقصاً ونقصاناً (ن) کم ہونا، گھٹنا، فخذوا امر حاضر، لینا حاصل کرنا، اخذ الشیء اخذاً وصول کرنا۔

ترجمہ: حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے، تو مدینہ والے کھجور کے درختوں میں تابیر کیا

کرتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم لوگ کیا کررہے ہو؟ ان لوگوں نے عرض کیا ہم اسی طرح کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم یہ نہ کرو تو ممکن ہے کہ تمہارے لئے بہتر ہو؛ چنانچہ ان لوگوں نے تابیر کا طریقہ ترک کردیا، جس کی وجہ سے پھل کم آئے، ان لوگوں نے اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی ایک انسان ہوں، لہٰذا جب میں تم کو کسی ایسی بات کا حکم دوں جو تمہارے دین سے متعلق ہو تو اس کو فوراً اختیار کرلو اور جب اپنی رائے سے تمہیں کوئی بات بتاؤں تو میں بھی ایک انسان ہوں۔

تشریح: وھم یؤبرون النخلۃ: تابیر باب تفعیل سے اس کے معنی پیوند کاری کے ہیں شجر کاری اور باغبانی یہ ایک مشہور طریقہ ہے یعنی ایک ہم جنس درخت کی شاخ کو دوسرے درخت کے ہم جنس کے ساتھ جوڑ دی جاتی ہے کیونکہ درختوں میں کچھ درخت نر ہوتے ہیں اور کچھ درخت مادہ جو درخت نر ہوتا ہے اس کے پھول مادہ درخت پر جھاڑے جاتے ہیں یہ صورت ایسی ہی ہے جیسے ابن آدم کی تخلیق میں مذکر اور مؤنث کی منی کا اجتماع۔ (مرقات المفاتیح ص۲۲۲/۱)

اذا امرتکم بشئ من دینکم: اس سے یہ مراد ہے جب تم لوگوں کو میں کسی ایسی چیز کا حکم دوں جو تمہارے دین کے معاملہ میں تم کو نفع دے تو تم اس کو لے لو جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "**وما اتکم الرسول فخذوہ**" [اور رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔] (آسان ترجمہ)

اور اگر تم لوگوں کو میں اپنی رائے اور عقل کے ذریعہ کسی چیز کا حکم دوں تو تمہارے لئے اس پر عمل کرنا ضروری نہیں میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہی تو ہوں مجھ سے غلطی ہوسکتی ہے۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا علم تو محیط ہوتا ہے انسان خواہ کتنا ہی اونچا ہوجائے مگر اس کا علم

محیط کبھی نہیں ہو سکتا۔

انما انا بشر الخ: کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "فلیس لی اطلاع بالمغیبات" مطلب یہ ہے کہ مجھ کو تمام مغیبات کا علم نہیں ہے۔

لیکن یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد دنیاوی امور میں عدم دلچسپی کا اظہار کرنا ہے نہ کہ کم علمی اور کم عقلی کا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات دین ودنیا دونوں کے امور میں سب سے دانا اور عقل کی حامل تھی۔

(التعلیق الصبیح :۱/۱۱۸)

فائدہ: اس سے ان لوگوں کی تردید بھی ہو جاتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب مانتے ہیں۔فقط

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کا لازم ہونا

﴿۱۴۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ مَابَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ کَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰی قَوْمًا فَقَالَ یَا قَوْمِ اِنِّیْ رَأَیْتُ الْجَیْشَ بِعَیْنَیَّ وَاِنِّیْ اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ فَالنَّجَاءَ النَّجَاءَ فَاَطَاعَہٗ طَائِفَۃٌ مِّنْ قَوْمِہٖ فَاَدْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰی مَھَلِہِمْ فَنَجَوْا وَکَذَّبَتْ طَائِفَۃٌ مِّنْھُمْ فَاَصْبَحُوْا مَکَانَھُمْ فَصَبَّحَھُمُ الْجَیْشُ فَاَھْلَکَھُمْ وَاجْتَاحَھُمْ فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَاتَّبَعَ مَاجِئْتُ بِہٖ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِیْ وَکَذَّبَ مَاجِئْتُ بِہٖ مِنَ الْحَقِّ۔

(متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف:۲/۱۰۸۱،باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ

علیه وسلم، کتاب الاعتصام، حدیث نمبر:۷۲۸۳، مسلم شریف:۲/۲۴۸، باب شفقة النبی صلی اللہ علیه وسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر:۲۲۸۳

حل لغات: الجیش فوج،فوجی،سپاہی ج جیوش، النذیر، انجام بد سے ڈرانے والا،راہبر، ج نُـذُرٌ، انـذره الشـیء کسی کوکوئی بات بتا کر چوکنا کرنا،آگاہ کرنا، العریان ننگا،عَـرِیَ من ثیابه (س)عریً وعریةً برہنہ ہونا،ننگا ہونا،عریان یہ صفت ہے مهلهم، المهل توقف،آہستگی اوراطمینان،مهل فی فعله (ف)مهلاً، فَصَبَّحَهُم صبح القوم صبح کے وقت آنا۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میری مثال اور جو دین مجھ کو دیکر اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اس کی مثال اس آدمی کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اوراس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! بلاشبہ میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر دیکھا ہے، اور میں کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں، تو تم لوگ اس لشکر سے نجات کی راہ ڈھونڈ ھ لو، نجات کا راستہ تلاش کرلو؛ چنانچہ اس کی قوم میں سے کچھ لوگوں نے اس کی بات کو مان لیا اوراپنے گھروں سے راتوں رات نکل کھڑے ہوئے اور اطمینان سے چلتے ہوئے پہونچ کر نجات حاصل کرلی اوراس کی قوم میں کچھ لوگوں نے اس کی بات کو جھٹلا دیا، تو وہ اپنے گھروں میں ٹھہرے رہے؛ چنانچہ صبح ہوتے ہی اس لشکر نے ان پر حملہ کردیا، اوران کو ہلاک کردیا، اور مکمل طور سے ان کو نیست ونابود کردیا، تو یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے میری اطاعت کی اورمیری لائی ہوئی شریعت کی پیروی کی اوراس شخص کی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق بات میں لیکر آیا تھا اس کو جھٹلا دیا۔

تشریح: انا النذیر العریان: اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی ہلاکت خیز بات اور خطرہ سے ڈرانے میں بالکل سچا ہو، عرب میں ایک قاعدہ تھا جب کوئی شخص اپنی قوم

پر حملہ آور ہونے کے لئے کسی دشمن کو آتے ہوئے دیکھتا تو اپنے تمام کپڑے اتار کر سر پر رکھ لیتا پھر کسی اونچی جگہ پر کھڑا ہو جاتا اور اپنے لوگوں کو دشمن سے آگاہ کرتا تو یہ اس بات کی علامت ہوتی کہ یہ اپنی بات میں بالکل سچا ہے پھر عرب میں (ننگا ڈرانے والا) ایک محاورہ بن گیا چنانچہ یہ محاورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح صادق آتا ہے کہ آخرت کے عذاب کی خبر دینے میں آپ بالکل سچے تھے۔(التعلیق الصبیح ص ١١٩/ ١)

فائدہ: حدیث پاک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور کامل اطاعت کا لازم ہونا معلوم ہو گیا۔ فقط

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفقت امت پر

﴿١٤٢﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَ تْ مَاحَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ يَقَعْنَ فِيْهَا وَجَعَلَ يَحْجُزُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَتَقَحَّمْنَ فِيْهَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِيْهَا هٰذِهٖ رِوَايَةُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهَا وَقَالَ فِیْ اٰخِرِهَا قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلِیْ وَمَثَلُكُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ تَقَحَّمُوْنَ فِيْهَا۔

(متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ٢/٩٦٠، باب الانتهاء عن المعاصی، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ٢٤٨٣، مسلم شریف: ٢/٢٤٨، باب شفقة صلی اللہ علیه وسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ٢٢٨٤۔

حل لغات: استوقدت النار آگ جلانا، النارُ آگ جلنا، وقدت النارُ (ض) وقداً آگ جلنا سلگنا، أضاءت، روشن ہونا، چمنا، الشیء روشن کرنا، چمکانا، ضاء الشیء ضوءً وضیاءً روشن ہونا، الدوابُّ واحد دابةٌ زمین پر چلنے والا جانور، الفراش، تتلی، پروانہ وغیرہ ج فرشٌ وافرشةٌ، یحجزهن حَجَزَ حجزاً الشیءَ (ن) روک لینا، یتقحمن تقحم، تفعل مشقت میں پڑنا، قحم (ن) قحموما، اپنے کو مشکل میں ڈالنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی اور جب اس آگ نے اپنے اردگرد کا ماحول روشن کر دیا تو پتنگے اور وہ پروانے وغیرہ جو آگ میں پڑتے ہیں آگ میں گرنا شروع ہو گئے، حالانکہ آگ جلانے والا ان کو روکتا ہے؛ لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور آگ میں گر پڑتے ہیں، میں بھی تم کو آگ سے روکنے میں لگا ہوا ہوں؛ لیکن تم آگ میں گر پڑ رہے ہو، یہ بخاری کی روایت ہے، امام مسلم نے بھی اسی کے مثل روایت کی ہے؛ لیکن مسلم کی روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ یہی میری اور تمہاری مثال ہے کہ میں تو آگ سے بچانے کے لئے تم کو پکڑ رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں آگ سے بچو! مگر تم مجھ پر حاوی ہو جاتے ہو اور آگ میں گر جاتے ہو۔

تشریح: وانتم تقحمون: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص آگ جلاتا ہے تو اس آگ سے چاروں طرف روشنی ہو جاتی ہے اور ہر چیز صاف صاف نظر آنے لگتی ہے، اسی طرح میں نے ہر چیز کو لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیا کہ کونسی چیز حرام ہے اور کونسی چیز ممنوع ہے مگر لوگ ایسے ہو گئے کہ انہی حرام چیزوں کی طرف

لپکتے ہیں اور جن کاموں سے میں نے لوگوں کو منع کیا انہی کو اختیار کرتے ہیں اسی طرح میرے روکنے اور پکڑنے کے باوجود دوزخ کی آگ میں گر پڑنے سے باز نہیں آتے کیونکہ حضرت نبی علیہ السلام امت کی ہدایت ونجات پر ہمیشہ حریص رہتے تھے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:"حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم" [جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے جو مومنوں کے لئے انتہائی شفیق نہایت مہربان ہے۔] (آسان ترجمہ)
(التعلیق الصبیح ص: ۱۱۹/۱)

فائدہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امت کے حال پر جو شفقت تھی اور امت کے ہدایت قبول کرنے کی جو فکر اور دھن تھی اور اس کے باوجود امت کی طرف سے جو لاپرواہی تھی اور اس لاپرواہی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو غم ہوتا تھا اس کو اس حدیث پاک میں اس عمدہ اور بلیغ مثال سے بیان فرمایا ہے۔

اور اس سے معلوم ہوگیا کہ ایک داعی کے اندر امت کا کتنا درد اور امت کیلئے کتنی بے چینی اور کتنی لگن ہونی چاہئے، اللہ تعالیٰ اس کا کوئی حصہ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین

دین سے فائدہ اٹھانے والوں کی تین قسمیں

﴿۱۴۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰی وَالْعِلْمِ کَمَثَلِ الْغَیْثِ الْکَثِیْرِ اَصَابَ اَرْضاً فَکَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَیِّبَةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَاَنْبَتَتِ الْکَلَاءَ وَالْعُشْبَ الْکَثِیْرَ وَکَانَتْ مِنْهَا اَجَادِبُ اَمْسَکَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً اُخْرٰی اِنَّمَا هِیَ قِیْعَانٌ لَاتُمْسِکُ مَاءً وَلَاتُنْبِتُ کَلَاءً

فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْساً وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِيْ اُرْسِلْتُ بِهٖ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۸، باب فضل من علم وعلم، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۷۹، مسلم شریف: ۲/۲۴۷، باب بیان مثل ما بعث النبی صلی الله علیه وسلم الخ، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۲۲۸۲۔

حل لغات: الغیث المغیث، عام بارش، غاث الله البلاد (ض) غیثاً ملک پر بارش برسانا، فانبتت انبتت الارض زمین کا گھاس پودے اگانا، الکلاء خشک یاتر گھاس ج اکلاء، العشب، ہری گھاس، ج اعشاب، اجادب، جدب (ض) المکان جدباً کسی جگہ بارش نہ ہونا، الاُجْدُبُ قحط زدہ مقام (ج) جدبٌ امسکت روکنا، قیعان، قاعٌ پہاڑوں اور ٹیلوں کے درمیان ہموار اور مسطح زمین، چٹیل میدان۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دیکر مجھے بھیجا ہے، اس کی مثال اس بہت زیادہ بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسی ہو؛ چنانچہ اس زمین کا جو حصہ بہتر تھا، اس نے بارش کا پانی لے لیا پھر اس نے گھاس اور چارا خوب اگایا اور زمین کا جو حصہ سخت تھا اس نے بارش کے پانی کو روک لیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ لوگوں کو نفع پہچایا؛ چنانچہ لوگوں نے وہ پانی پیا اور پلایا، اور کھیتی باڑی کی، اور یہ بارش زمین کے ایک ایسے حصہ پر بھی ہوئی جو بیکار محض تھا یعنی چٹیل میدان تھا؛ چنانچہ اس نے نہ تو پانی روکا اور نہ گھاس اگائی، اسی طرح وہ شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے دین کو سمجھا، اور جو شریعت مجھے دیکر بھیجی گئی ہے، اس نے اس شخص کو نفع پہنچایا، پھر اس شخص نے خود بھی سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا، اور اس شخص کی مثال ہے کہ جس نے میری لائی ہوئی شریعت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کے لئے سر نہ اٹھایا، اور جو ہدایت اللہ

تعالیٰ نے مجھ کو دے کر بھیجا ہے اس کو قبول نہیں کیا۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علوم وحی سے استفادہ کرنے والوں اور اس سے محروم رہنے والوں کی حالت ایک مثال دے کر سمجھائی ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو علم وہدایت لے کر آئے ہیں اس کو ایسے سمجھو جیسے بارانِ رحمت ہو، جب کسی علاقہ پر بارش ہوتی ہے تو زمین کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں۔ ایک تو بالکل بنجر زمین جو پانی کو چوس لیتی ہے لیکن اس سے کسی کو کسی قسم کا نفع نہیں پہنچاتی، دوسری وہ پتھریلی زمین جو بارش کے پانی کو حوضوں اور تالابوں کی شکل میں اس کی اصلی حالت کے اندر محفوظ کر لیتی ہے لوگ اپنی اپنی ضرورت کے مطابق وہاں سے پانی حاصل کر کے استعمال کرتے رہتے ہیں، تیسری وہ زرخیز زمین جو پانی کو اپنی اصلی صورت میں محفوظ نہیں کرتی بلکہ اس پانی کو اپنے اندر جذب کر کے اس کے نتائج رنگارنگ کے پھلوں اور پھولوں کی صورت میں پیش کرتی ہے، دوسری اور تیسری قسم کی زمینوں نے بارش کے پانی کو محفوظ کر کے لوگوں کو اس سے نفع پہنچایا لیکن دونوں کی نوعیت میں فرق ہے، دوسری قسم کی زمین نے پانی کو اپنی اصلی حالت میں محفوظ کر دیا اور تیسری قسم کی زمین نے پانی کو اپنی اصلی صورت میں پیش نہیں کیا بلکہ اس کے ثمرات کو عمدہ شکل میں پیش کیا ہے۔

یہی حال علوم نبوت کا ہے، بعض لوگ تو ایسے ہیں جو علوم نبوت سے محروم رہے، بعض لوگوں کو حق تعالیٰ نے ان علوم کو قبول کر کے امت تک پہنچانے کی توفیق عطاء فرمائی پھر ایسے لوگوں کی دو قسمیں ہیں بعض لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے ان علوم کو ان کی اصلی شکل میں محفوظ کر لیا، جیسے حضرات محدثین ان لوگوں نے اپنی ساری عمریں الفاظ حدیث کی حفاظت کے لئے وقف کر دیں، دوسرا طبقہ وہ ہے جنہوں نے علوم نبوت کو حاصل تو کیا لیکن انہوں نے اپنی کوششوں کو صرف الفاظ تک محدود نہ رکھا بلکہ ان علوم کو اپنے دل ودماغ میں جذب کر کے صحیح

مزاج شریعت حاصل کیا اور پھر قرآن وحدیث سے حاصل ہونے والے ثمرات کو امت کے سامنے مسائل کی شکل میں پیش کیا، یہ کام حضرات فقہاء نے کیا، انہوں نے فقہ کی صورت میں جو ذخیرہ امت کو دیا ہے وہ درحقیقت قرآن وحدیث کے ہی ثمرات ہیں۔

فقہاء اور محدثین دونوں طبقے قرآن وحدیث کے خادم ہیں، لیکن دونوں کی خدمت کی نوعیت میں فرق ہے، محدثین نے الفاظ حدیث کو انتہائی محنت کے ساتھ اس کو صحیح شکل میں محفوظ کرنے کا کارنامہ انجام دیا، بعد کے علماء اپنی علمی ضرورت کے مطابق اس سے استفادہ کرتے رہتے ہیں، اور فقہاء نے اس کے نتائج وثمرات امت کے سامنے پیش کئے دونوں طبقے حدیث رسول کے خادم اور امت کے محسن ہیں، لیکن فقہاء کی خدمت علوم نبوت اور امت پر احسان زیادہ بلند ہے۔

اس سے اس اعتراض کا بھی جواب ہو گیا جو عام طور پر ناواقفیت کی وجہ سے کر دیا جاتا ہے، وہ یہ کہ فقہاء عام طور پر حدیث سے ناواقف ہوتے ہیں، اگر یہ حدیث کے ماہر تھے تو انہوں نے حدیث میں کوئی کتاب کیوں نہ لکھی، حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات نہ صرف حدیث سے واقف ہیں بلکہ انہوں نے قرآن وسنت کے مضامین کو اپنے قلوب میں جذب کر لیا ہے، اور جو انہوں نے فقہ کی صورت میں تصانیف چھوڑی ہیں وہ بھی حدیث ہی کی خدمت ہے، اگرچہ خدمت کی صورت مختلف ہے، جس طرح محدثین پر یہ اعتراض غلط ہے کہ انہوں نے حدیث کی دوسری نوعیت کی خدمت کیوں نہیں کی؟ یعنی ثمرات حدیث پر کتاب کیوں نہیں لکھی؟ ایسے ہی یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ فقہاء نے الفاظ حدیث پر کتاب کیوں نہ لکھی؟

اور یہ بات بھی علی سبیل التنزل ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ فقہاء کی خدمات الفاظ حدیث کے سلسلہ میں بھی کم نہیں ہیں۔ (اشرف التوضیح)

قبلت الماء: یہاں پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ اس حدیث میں تو زمین کی تین

قسمیں بیان کی ہیں:

(١) قبلت الماء (٢) امسکت الماء (٣) قیعان لا تمسک الماء

اورلوگوں میں دوقسم کا ذکر کیا۔ (١) من فقه فی دین الله (٢) من ابی ولم یرفع بذلک. لہذا بظاہر مثال اور ممثل لہ میں کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ زمین کی پہلی اور دوسری قسم منتفع به ہونے کی حیثیت سے ایک ہی قسم کی طرح ہوگئی گویا کہ مجموعی طور پر زمین دوقسم کی ہوئی منتفع به. غیر منتفع به ایسے ہی لوگ بھی دوقسم کے ہیں ینتفع به. لا ینتفع به.

دوسرا جواب یہ ہے کہ دراصل لوگ بھی تین قسم پر ہیں ایک تو وہ ہیں جو اس قدر علم دین حاصل کرتے ہیں کہ جس کے ذریعہ خود عمل کرسکیں لیکن فتویٰ وتدریس کے قابل نہیں ہوتے ہیں دوسرے وہ حضرات جو اس قدر علم دین حاصل کراتے ہیں کہ جس کے ذریعہ خود بھی عمل کرسکیں اور دوسروں کے لئے فتویٰ وتدریس وتعلیم کے قابل ہوتے ہیں تیسرے جو علم دین کو حاصل ہی نہ کرے۔ وہ خود بھی عمل نہیں کرسکتا دوسروں کو تو کیا فائدہ پہونچائے۔
(التعلیق الصبیح ص ١٢٠/ ١)

متشابہ آیات کی تحقیق میں لگنا

﴿١٤٤﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ تَلَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الَّذِيْ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ وَقَرَأَ إِلَى وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَأَيْتَ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ رَأَيْتُمْ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمُ اللّٰهُ

فَاحْذَرُوْهُمْ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف:۲/۶۵۲،باب منه آیات محکمات، تفسیر سورۂ آل عمران، کتاب التفسیر، حدیث نمبر:۴۵۴۷،مسلم شریف:۲/۳۳۶،باب النهی عن اتباع متشابه القرآن، کتاب العلم، حدیث نمبر:۲۶۶۵۔

حل لغات: الباب لُبٌّ کی جمع ہے،عقل،فاحذروهم، امر حاضر حذرَ (ض)حذراً، چوکنا اور چوکس ہونا،الشیء ومنه ڈرنا،بچنا۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی آیت ”هو الذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات. وما یذکر الا اولو الالباب“ تک تلاوت فرمائی،ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم دیکھو اور مسلم کی روایت میں ہے جب تم لوگ دیکھو ان لوگوں کو جو قرآن کی آیات متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں،تو یہ وہی لوگ ہیں،جن کا اللہ تعالیٰ نے نام رکھا ہے،تو ان سے دور رہو۔

تشریح: دراصل قرآن کریم میں جو آیات اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہیں ان کو آیات محکمات کہتے ہیں اور جن آیات مبارکہ کے مفہوم ومعانی کھول کر بیان نہیں ہوئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت ان کو غیر واضح انداز میں بیان فرمایا ہے ان کو آیات متشابہات کہتے ہیں جیسے حروف مقطعات اور جیسے کہ ارشاد ربانی ہے:”ید الله فوق ایدیهم“ ایسی آیتوں سے کیا مراد ہے ان کے صحیح معنی کیا ہیں اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں مسائل واحکام کا مدار آیات محکمات پر ہے۔پس صحیح عقائد رکھنے والے اور پختہ ایمان رکھنے والے جب آیات متشابہات کو دیکھتے ہیں تو ان پر صرف ایمان لانا کافی سمجھتے ہیں

ان کے اصل معنی ومفہوم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

اور جن لوگوں کے دل ودماغ میں کجی ہوتی ہے وہ ان آیات متشابہات کے پیچھے لگے رہتے ہیں اوران کے معنی ومفہوم کو سمجھنے کے لئے الٹی سیدھی تاویلیں کرتے ہیں جن کے نتیجہ میں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔اس لئے ایسے لوگوں سے بچنے اور دور رہنے کا حکم فرمایا۔(التعلیق الصبیح ص ۱۲۱ ج/۱، مرقاۃ)

فائدہ: حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل حق کی صحبت اختیار کرنا چاہئے، اوراہل باطل کی صحبت سے احتراز واجتناب کرنا چاہئے۔ ؎

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

کلام الٰہی میں نزاع

﴿۱۴۵﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ ھَجَّرْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْماً قَالَ فَسَمِعَ اَصْوَاتَ رَجُلَیْنِ اِخْتَلَفَا فِیْ آیَۃٍ فَخَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْرَفُ فِیْ وَجْھِہٖ الْغَضَبُ فَقَالَ اِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِاِخْتِلَافِھِمْ فِی الْکِتَابِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۲/۳۳۹،باب النھی عن اتباع متشابہ القرآن، کتاب العلم الخ، حدیث نمبر:۲۶۶۶۔

حل لغات: اصوات، صوت کی جمع ہے، بمعنی آواز،ھجّرتُ، دوپہر کا چلنا ترک وطن کرنا، ملک بدر کرنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن دوپہر کے وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، راوی کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی آواز سنی جو کسی آیت کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر غصہ کے آثار ظاہر تھے، اس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

تشریح: هَجَّرْتُ: یہ باب تفعیل سے ہے اس کے معنی دوپہر کے وقت چلنے کے آتے ہیں یعنی شدید گرمی کے وقت دوپہر میں نکلنا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا اس وقت نکلنا اس وجہ سے تھا تاکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو محفوظ کرلیں اس سے حصول علم کے لئے تکلیف برداشت کرنے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

هلک من کان قبلکم: کثرت سوال اور اختلاف، ہلاکت کا سبب ہے کیوں کہ یہ دونوں ان احکام میں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے، شبہ کی علامت ہے یہ ہلاکت کا سبب ہوا اور اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو دل ودماغ کو شکوک وشبہات کے اندر مبتلا کر دے۔ (**التعلیق الصبیح ص: ۱۲۱ ج: ۱**)

بے فائدہ سوال

﴿۱۴۶﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ الْمُسْلِمِیْنَ فِی الْمُسْلِمِیْنَ جُرْمًا مَنْ

سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ عَلَى النَّاسِ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف:۲/۱۰۸۲،باب مایکرہ من کثرۃ السوال، کتاب الاعتصام، حدیث نمبر:۷۲۸۹، مسلم شریف:۲/۲۶۲،باب توقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ، کتاب الفضائل، حدیث نمبر:۳۳۵۸۔

ترجمہ: حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ مسلمان ہے کہ جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو لوگوں پر حرام نہیں کی گئی تھی پھر اس کے پوچھنے کی وجہ سے حرام کردی گئی۔

تشریح: جرماً: یہ اس شخص کے حق میں ہے جو ایسی چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور اس کو سب سے بڑا جرم اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ اس کا نقصان تمام مسلمانوں کو ہوتا ہے۔اس لئے کہ اس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ چیز حرام ہوگئی اور سب لوگ اس کے استعمال سے محروم ہوگئے اور سب لوگوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت اور بلا فائدہ باتوں کا سوال نہیں کرنا چاہئے۔فقط

گمراہ کرنے والوں کی صحبت سے بچنا

﴿۱۴۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ

الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا آبَاءُ کُمْ فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ۔(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۰، مقدمہ، حدیث نمبر: ۷۔

حل لغات: دَجَّالُوْن اس کا واحد دجال، انتہائی جھوٹا، فریب کار، مسیح کذاب کا لقب جس کا آخر زمانہ میں ظہور ہوگا، اور وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا، یضلونکم، اضلہ، (افعال) گمراہ کرنا، اللہ اعمالکم، اللہ تعالیٰ کا اعمال کو رائیگاں کرنا، یفتنونکم، فتن (ض) فتناً گمراہ کرنا، فتنہ میں ڈالنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ آخر زمانہ میں فریب کار جھوٹے لوگ تمہارے سامنے ایسی حدیثیں پیش کریں گے، جن کو نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے باپ داداؤں نے سنا ہوگا، تو تم ان سے دور رہو اور ان کو اپنے سے دور رکھو، تا کہ نہ وہ تم کو گمراہ کرسکیں اور نہ تم کو فتنہ میں ڈال سکیں۔

تشریح: دجالون: یہ لوگوں کو دھوکہ دینگے اور باطل کا ایسا لبادہ اوڑھیں گے جو بالکل حق کے مشابہ ہوگا مظہر کہتے ہیں کہ عنقریب یہ ایک ایسی جماعت آئے گی جو لوگوں سے کہیں گے کہ ہم علماء ہیں مشائخ ہیں ہم تم کو دین کی طرف بلاتے ہیں حالانکہ یہ لوگ اس بات میں جھوٹے ہوں گے اور جھوٹی احادیث بیان کریں گے باطل احکام کی طرف دعوت دیں گے اور ذہنوں میں فاسد اعتقاد بٹھائیں گے لہٰذا تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم ان تمام باتوں سے بچو۔

لا یفتنونکم: یعنی تم کو فتنہ میں مبتلا نہ کردیں اور وہ فتنہ شرک ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "الفتنة اشد من القتل" (التعلیق الصبیح ص ۱۲۱، ج ۱)

فائدہ (۱): اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ قیامت کے قریب دین میں تلبیسات کرنے والے لوگ ہوں گے ان کے باطل ہونے کی علامت یہ بیان فرمائی کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں گے، جو سلف میں نہیں ہوں گی، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بارہ میں حکم دیا کہ تم اپنے آپ کو ان سے دور رکھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو گمراہ کردیں اور فتنہ میں ڈالدیں۔

فائدہ (۲): اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عامی کے لئے باطل لوگوں کا لٹریچر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم "خذ ما صفا ودع ما کدر" پر عمل کرتے ہوئے، اچھی باتوں کو لے لیں گے اور بری باتوں کو چھوڑ دیں گے، لیکن سوال یہ ہے کہ ہر آدمی صحیح اور غلط میں تمیز کیسے کریگا؟ ہر آدمی کے اندر تمیز کا سلیقہ کہاں ہوتا ہے، صرف دعویٰ کردینے سے تو سلیقہ نہیں آجاتا بلکہ اس کے لئے ماہر کی تصدیق ضروری ہے کہ واقعی یہ شخص حق وباطل میں تمیز کرسکتا ہے۔

بنما بصاحب نظرے گوہر خود را
عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

[اپنے گوہر کسی صاحب نظر کو دکھاؤ، چند گدھوں کی تصدیق سے آدمی عیسیٰ نہیں ہوجاتا۔]

البتہ جس کے بارہ میں علماء اور مشائخ کی رائے یہ ہو کہ یہ صحیح اور غلط میں تمیز کرسکتا ہے اور اس کا اپنا رنگ پختہ ہوچکا ہے، اس کے لئے باطل کی کتابیں تردید اور غلطی واضح کرنے کی نیت سے پڑھنا جائز ہے۔ (اشرف التوضیح)

اہل کتاب کی تصدیق نہ تکذیب

﴿۱۴۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَاُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ

وَيُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا الْاٰيةَ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۱۲۵، باب مایجوز من تفسیر التوراة، کتاب التوحید، حدیث نمبر: ۷۸۴۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے ہیں، اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب کو نہ سچا مانو اور نہ جھٹلاؤ اور کہو کہ ہم اللہ تعالی پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف اتاری گئی ایمان لائے، آخر آیت تک۔

تشریح: اور انہی (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب (یعنی یہودی اپنی آسمانی کتاب) تورات کو (اپنی مذہبی زبان) عبرانی میں پڑھا کرتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے تھے (جو کہ اس زمانہ میں اکثر مسلمانوں کی زبان تھی اور قرآن اسی زبان میں نازل ہوا تھا) تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کا یہ عمل دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم سے) فرمایا کہ تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب کرو بلکہ یہ بات کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہماری طرف اتاری گئی آخر آیت تک۔

لاتصدقوا اهل الكتاب: یعنی یہود و نصاری اگر توراۃ وانجیل میں سے کوئی بات بیان کریں تو تم اس کی تصدیق نہ کرو کیونکہ وہ جو بات تمہارے سامنے بیان کریں گے ہو سکتا ہے کہ وہ محرف ہو چکی ہوں نیز تم اس کی تکذیب بھی نہ کرو کیونکہ احتمال ہے کہ حق اور سچ ہو بلکہ تم کہو۔

امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابرھیم الخ: یعنی جو بات حق ہوگی ہم اس پر ایمان لائیں گے اور تمام رسولوں پر اور اس چیز پر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف نازل کیا ہے اور جو حق بات نہ ہوگی نہ ہم اس پر ایمان لائیں گے اور نہ کبھی اس کی تصدیق کریں گے۔(التعلیق الصبیح ص:۱۲۲، ج:۱)

لاتصدقوا اھل الکتاب و لاکذبوھم: یہ حکم مطلق نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے، جو باتیں اہل کتاب اپنی کتابوں سے نقل کریں گے وہ کئی قسم کی ہوسکتی ہیں، بعض باتیں تو ایسی ہوں گی جن کی ہماری شریعت نے بھی تصدیق کی ہوگی، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نبی ہونا ان پر تورات نازل ہونا وغیرہ ایسی باتوں میں تو ان کی تصدیق کی جائے گی اس حیثیت سے کہ یہ باتیں ہماری شریعت میں بھی ثابت ہیں۔

بعض باتیں ایسی ہوں گی جن کی تکذیب کتاب وسنت میں موجود ہے، جیسے حضرت عزیر علیہ السلام کا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ابن اللہ ہونا، ایسی باتوں میں ان کی تکذیب کی جائے گی، تیسری قسم کی باتیں وہ ہیں جن کے بارہ میں کتاب وسنت ساکت ہیں، ایسے امور کے متعلق حکم ہے کہ نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ ہی ان کی تکذیب کرو۔(اشرف التوضیح)

محض سنی سنائی بات بیان کرنا

﴿۱۴۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۸/۱، مقدمہ، حدیث نمبر:۵۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ جس بات کو سنے اسے نقل کردے۔

تشریح: کفی بالمرء کذبا: یعنی کسی شخص کو جھوٹ بولنے کی عادت تو نہیں ہے لیکن اس کی ایک عادت ہے کہ جب کسی شخص سے کوئی بات سنتا ہے بغیر تحقیق دوسروں سے نقل کردیتا ہے یہ بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جن باتوں کو انسان سنے کہ وہ تمام کی تمام سچ ہی ہوں بلکہ اس میں کچھ جھوٹ بھی ہوسکتا ہے لہذا انسان کے لئے ضروری ہے جس بات کو سنے پہلے اس کی تحقیق کرے، جب اس کا سچ ہونا پختہ طور پر یقینی طور پر معلوم ہوجائے، پھر اس کو بیان کرے، اگر اس کے سچ ہونے کا یقین نہ ہو تو بیان نہ کرے، اسی طرح احادیث مبارکہ کے بارے میں بھی جس کا حدیث ہونا پختہ طور پر معلوم ہو تو بیان کرے، محض انکل سے بیان نہ کرے، اور جو شخص ہر سنی ہوئی بات بلا تحقیق بیان کرے وہ ضرور جھوٹ میں مبتلا ہوجائے گا۔ (التعلیق الصبیح: ۱/۱۲۳)

جہاد کے تین درجے

﴿۱۵۰﴾ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِي أُمَّتِهِ قَبْلِيْ إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّوْنَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُوْنَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۵۲/ ۱، کتاب الایمان، باب النهی عن المنکر من الایمان، حدیث نمبر: ۵۰۔

حل لغات: حبةٌ حبٌّ کا مفرد ہے، ایک دانا، ایک عدد، ایک رتی یا دو جو کے برابر وزن، ج حبوب، خر دلٌ، خردلةٌ رائی کا دانا، ج خرادل.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مجھ سے پہلے جو بھی نبی جس امت میں بھیجا گیا، اس امت کے کچھ لوگ اس کے مددگار اور اصحاب بنے، وہ اصحاب و مددگار اس کے طریقہ کو اختیار کرتے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے، پھر اس کے بعد ایسے نا خلف پیدا ہوئے جو لوگوں سے ایسی بات کہتے جو خود نہ کرتے، اور وہ کام کرتے تھے جن کا ان کو حکم نہ ملا تھا، تو جو شخص ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، اور جو ان سے اپنے دل سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔

تشریح: پچھلی امتوں میں کچھ لوگ نا خلف ہوا کرتے تھے اس حدیث میں یہ بتانا مقصود ہے اگر کچھ لوگ اس امت کے بھی اپنے سلف کی پوری پوری اتباع نہ کریں اور اخلاص کے ساتھ اپنی زندگی میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو داخل نہ کریں بلکہ محض دنیاوی اغراض کے واسطے دین کا لبادہ اوڑھیں تو ان لوگوں کو اپنے سلف کا خلف نہیں بلکہ نا خلف سمجھنا چاہئے جیسے کہ علماء سوء دنیا دار بے کردار لوگ وغیرہ۔

لوگوں کے ساتھ جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر طاقت انسان کے پاس ہو تو طاقت کے ذریعہ ایسے لوگوں کی بیخ کنی کرے اور اگر طاقت میسر نہ ہو تو زبان یعنی بات چیت کے ذریعہ ان کو نصیحت کرنی چاہئے اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے ان کو برا جانے اور برا

سمجھے اگر اس انسان کے اندر اتنی بھی سکت اور غیرت نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ برائی کو پسند کرتا ہے۔ (اور یہ چیز یعنی برائی کو پسند کرنا) یہ ایمان کی علامت نہیں بلکہ کفر کی علامت ہے۔ (التعلیق الصبیح، مرقات المفاتیح)

حواریون: اس کے معنی مددگار اور ہر عیب سے پاک ہونے کے آتے ہیں اور کہیں کہیں انکو رسول بمعنی قاصد کے لیا گیا ہے حضرت مسیح کے حواری ایسے تھے جیسے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم، حور کے معنی سفید کے ہیں مشہور یہ ہے کہ سب سے پہلے دو دھوبی ان کے معتقد ہوئے حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ کپڑے دھوتے ہو آؤ میں تمہیں دلوں کو دھونا سکھلاؤں چنانچہ وہ دھوبی انکے گرویدہ ہو گئے پھر تمام متبعین پر یہ لفظ بولا جانے لگا۔ (انوار القرآن ص ۵۴، ج ۲)

فضیلت دعوت وتبلیغ

﴿۱۵۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی کَانَ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَہٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَہٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ من اٰثَامِهِمْ شَیْئًا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۳۴۱، باب من سن سنة، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۷۴۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص نے نیک کام کی دعوت دی تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے

گا، جتنا اس شخص کو ملے گا، جس نے اس کی پیروی کی ہے، اور ان کے ثوابوں میں سے کچھ کمی نہیں کی جائیگی اور جس نے گمراہی کی دعوت دی تو اس کو اتنا ہی گناہ ملے گا، جتنا اس شخص کو جس نے اس کی پیروی کی ہے، اس سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

تشریح: من دعا الی الھدی: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نیکی کی اشاعت اور اس کے پھیلانے کا باعث بنتا ہے تو تنہا اس کو اتنا ثواب ملتا ہے جتنا اس نیکی اختیار کرنے والوں کو اور بھلائی کے قبول کرنے والوں کو ملتا ہے لیکن اس شخص کو اتنا ثواب ملنے کے باوجود اس نیکی اور بھلائی پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کمی نہیں ہوگی اسی پر اس شخص کو قیاس کرلینا چاہیے جو کسی برائی کو پیدا کرے اور اس کو رائج کرے اور کسی بری بات کا راستہ نکالے۔ (مرقاۃ ص/ ۲۳۳ ج ۱)

فائدہ: حدیث پاک سے دعوت وتبلیغ کی فضیلت ظاہر ہے، نیز کسی برائی کی دعوت دینے کی مذمت بھی ظاہر ہے۔

غرباء کے لئے خوشخبری ہے

﴿۱۵۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۸۴/ ۱، باب بیان ان الاسلام بدأ غریباً، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۴۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اسلام شروع میں غریب تھا اور ویسے ہی لوٹے گا، جیسا کہ وہ

شروع میں تھا تو خوشخبری ہے غرباء کے لئے۔

تشریح: غریبا: اس کے معنی اجنبیت بے گانگی کے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی مسافر اپنے اہل وعیال اپنے عزیزوں اور اپنے وطن سے دور رہ کر تنہائی اور اجنبیت سی محسوس کرتا ہے اسی طرح اسلام کا آغاز بھی ایسے ہی حال میں ہوا جہاں اسکی پشت پر کوئی سہارا نہیں تھا ہر طرف اجنبیت تنہائی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا اب آخر میں بھی ایسا ہی ہوگا کہ کفار ومشرکین اور محض نام کے مسلمانوں کی کثرت ہو جائے گی اور صادق الایمان اور مخلص دیندار کم رہ جائیں گے اور پھر ان کو بھی آغاز اسلام کی سی اجنبیت اور دین فراموش لوگوں کی ایذا رسانیوں اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا مگر وہ اس برے ماحول میں ہزار سختی جھیلنے کے باوجود اپنے دین وایمان کو محفوظ رکھیں گے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مضبوطی سے پکڑیں گے تو ایسے مسلمانوں کو مژدہ اور خوشخبری ہو۔ (مرقاۃ: ۲۳۴ ج ۱)

اخیر دور میں ایمان والے مدینہ میں سمٹ جائیں گے

﴿۱۵۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْإِيْمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا۔ (متفق علیه) وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ذَرُوْنِيْ مَاتَرَكْتُمْ فِيْ كِتَابِ الْمَنَاسِكِ وَحَدِيْثَيْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَجَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَايَزَالُ مِنْ أُمَّتِيْ وَلَايَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ فِيْ بَابِ ثَوَابِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲۵۲/۱، باب الایمان یأرز الی المدینة، کتاب فضائل الجمعة، حدیث نمبر: ۱۸۷۶، مسلم شریف: ۴۴/۱، باب بیان ان الاسلام بدأ الخ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۴۷۔

حل لغات: لیأرز اَرَزَ (ض،س) اَرْزاً واُرُوزاً سکڑنا، سمٹنا، الی المکان پناہ لینا، الحیة سانپ، جحرٌ بل، کھو، چھوٹے جانوروں کے رہنے کا سوراخ، ج جحورٌ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بلاشبہ ایمان مدینہ میں سمٹ کر اس طرح آ جائیگا، جیسے سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ کر چلا جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت "ذرونی ماترکتم" کو کتاب المناسک میں اور معاویہ اور جابر رضی اللہ عنہما کی حدیثیں "لایزال من امتی اور لایزال طائفة من امتی" "باب ثواب هذه الامة" میں ان شاء اللہ ہم نقل کریں گے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیشین گوئی کے ذریعہ اپنے زمانہ میں آغاز ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا، یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانہ کی طرف اشارہ فرمایا ہو کہ قیامت کے قریب ہر طرف کفر وشرک اور فسق وفجور کا بازار گرم ہو جائے گا تو سچے مسلمان اور مخلص دیندار پناہ لینے کے لئے قریب وبعید سے سمٹ سمٹ کر مدینہ طیبہ آ جائیں گے جیسے کہ سانپ جب اس کو کوئی خطرہ اپنے اوپر محسوس ہوتا ہے تو اس خطرہ سے بچنے کے لئے اپنے بل اور سوراخ کی طرف تیزی سے دوڑ کے آتا ہے بعض حضرات نے شام کا تذکرہ کیا یہ تذکرہ شام کے شرف کی وجہ سے ہے اور بعض نے مدینہ کے قرب وجوار کو مراد لیا ہے۔ (مرقاة ص ۲۳۴، ج ۱)

فائدہ: حدیث پاک سے مدینہ طیبہ (زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً) کی کرامت وفضیلت

بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ مدینہ طیبہ اخیر تک اسلام کا مرکز رہے گا، اور اخیر زمانہ میں جب کہیں ایمان نہیں رہے گا مدینہ طیبہ اس وقت بھی اسلام وایمان کا مرکز رہیگا۔ فقط

﴿الفصل الثانی﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی فضیلت اور اس کی مثال

﴿۱۵۴﴾ وَعَنْ رَبِيْعَةَ الْجُرَشِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اُتِيَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهُ لِتَنَمْ عَيْنُكَ وَلْتَسْمَعْ اُذُنُكَ وَلْيَعْقِلْ قَلْبُكَ قَالَ فَنَامَتْ عَيْنَايَ وَسَمِعَتْ اُذُنَايَ وَعَقَلَ قَلْبِيْ قَالَ فَقِيْلَ لِيْ سَيِّدٌ بَنٰى دَارًا فَصَنَعَ مَأْدُبَةً وَاَرْسَلَ دَاعِيًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَرَضِيَ عَنْهُ السَّيِّدُ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَسَخِطَ عَلَيْهِ السَّيِّدُ قَالَ فَاللّٰهُ السَّيِّدُ وَمُحَمَّدٌ الدَّاعِيْ وَالدَّارُ الْاِسْلَامُ وَالْمَأْدُبَةُ الْجَنَّةُ۔ (رواه الدرامی)

حواله: دارمی: ۱۸/۱، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکتاب المقدمة، حدیث نمبر: ۱۱۔

حل لغات: ولیعقل امر غائب، عقل (ض) عقلا سمجھنا، سَخِطَ سخطاً علیه (س) کسی سے ناراض ہونا، نفرت کرنا۔

ترجمه: حضرت ربیعہ جرشی رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (فرشتے) آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا

(یعنی فرشتوں نے کہا) چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سوجائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کان سنیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سمجھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوگئیں، میرے کانوں نے سنا، اور میرے دل نے سمجھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے ذکر کیا گیا کہ ایک سردار نے گھر بنایا، پھر اس نے کھانے کا دسترخوان چنا اور ایک بلانے والے کو بھیجا، تو جس شخص نے اس بلانے والے کی بات مانی وہ گھر میں داخل ہوگیا اور کھانے میں شریک ہوگیا، اس سے وہ سردار خوش بھی ہوا، لیکن جس نے اس بلانے والے کی بات نہیں مانی وہ گھر میں داخل نہیں ہوا اور نہ دسترخوان سے کھایا، اس سے وہ سردار ناراض ہوا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سردار سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں، بلانے والے سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، گھر سے مراد اسلام ہے، اور کھانے سے مراد جنت ہے۔

تشریح: اس حدیث پاک میں مالک سے مراد اللہ تعالیٰ، داعی سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، گھر سے مراد اسلام، اور کھانے سے مراد جنت، یہاں پر ذہن میں ایک بات پیدا ہوسکتی ہے کہ پیچھے ایک حدیث گذری ہے جس میں گھر سے مراد جنت اور کھانے سے مراد جنت کی نعمتیں لی گئی تھیں اور اس حدیث میں گھر سے مراد اسلام اور کھانے سے مراد جنت لی گئی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ فرق صرف لفظی تعبیر کا ہے نتیجہ کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ جنت میں داخل ہونے کا واحد راستہ اور سبب اسلام ہی ہے اس بنا پر اسلام کو گھر سے تشبیہ دی گئی ہے اب رہی کھانے کی بات اس سے مراد دونوں حدیثوں میں جنت کی نعمتیں ہی ہیں۔ (مرقاۃ: ۲۳۵، ج ۱، التعلیق الصبیح)

حدیث حجت شرعی ہے

﴿۱۵۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَ اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاْتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْ نَہَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اِتَّبَعْنَاہُ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیْ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالْبَیْہَقِیْ فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّۃِ۔

حوالہ: مسند احمد: ٦/٨، ترمذی شریف: ٢/٩٥، باب مانھی عنه ان یقال الخ، کتاب العلم، حدیث نمبر: ٢٦٦٣، ابوداود: ٢/٦٣٥، باب فی لزوم السنة، کتاب السنة، حدیث نمبر: ٤٦٠٥، ابن ماجه: ٣، باب تعظیم حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم، المقدمة، حدیث نمبر: ١٣، بیهقی، دلائل النبوة.

حل لغات: الفین، الفاه، پانا، اتفاقاً ملنا، متکئاً، اتکأ علی الشیء تکیہ لگانا، سہارا لینا، علی السریر، تخت پر سہارا لیکر بیٹھنا، تَکِیَ (س) تکئاً ٹیک لگا کر بیٹھنا، تکئی کی اصل وَکِیَ ہے، اریکۃٌ آراستہ تکیہ دار چوکی۔

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے صوفہ پر ٹیک لگائے ہوئے ہو، اس کے پاس میرے حکموں میں سے کوئی ایسا حکم آئے جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا ہو، یا جس سے میں نے منع کیا ہو، تو وہ کہے کہ میں اس کو نہیں جانتا ہوں، میں تو اس کی اتباع کرتا ہوں، جس کو کتاب اللہ میں پاتا ہوں۔ احمد، ابوداؤ، ترمذی، ابن ماجہ، اور بیہقی نے بھی اس کو دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں انکار حدیث کے اس فتنہ کی طرف واضح اشارہ ہے جو

وقتاً فوقتاً اس امت کے کچھ کم عقل لوگوں کی طرف سے اٹھتا رہا ہے وہ لوگ کہتے ہیں ہم جو قرآن میں پائیں گے اس پر عمل کریں گے اسکے علاوہ کسی بات پر عمل نہیں کریں گے حالانکہ اس طرح کا اعتراض کرنا جائز نہیں ہے جبکہ باری تعالیٰ نے خود فرمایا ہے "وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا" دوسری جگہ ارشاد باری ہے "وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" یحییٰ بن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح اتارا جیسا کہ قرآن کریم کو اتارا اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجتہد تھے ان کا اجتہاد وحی کے درجہ میں تھا جس میں غلطی نہیں ہو سکتی اور اگر غلطی ہوتی تو فوراً متنبہ کردئے جاتے۔(مرقاۃ: ۱/۲۳۶)

متکئا علی اریکته: اس سے مراد بے فکری اور بے اعتنائی کے ساتھ دین کے علم کی طلب و تحصیل سے دامن کش ہونا اور حدیث پر عمل کرنے سے انحراف کرنا ہے۔

منکرین حدیث کی مذمت

﴿۱۵۶﴾ **وَعَنْ** الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اَلَا يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانٌ عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ اَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمُ الْحِمَارُ الْاَهْلِيُّ وَلَا كُلُّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَلَا لُقَطَةُ مُعَاهِدٍ اِلَّا اَنْ يَّسْتَغْنِيَ عَنْهَا صَاحِبُهَا وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ اَنْ يَّقْرُوْهُ فَاِنْ لَّمْ يَقْرُوْهُ فَلَهٗ اَنْ يُّعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ

نَحْوَهٗ وَكَذَا ابْنُ مَاجَةَ إِلٰى قَوْلِهٖ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ۔

حوالہ: ابوداؤد: ۲/۶۳۲، باب لزوم السنة، کتاب السنة، حدیث نمبر:۴۶۰۴،ابن ماجه: ۳، باب تعظیم حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم، المقدمة، حدیث نمبر:۱۲،دارمی:۱/۵۷، حدیث نمبر: ۹۵.

حل لغات: شبعان شکم سیر،آسودہ، ج شباع، شبع (س) شِبَعاً دل بھر جانا، سیر ہو جانا،الناب، کچلی، سامنے کے چار دانتوں کے برابر والا دانت، یہ دونوں جانب ہوتے ہیں،ج انیابٌ و نیوبٌ وانیبٌ، یقروهٗ، قری (ض)قری مہمان نوازی کرنا۔

ترجمہ: حضرت مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ آگاہ رہو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اوراس جیسی چیز اس کے ساتھ دی گئی ہے، آگاہ رہو! وہ وقت قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا ہوا شخص اپنے تخت پر بیٹھ کر کہے گا کہ ”تمہارے لئے صرف اس قرآن کی اتباع ضروری ہے۔جس چیز کو تم اس میں حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور جس چیز کو اس میں حرام پاؤ اس کو حرام سمجھو“ بلاشبہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے وہ اسی طرح حرام ہے، جس طرح وہ چیز کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، آگاہ رہو! تمہارے لئے گھریلو گدھا حلال نہیں ہے، درندوں میں سے کچلی رکھنے والے جانور حلال نہیں ہیں، کسی معاہد کا لقطہ حلال نہیں ہے۔مگر یہ کہ وہ خود اس سے بے پرواہ ہوگیا ہو اور جب کوئی مہمان آئے تو اس کی ضیافت لازم ہے، اگر وہ اس کی مہمانی نہ کریں تو مہمان کو حق ہے کہ مہمانی کا بدلہ اسی قدر ان سے لے لے۔(ابوداؤد) ایسی ہی روایت دارمی نے بھی نقل کی ہے اوراسی طرح ابن ماجہ نے بھی لیکن ابن ماجہ کی روایت ”کما حرم اللہ“ تک ہے۔

تشریح: ومثلہ: اس سے حدیث نبوی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد

ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قرآن پاک مجھ پر نازل ہوا اسی طرح مضامین حدیث بھی مجھ پر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل ہوتے ہیں دونوں میں صرف فرق یہ ہے کہ قرآن وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی ہے لہٰذا دونوں واجب العمل ہیں۔

تردید فتنہ انکار حدیث

اس حدیث پاک میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتنہ انکار حدیث کی پیشین گوئی دے کر اس کی تردید فرمائی ہے کہ وحی صرف قرآن میں منحصر نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت سے احکام مجھے وحی سے ملے ہیں۔

یہاں "رجل شبعان علی اریکته" [وہ آدمی سیر ہوگا اور تکیے پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا] وغیرہ لفظ ارشاد فرما کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ عیش وعشرت کے نشے اور مستی کی وجہ سے ان کو ایسے باطل وکاذب دعوے سوجھ رہے ہیں، ہمارے بعض اساتذہ کا کہنا ہے کہ ہم نے بعض منکرین حدیث کو اسی ہیئت میں یہ بات کہتے ہوئے سنا ہے۔ منکرین حدیث کا اس طرح وجود خود حدیث کے صحیح اور اس کے محفوظ ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مثال کے طور پر ایسے مسائل شریعت بتائے ہیں جو قرآن کریم میں صراحۃً مذکور نہیں ہیں۔

مہمان نوازی نہ کرنیکی صورت میں مہمان کو مہمانی کے بقدر وصول کرنا

ومن نزل بقوم فعليهم: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آبادی یا کسی خاندان میں کوئی مہمان آکر اترے تو اس خاندان اور آبادی والوں پر اس کی مہمان نوازی لازم ہے اگر وہ مہمان نوازی نہیں کرتے ہیں تو اس مسافر مہمان کو حق ہے کہ مہمانی کے بقدر رقم

زبردستی وصول کرلے لیکن شارحین حدیث میں سے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حکم ابتداء زمانہ میں تھا اب یہ حکم منسوخ ہے۔(مرقات ص ۲۳۸، ج ۱)

(۱)...... یا یہ حدیث حالت اضطرار پر محمول ہے، یعنی اگر بھوک اتنی لگی ہوئی ہو کہ جان جانے کا خطرہ ہو تو بقدر ضرورت ان کی اجازت کے بغیر کھالینا جائز ہے، گو بعد میں قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

(۲)...... بعض حضرات نے فرمایا ہے: کہ یہ حدیث عام نہیں بلکہ بعض کافر قبائل سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معاہدہ تھا کہ ہمارے مجاہدین اگر تمہارے پاس سے گذریں تو ان کی مہمان نوازی کرنا اوران کو کھانا کھلانا، یہ گویا جزیہ کا ایک حصہ تھا ان کے بارہ میں یہ حکم ہے کہ اگر وہ خود کھانا نہ کھلائیں تو ان سے زبردستی بھی لیا جاسکتا ہے۔ جزیہ زبردستی وصول کرنا جائز ہے۔

ایضاً

﴿۱۵۷﴾ وَعَنُ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيَحْسِبُ اَحَدُكُمْ مُتَّكِئاً عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَظُنُّ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئاً اِلَّا مَا فِيْ هٰذَا الْقُرْآنِ اَلَا وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ اَمَرْتُ وَوَعَظْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ اَشْيَاءَ اِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْآنِ اَوْ اَكْثَرُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا بِاِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَائِهِمْ وَلَا اَكْلَ ثِمَارِهِمْ اِذَا اَعْطَوْكُمُ الَّذِيْ عَلَيْهِمْ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ اِسْنَادِهٖ اَشْعَثُ بن شُعْبَةَ الْمِصِّيْصِيُّ قَدْ تُكُلِّمَ فِيْهِ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۴۳۲، باب فی عشیر اهل الفرقة،

کتاب الخراج، حدیث نمبر: ۳۰۵۰۔

تنبیه: ابوداؤد شریف میں یہ حدیث طویل ہے، صاحب مشکوۃ نے کچھ ہی حصہ نقل کیا ہے۔

ترجمه: حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے تخت پر ٹیک لگائے اس خیال میں مبتلا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ صرف وہی چیزیں ہیں، جن کو قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے؟ یاد رکھو! خدا کی قسم جن چیزوں کا میں نے حکم کیا اور جن چیزوں کی میں نے نصیحت کی نیز جن چیزوں سے میں نے منع کیا وہ قرآن کے بقدر ہیں یا قرآن سے زیادہ ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اہل کتاب کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے کو ممنوع قرار دیا ہے، اور تمہارے لئے ان کی عورتوں کو مارنا اور ان کے پھلوں کو نقصان پہونچانا اس وقت تک جائز نہیں ہے، جب تک وہ تم کو وہ چیز دیتے رہیں جو ان پر واجب ہے، اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے، اور اس کی اسناد میں ایک راوی ''اشعث ابن شعبہ المصیصی'' ہیں، جن کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

تشــریح: اس حدیث پاک میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان چند احکام کا ذکر فرمایا جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں ان کو چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا لہٰذا یہ بھی واجب التعمیل ہیں جس طرح قرآن کریم میں مذکور احکام۔ (مرقات ص ۲۳۹، ج ۱)

فائده: ان دونوں حدیثوں سے احادیث صحیحہ کا حجت ہونا بخوبی معلوم ہوگیا۔ فقط

اتباع سنت اور بدعت سے اجتناب

﴿۱۵۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَأَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَأَوْصِنَا فَقَالَ أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَإِنَّهٗ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وابوداؤد والترمذی وابن ماجة الا انهما لَمْ يَذْكُرَا الصَّلٰوةَ۔

حواله: ترمذی: ۲/۹۶، باب اجتناب البدعة، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۷۶، ابوداؤد: ۲/۶۳۵، باب لزوم السنة، کتاب السنة، حدیث نمبر: ۴۶۰۷، ابن ماجه: ۵، باب اتباع سنة الخلفاء، المقدمة، حدیث نمبر: ۴۳۔

حل لغات: ذَرَفَتْ، ذَرَفَ (ض) الدمع، ذرفاً وذُروفاً آنسو بہنا، وجلتْ وَجِلَ (س) وَجلاً ڈرنا، گھبرانا، عضوا عضه وبه وعليه (ض) عضاً وعضيضاً، دانتوں سے پکڑنا، مضبوطی سے تھامنا، نواجذ (و) ناجذ، داڑھ۔

ترجمه: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی، پھر چہرہ مبارک ہماری طرف پھیرا، اس کے بعد ہمیں نہایت بلیغ نصیحتیں فرمائیں، جس کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے اور دل

لرز اٹھے، اس وقت ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو رخصت ہونے والے کی نصیحت کی طرح ہے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کچھ وصیت فرما دیجئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے اور اطاعت وفرمانبرداری کرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، بلاشبہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، تو تمہارے اوپر میری سنت کی اتباع اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کی اتباع لازم ہے، اسی پر بھروسہ کرنا اور اسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور نئے کاموں سے بچنا، اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے، اس روایت کو احمد، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے، لیکن ترمذی اور ابن ماجہ نے نماز کا ذکر نہیں کیا ہے۔

تشریح: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین: اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ حضرات خلفاء کرام رضی اللہ عنہم کی سنت کو بھی لازم پکڑنے کا حکم فرمایا، معلوم ہوا خلفاء راشدین کی سنت بھی معیار حق ہے، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے خلفاء راشدین کا مقام بیان کرتے ہوئے ایک نہایت جامع جملہ ارشاد فرمایا ہے: ''خلفاء راشدین کا مقام تشریع اور اجتہاد کے درمیان ہے۔'' تشریع نبی کا مقام ہوتا ہے اور اجتہاد ائمہ مجتہدین کا کام ہے۔ خلفاء راشدین کا مقام نہ تو تشریع والا ہے، بلکہ اس سے نیچے ہے اور نہ ہی ائمہ مجتہدین والا ہے بلکہ اس سے اوپر ہے، لہٰذا ان کا مقام دونوں کے درمیان ہے۔ (اشرف التوضیح)

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا اتباع

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہو گیا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی سنت کا اتباع ضروری ہے، اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کا اتباع بھی ضروری اور لازم ہے، اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے ہی کے مثل ہے، اس لئے کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت پر عمل کرنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہی فرمایا ہے۔

مثلاً تراویح کی بیس رکعات امام کے ساتھ ادا کرنے کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا، یا مثلاً جمعہ کی اذان اول کا طریقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا، اور پوری امت نے اس کو قبول فرمایا، پس ان دونوں چیزوں کی پابندی بھی ضروری ہوگی۔

پس جو لوگ ان دونوں چیزوں کو بدعت کہہ دیتے ہیں وہ غور کریں، حدیث مذکورہ کی روشنی میں کہ صراحۃً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر اپنے اعتماد کا اظہار فرمائیں، اور یہ لوگ ان کو بدعتی قرار دیں، گویا نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے بدعتی ہونے کا علم نہیں تھا، اور یہی حضرات اگر بدعتی ہوئے تو پورا دین ہی ان حضرات کے ذریعہ اور واسطے سے امت کو پہونچا ہے، تو پورے دین ہی سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ **نعوذ باللہ من ذلک.**

وان کان عبدا حبشیا: اگر چہ تمہارا امیر حبشی غلام ہو اس بات سے اسلامی امیر و حاکم کی اطاعت و فرماں برداری کی اہمیت کو زیادہ سے زیادہ بتلانا مقصود ہے کہ اس کے احکام اور بات کو ماننا ضروری ہے خواہ وہ حسب و نسب اور رنگ کے اعتبار سے کیسا ہی ہو اس کی بات کو ٹالنا جائز نہیں ہے۔

فسیری اختلافا کثیرا: اس سے اشارہ ہے اہل بدعت کے ظاہر ہونے اور اہل خواہش کے پیدا ہونے کی طرف۔

وعضوا علیها بالنواجذ: یہ اردو کا محاورہ ہے جس کا مطلب ہوتا ہے حصول

مقصد کیلئے بے حد کوشش کرنا کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑنا۔(مرقات ص ۲۴۰، ج ۱)

صراط مستقیم اور شیطان کے راستے

﴿۱۵۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَطَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطاً عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَالَ هٰذِهٖ سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُوْ إِلَيْهِ وَقَرأَ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْماً فَاتَّبِعُوْهُ الاٰية۔ (رواه احمد والنسائی والدارمی)

حواله: مسند احمد: ۴۳۵/۱، دارمی: ۷۸/۱، باب فی کراھیة اخذ الرأی، المقدمة، حدیث نمبر: ۲۰۲۔

ترجمه: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک سیدھی لکیر کھینچی، پھر کہا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لکیر کے دائیں اور بائیں کچھ لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ بھی راستے ہیں، جن میں سے ہر ایک راستے پر ایک شیطان ہے اور وہ شیطان اس راستے کی طرف بلا رہا ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت "ان ھذا صراطی مستقیما الخ" [یہ میرا سیدھا راستہ ہے، تو اسی پر چلو الی آخرہ] پڑھی۔

تشــــریح: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک خط (لکیر) کھینچی یہ معقولات کو محسوسات کے ذریعہ سمجھانے کا ایک آسان طرز ہے آپ نے ایک لکیر کھینچ کر فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، ایسا نہیں ہے کہ حقیقتاً

وہی اللہ کا راستہ تھا۔ بلکہ یہ آپ نے بطور مثال فرمایا[1] اور پھر اس کے دائیں بائیں لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہ سب راستے ہیں ان میں سے ہر ایک پر شیطان بیٹھا ہوا ہے جو اسکی طرف بلا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا راستہ صرف ایک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی واحد ہے اور اللہ تعالیٰ اس راستہ کی طرف بلاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور استشہاد یہ آیت پڑھی و ان هـذا صـراطـي مستقيما فاتبعوه[2] الخ. [یہ دین اسلام (اور اسکے تمام احکام) میرا راستہ ہے، (جس کی طرف میں باذن الٰہی دعوت کرتا ہوں) جو کہ (بالکل) مستقیم (اور راست) ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے (جس کی طرف

---

[1] شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: هـذا سبيـل الله ثـم خـط خطوطا اصل مقصد کی جانب اشارہ ہے، جو فراط وتفریط کے درمیان ہے اس لئے کہ اہل بدعت کے راستے حق سے ہٹ کر ایک جانب کو جھکے ہوتے ہیں، مثلا قدریہ اور جبریہ کا مسئلہ ہے تو جبریہ اپنے قول: لاكسـب ولا اختيـار للعبد کی وجہ سے حق سے روگرداں ہیں، چونکہ وہ تفریط ہے اور تفریط آسمانی کتابوں اور رسولوں کے بتاان کی جانب پہنچاتی ہے، اور قدریہ بھی حق سے روگرداں ہیں اس لئے کہ وہ مخلوق کو اپنے افعال کا خالق قرار دیتے ہیں اور یہ افراط ہے جو مفضی الی الشرک ہے، پس اہل سنت والجماعت کا راستہ ہی اصل مطلوب ومقصود ہے اس لئے ان کا عقیدہ ہے، ان كـل مايجرى على العباد فهو بقضـاء الله وقدره کہ جو کچھ بندوں پر جاری ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور قدر کی وجہ سے ہے اور وہ بندوں کے کسب واختیار کے بھی قائل ہیں۔ (الـطيبـي: ۳۶۳/ ۱، باب الاعتصام بالكتاب والسـنة)

[2] فاتبعوه الآية بعدها ولا تتبعوا السبل: یعنی شیطانوں کے راستے جو اصل سے ہٹے ہوئے اور ٹیڑھے ہیں جو شرک وبدعت کے راستوں سے نکلنے والے ہیں اور جن کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان: سـتفـترق امتي على ثلاث وسبعين فرقة كلها في النار الا التي على ما كنت عليه انا واصـحابي سے اشارہ فرمایا ہے، اور اس حدیث شریف کی وجہ سے ہر گروہ اور فرقہ کا دعویٰ ختم ہو جائے گا کہ وہ صراط مستقیم پر ہے فتفرق بكم عن سبيله یہ اشارہ ہے کہ حق راستہ کا اجتماع باطل راستے کے ساتھ ممکن نہیں ہے: ذالكم وصـاكم به لعلكم تتقون [اسی کی اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکید کی ہے تاکہ تم اس کے عذاب اور اس کی مخالفت سے بچو!] (مرقاة: ۲۴۵/ ۱، باب الاعتصام بالكتاب والسـنة)

میں دعوت کرتا ہوں) جدا (اور دور) کردیں گی، اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم (اس راہ کے خلاف) کرنے سے احتیاط رکھو۔] (بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ کا راستہ محسوس نہیں اس لئے وہ نظر بھی نہیں آتا۔ ہاں قرآن شریف کی شکل میں اللہ تعالیٰ کا راستہ صاف اور کھلا ہوا موجود ہے جس پر سب نشانات لگا دیئے گئے ہیں۔

اس معقول حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح سمجھایا کہ قرآن شریف میں نہ افراط ہے نہ تفریط ہے بلکہ وہ سیدھا معتدل اور معقول راستہ ہے جس میں طبیعت کا لحاظ اور نفسیات کی رعایت رکھی گئی ہے ہر پہلو اس طرح سے نبھایا گیا ہے کہ دوسرا پہلو اس سے نظر انداز نہیں ہوتا مفسرین کے نزدیک اس سے **فاستقم کما امرت** مراد ہے کہ اعتدال کے ساتھ زندگی گزار دینا ہی انسان کا سب سے بڑا کمال ہے۔

حضرت جنیدؒ کی خدمت میں ایک شخص دس سال تک رہے اور ملول خاطر ہوکر واپس چل دیئے انہیں جنید میں کوئی کمال نظر نہیں آیا، حضرت جنیدؒ نے اس سے پوچھا کہ اتنی مدت میں کوئی خلاف سنت کام دیکھا اس نے کہا نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ یہی تو سب سے بڑا کمال ہے اس سے بڑا کمال اور کیا ہوگا کرامتیں تو غیر اختیاری ہوتی ہیں۔

اپنی خواہشات دین کے تابع کرنا کمال ایمان ہے

﴿۱۶۰﴾ **وَعَنْ** عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ۔ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ قَالَ النَّوَوِیُّ فِیْ اَرْبَعِیْنِہٖ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ وَرَوَیْنَاہُ فِیْ

بِكِتَابِ الْحُجَّةِ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ۔

حوالہ: شرح السنة: ۲۰۲/۱، باب رد البدع، والاهواء، كتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۰۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز کے تابع نہ ہوجائیں جس کو میں لیکر آیا ہوں، اس روایت کو ''شرح السنة'' میں نقل کیا ہے، امام نوویؒ نے اپنی چہل حدیث میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کو ہم نے صحیح سند کے ساتھ "كتاب الحجة" میں نقل کیا ہے۔

تشریح: یعنی جب تک وہ اپنی خواہشات کو شریعت کے مطابق نہ بنالے اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا مطلب یہ ہے تم خواہشیں پوری کرو مگر شرعی حدود میں رہ کر گھروں میں خوب ٹھاٹ لگاؤ مگر سونے چاندی کے برتن نہ ہوں اور حد اسراف میں داخل نہ ہوں خوب عمدہ کپڑے پہنو مگر ریشم وحریر نہ ہوں اور حد اسراف میں داخل نہ ہوجائے۔

اس میں اختلاف ہوا کہ یہاں نفی اصلی مراد ہے، یا نفی کمال۔ تو بعض کہتے ہیں کہ یہاں نفی اصلی مراد ہے کہ دل سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام کو یقین کرے، منافقین کی طرح اکراہ وقتل وتلوار کی بناء پر نہ ہو بلکہ کامل اعتقاد کے ساتھ ''ما جئت به'' کے تابع ومقتدی ہو ورنہ تو وہ مومن ہی نہیں۔ لہذا اصل ایمان کی نفی ہوئی۔

علامہ حافظ توربشتیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں کمال ایمان کی نفی مراد ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جیسا اپنی مرغوبات ومالوفات سے محبت ہوتی ہے اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام واخلاق دل وجان سے قبول کرے، کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کرے، بلکہ دل میں فرحت وخوشی محسوس کرے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو حاصل

ہوتا ہے اور یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ دل میں انجلاء ونورانیت ہو، اور بہیمیت اور آلائش نفسانیہ ختم ہوجائے تو اعمال شرعیہ کھانے پینے کی طرح مرغوب ہوجائیں گے۔ (مرقاۃ: ۱/۲۴۴)

سنت کو زندہ کرنے کا ثواب

﴿۱۶۱﴾ وَعَنْ بِلَالِ بْنِ حَارِثٍ الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِيْ قَدْ اُمِيْتَتْ بَعْدِيْ فَاِنَّ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ لَا يَرْضَاهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئًا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۹۶، باب ماجاء فی الاخذ بالسنة، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۷۷، ابن ماجه: ۱۹، باب من احیاء سنة، المقدمة، حدیث نمبر: ۲۱۰۔

حل لغات: اثم جمع آثام، گناہ، وِزرٌ جمع اوزارٌ جرم، گناہ، وزر (ض) وزراً گنہگار ہونا۔

ترجمہ: حضرت بلال ابن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس نے میری اس سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد ترک کردی گئی ہو تو اس کے لئے یقیناً اتنا ثواب ہے جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو

ملے گا،بغیر ان کے ثواب میں سے کچھ کمی کئے ہوئے اور جس نے کوئی ایسی گمراہ کن بات ایجاد کی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ناپسند ہے تو اس کے لئے اتنا ہی گناہ ہے جتنا کہ عمل کرنے والوں کو ملے گا، ان کے گناہوں میں سے کچھ کمی کئے بغیر، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو کثیر ابن عبداللہ ابن عمرو سے اور انہوں نے اپنے باپ (عبداللہ) سے اور انہوں نے کثیر کے دادا (عمرو) سے نقل کیا ہے۔

تشریح: مَنْ اَحیَا سُنَّۃً مِنْ سُنَّتِی الخ: انکا زندہ کرنا یہ ہے کہ ان پر عمل کرے اور اس پر لوگوں کو رغبت دلائے اور اس کے قائم رکھنے پر ابھارے۔
(الطیبی:۲۶۶/۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃ: اضافت کے ساتھ مروی ہے اور دونوں کو موصوف اور صفت ہونے کی بنا پر منصوب پڑھنا بھی جائز ہے اور یہی بدعت ہے جس سے ائمہ مسلمین نے منع فرمایا ہے، جیسے قبروں پر تعمیر کرنا اور ان پر پلاسٹر کرنا، چادر چڑھانا وغیرہ اور بدعت کے ساتھ ضلالت کی قید لگانا اس سے بدعت حسنہ کو خارج کرنے کے لئے ہے، جیسے مسجد مینار وغیرہ کو تعمیر کرنا۔(مرقاۃ:۲۴۶/۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

جیسا کہ اگر کوئی شخص سنیما ہال وغیرہ بنا دے تو قیامت تک جتنے لوگوں کو اس کے دیکھنے کا گناہ ہوگا ان سب کے برابر اس بنانے والے کو ہوگا اور ان کے گناہ میں کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی۔

دینی بگاڑ کی اصلاح کی فضیلت

﴿۱۶۲﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُولُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الدِّيْنَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّيْنُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَّةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ إِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيْباً وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبىٰ لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ۔ رواه الترمذی۔

حواله: ترمذی شریف: ۹۱/۲، باب ماجاء ان الاسلام بدا غریباً الخ، ابواب الایمان، حدیث نمبر: ۲۶۳۰۔

حل لغات: اروِیہ پہاڑی بکرا، نر و مادہ دونوں کے لئے ہے، ج اَرْوِیٰ خلاف قیاس، لیعقلن عقل (ض) عقلاً کسی کی پناہ میں آنا۔

ترجمه: حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بلاشبہ دین حجاز میں اس طرح سمٹ آئے گا جیسا کہ سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ آتا ہے اور دین حجاز میں اس طرح پناہ لے گا جیسا کہ بکری پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لیتی ہے، یقیناً دین اجنبی بن کر شروع ہوا ہے اور جیسا شروع ہوا تھا ویسے ہی لوٹے گا، تو خوشخبری ہے غرباء کے لئے اور یہ وہ لوگ ہیں، جو اس بگاڑ کو درست کریں گے، جسے لوگوں نے میرے بعد میری سنت میں پیدا کر دیا ہوگا۔

تشریح: ولیعقلن الدین: البتہ ضرور پناہ لے گا دین حجاز[1] کی طرف معقل الارویۃ معقل مصدر ہے جو مفعول مطلق برائے نوعیت واقع ہو رہا ہے۔

---

[1] الحجاز: مکہ مدینہ اور ان سے ملے ہوئے شہر حجاز کہلاتے ہیں، انکا نام حجاز اس لئے رکھا گیا کہ یہ جگہ نجد اور غور کے درمیان رکاوٹ اور فاصل بنتی ہے، لیعقلن یہ جواب قسم ہے، اور قسم اقسم باللہ محذوف ہے اور جملہ معطوفہ ان کی خبر ہے، الملین اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھدیا گیا ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ جملہ کا عطف جملہ پر ہے اور حروف تاکید کو دوبارہ لایا گیا ہے اور اسم ظاہر کو ضمیر کے قائم مقام کر دیا گیا ہے، اس لئے کہ یہ تمثیل زیادہ بہتر ہے اور دین سے زیادہ مناسب ہے۔ (الطیبی: ۳۶۷/۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

اروية: جنگل میں چرنے والی بکری کو کہا جاتا ہے جس طرح وہ درندوں کے خوف سے پہاڑی پر جائے پناہ پکڑتی ہے اسی طرح دین بھی حجاز مقدس میں چلا جائے گا دین سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں آیا اور آخر میں بھی وہیں رہے گا مکہ شریف میں بھی اس وقت تک دین غلبہ کے ساتھ نہیں آیا جب تک کہ وہ مدینہ منورہ میں نہیں آیا ۸ھ کے بعد جب مکہ فتح ہوا اس وقت وہاں دین غالب ہوا۔

اشکال مع جواب

ماقبل والی روایت میں "ان الايمان ليارز الى المدينة" آیا ہے، کہا گیا ہے کہ اس روایت اور ماقبل والی روایت کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ دین اور ایمان دو مترادف چیزیں ہیں، کہ وہ پہلے پورے حجاز میں داخل ہوگا اور پھر مدینہ میں اس لئے کہ وہ اس کا پہلا ٹھکانا ہے پھر مدینہ کی جانب عود کریگا تاکہ وہ اس کا دوسرا مستقر بھی ہو جائے، اس لئے کہ ابتداء کی طرف رجوع کرنا ہی انتہاء ہے، نیز اسلئے کہ مدینہ طیبہ نبوت کے چھپنے کی جگہ ہے، پس وہ شریعت کے چھپنے کی جگہ بھی ہو جائے مناسب ہے۔(مرقاة: ٢٤٦/ ١، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

ان الدين بدأ غريبا: بیشک دین اجنبیت کے ساتھ شروع ہوا اور وہ ایسے ہی لوٹیگا۔

چونکہ ہر شئی کا قاعدہ یہی ہے کہ وہ جس طرح شروع ہوتی ہے اسی طرح وہ اختتام پذیر ہوتی ہے چنانچہ انسان کا بڑھاپا اس کے بچپن کی طرح ہوتا ہے بوڑھے آدمی کا مزاج بچے کے مزاج کے مانند ہوتا ہے تو چونکہ دین کا بچپن اجنبیت کے ساتھ ہوا ہے اسی لئے اس کا بڑھاپا بھی اجنبیت کے ساتھ ہوگا۔

چنانچہ آج اس کا خوب مشاہدہ ہو رہا ہے کہ دینی شعار و اعمال لوگوں کو عجیب لگ رہے ہیں۔ کیا آج ڈاڑھی والا چہرہ اجنبی نہیں لگتا؟

ایک تبلیغی جماعت کسی ایسے علاقے میں پہنچی جہاں سب لوگ سپاٹ چہرہ والے اور کوٹ پتلون والے تھے۔ انہوں نے تبلیغی لوگوں کو دیکھا کہ سب کے چہروں پر ڈاڑھی ہے لمبے کرتے اور اونچے پائجامے ہیں اور سب ہی کے ہاتھوں میں مسواک اور لوٹا ہے تو ان کو یہ لوگ بڑے عجیب واجنبی لگے انہوں نے ایسے لوگوں کی جماعت کہاں دیکھی تھی اس لئے سب لوگ ان کے چاروں طرف تماشائیوں کی طرح اکٹھا ہو گئے ان کو اجنبیت تو ضرور ہوئی مگر پھر بھی سمجھدار لوگوں نے ان کو اچھی نظروں سے دیکھا اور ان کے ہاتھ پیروں کو چوما اس لئے کہ اس غرابت اور اجنبیت میں ایک شان محبوبیت بھی پائی جاتی ہے۔

فطوبی للغرباء: پس مبارک باد ہے ان غرباء کے لئے جو اس وقت میں دین کو اپنا کر اجنبی بنیں گے اور وہ غرباء ایسے لوگ ہوں گے جو میری اس سنت و دین کو زندہ کریں گے اور صحیح طریقہ پر اس کو اپنائیں گے جس میں لوگوں نے فساد پیدا کر دیا ہوگا اور ان کی شکل کو بگاڑ دیا ہوگا۔

فائدہ: حدیث پاک میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب امت میں بگاڑ ہوگا اللہ تعالیٰ ایسے افراد اور ایسی جماعت کو پیدا فرمائیں گے جو اس بگاڑ کی اصلاح کریں گے، اور سنتوں کو زندہ کریں گے، چنانچہ اس امت کی پوری تاریخ اس سے بھری ہوئی ہے کہ جب جب بگاڑ کا غلبہ ہوا اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد پیدا فرمائے جنہوں نے اس بگاڑ کی اصلاح فرما کر سنتوں کو زندہ کیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی قدس سرہ کی تاریخ دعوت وعزیمت میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے، اور اس کا مطالعہ اس موضوع پر انتہائی مفید ہے۔

ہم سب کو غور کرنا چاہئے کہ ہم اس سلسلہ میں کیا محنت کر سکتے ہیں، تا کہ اس مبارک جماعت میں شمولیت ہو کر فطوبیٰ للغرباء کے مصداق بن سکیں۔ اللھم اجعلنا منھم.

امت کے تہتر فرقے اور فرقۂ ناجیہ

﴿۱۶۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْتِيَنَّ[ع] عَلٰى أُمَّتِيْ كَمَا أَتٰى عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ أُمَّتِيْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَإِنَّ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ أَحْمَدَ وَأَبِيْ دَاوُدَ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِيْ أُمَّتِيْ أَقْوَامٌ تَتَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ لَا يَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مِفْصَلٌ إِلَّا دَخَلَهٗ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۹۳، باب افتراق ھذہ الامة، ابواب الایمان، حدیث نمبر: ۲۶۴۲، ابوداؤد شریف: ۲/۲۳۱، کتاب السنة، حدیث نمبر: ۴۵۹۷، مسند احمد: ۲/۱۰۲.

[ع] اتی کے بعد جب علی آتا ہے اور زمانہ اس کا فاعل ہوتا ہے تو اس سے ہلاکت کا زمانہ مراد ہوتا ہے، تو جب بنی اسرائیل پر ہلاکت کا زمانہ آیا تھا تو اس امت پر بھی ہلاکت کا زمانہ آئے گا، اور بنی اسرائیل کے موافق ناجائز اعمال کریں گے، ان پر نفسانی خواہش غالب ہوگی ماں وغیرہ کی بھی تمیز نہ ہوگی۔

حل لغات: حذو حذ النعل حذوا بالنعل جوتے کوکسی کے نمونہ پر بنانا، حذا فلانٌ حذو فلانٍ کسی کے طریقہ پر چلنا،تتجاریٰ سرایت کرنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ یقیناً میری امت پر ایسا دور آئے گا، جیسا بنی اسرائیل پر آیا تھا، بالکل اس طرح جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے، حتی کہ اگر ان میں سے کسی شخص نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہوگا تو یقیناً میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو یہ کام کرے گا، یقیناً بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہوگی، سوائے ایک فرقہ کے سب کے سب جہنم میں جائیں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ فرقہ کون سا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ (ترمذی) احمد اور ابو داؤد کی روایت میں جو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں اور یہ فرقہ وہ ہوگا جو جماعت ہے قریب ہے کہ میری امت میں ایسے گروہ ظاہر ہوں کہ جن میں نفسانی خواہشات اس طرح سرایت کئے ہوگی جیسے کہ ہڑک والے کتے میں ہڑک سرایت کر جاتی ہے، اور کوئی رگ و جوڑ ایسا باقی نہیں بچتا جس میں وہ ہڑک سرایت نہ کرگئی ہو۔

تشریح: حذوا النعل بالنعل: جس طرح دونوں جوتے بالکل برابر ہوتے ہیں ان میں ذرا بھی فرق نہیں ہوتا اسی طرح ان دونوں میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا نامعقول شخص تھا جس نے اپنی ماں سے کھلے عام بدکاری کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

اس سے بڑھ کر کونسی بری حرکت ہوگی کہ اول تو زنا اور پھر وہ بھی ماں کے ساتھ اور پھر

مزید برآں کھلے عام۔

اور بنی اسرائیل متفرق ہوئے بہتر فرقوں اور شعبوں پر تو میری امت تہتر فرقوں پر متفرق ہوگی۔

فرقۂ ناجیہ

ایک فرقہ کو چھوڑ کر سب کے سب جہنم میں جائیں گے یعنی صرف ایک فرقہ جنت میں جائیگا اور وہ فرقہ ہوگا جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوگا۔

اس سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں، باقی اس پر اشکال ہوتا ہے۔

اشکال: اشکال یہ ہے کہ فرقۂ ناجیہ اہل سنت ہی ہے یہ کیسے معلوم ہوا حالانکہ ہر فریق اپنے کو ناجیہ کہتا ہے؟

جواب: یہ صرف دعویٰ وعقلی استدلال سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ تو اتر اخبار تتبع وتفحص حدیث وآثار سے بھی معلوم ہوا کہ اہل سنت والجماعت جس عقیدے پر ہیں یہ وہ عقیدہ ہے کہ جس پر صحابہؓ وتابعینؒ تھے۔لہذا اہل سنت ہی فرقۂ ناجیہ ہیں کیونکہ دوسرے فرقوں نے جو بدعات ایجاد کی ہیں وہ متقدمین سلفِ صالحین وصحابہ وتابعین کے زمانہ میں حسب تتبع وتلاش نہ تھیں، بلکہ بعد میں آ کر ایجاد کی ہیں، چنانچہ ائمہ مجتہدین ارباب مذاہب اربعہ محدثین واصحاب کتب ستہ اسی مذہب پر ہیں۔(**تنظیم الاشتات: ۱۰۳/۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنة**)

تہتر فرقے

پھر یہاں جو مختلف فرقے بیان کئے گئے ہیں ان سے وہ فرقے مراد ہیں جو ایک

دوسرے کو کافر کہتے ہیں، فروعی مسائل میں اختلاف کی بناء پر جو فرقے ہوئے وہ مراد نہیں ہیں، جیسے ائمہ مجتہدین کا فقہی اختلاف۔

حافظ فضل اللہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ اصول کے اعتبار سے چھ فرقے ہیں۔ (۱) خوارج۔ (۲) معتزلہ۔ (۳) شیعہ۔ (۴) جبریہ۔ (۵) مرجیہ۔ (۶) مشبہ۔ پھر ہر فرقہ میں شاخیں ہیں۔ اسی طرح بہتر فرقے ہوگئے، چنانچہ خوارج کے ماتحت پندرہ (۱۵) ہیں، شیعہ کے ماتحت بتیس (۳۲) فرقے ہیں، معتزلہ کے ماتحت بارہ (۱۲)، جبریہ کے ماتحت تین، مرجیہ کے ماتحت پانچ، مشبہ کے ماتحت پانچ (۵)، مجموعہ بہتر (۷۲) فرقے ہوئے۔ ایک فرقہ صرف اہل سنت والجماعت کا۔

دخول نار پر اشکال مع جواب

قولہ کلھم فی النار الا واحدۃ: اب یہاں اشکال ہوتا ہے کہ دخول فی النار سے دخول ابدی مراد ہے یا غیر ابدی، اگر دخول ابدی مراد ہو تو مستثنیٰ منہ کے اعتبار سے صحیح نہیں ہوتا، اس لئے کہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ یہ فرق باطلہ کافر نہیں ہیں، لہٰذا یہ ابدالآباد کے لئے دوزخی نہیں ہوں گے۔ اور اگر دخول غیر ابدی مراد ہو تو مستثنیٰ کے اعتبار سے صحیح نہیں ہوتا کیونکہ نصوص قرآنیہ وحدیثیہ سے ثابت ہے کہ اہل سنت والجماعت کے گنہگار بھی ایک دفعہ دوزخ میں داخل ہونے کا احتمال ہے، اگرچہ بعد میں نجات ہوگی، اس اشکال کی طرف اکثر شارحین نے توجہ نہیں کی، پھر جواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، صرف حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اشعۃ اللمعات میں ایک جواب کی طرف اشارہ فرمایا کہ دخول نار دو اعتبار سے ہوگا، ایک خرابی اعتقاد کی بناء پر، دوسری خرابی اعمال کی بناء پر، تو حدیث ہذا میں دخول غیر ابدی مراد ہے، مگر یہ دخول خرابی اعتقاد کی بناء پر ہے، خرابی عمل کی بناء پر نہیں، تو فرق

باطلہ داخل نار ہوں گے خرابی اعتقاد کی بناء پر، اور دیر پا ہوگا جلدی نجات نہ ہوگی، اور اہل سنت والجماعت کے عصاۃ داخل ہوں گے، خرابی اعمال کی بناء پر، فلا اشکال فیہ. (مرقاۃ)

اہم تنبیہ

دوسری بات یہ ذہن میں رہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ فرقۂ ناجیہ کون ہے، یا بالفاظ دیگر یہ سوال کیا گیا کہ مدارِ نجات کیا چیز ہے؟ تو اس کا جواب بظاہر یہ ہونا چاہئے تھا: ''اہل القرآن والحدیث'' کیونکہ ہدایت کے اصل سرچشمے قرآن وحدیث ہی ہیں، لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تعبیر اختیار نہیں فرمائی بلکہ نہایت بلیغ تعبیر اختیار فرمائی کہ فرقۂ ناجیہ وہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعتقادات ونظریات کا حامل ہوگا، اس لئے کہ ہر فرقہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم قرآن وحدیث کے مطابق چلتے ہیں، اور اس میں اپنی مرضی کی توجیہات وتاویلات کرتا ہے اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ صرف قرآن کا نام لے لینا کافی نہیں بلکہ نجات کے لئے ضروری ہے کہ قرآن وحدیث کے اس مطلب کو اپنایا جائے جو میں نے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی، کہ دین کو صحیح سمجھنے کے لئے مقدس شخصیات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ان کے واسطہ کے بغیر قرآن وحدیث کا جو مطلب بھی بیان کیا جائے گا وہ گمراہی ہوگا، یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دین کا صحیح فہم پیدا کرنے کے لئے نرا مطالعہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لئے کسی کامل کی شاگردی اور اس کی صحبت ضروری ہے۔ (اشرف التوضیح)

تتجاری بهم تلک الاهواء: سرایت کرجائیں گی ان میں خواہشات نفسانی جس طرح باؤلا پن کتے کے اندر گھس جاتا ہے یعنی اس کے لعاب میں پسینہ میں اور

ہڈیوں تک میں باؤلاپن داخل ہو جاتا ہے جس طرح موت کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں اسی طرح بداعتقادیوں اور خواہشات نفس کی بیماریوں کا حال ہے۔

امت گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہوگی

﴿۱۶۴﴾ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰہَ لَایَجْمَعُ اُمَّتِیْ اَوْ قَالَ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ عَلٰی ضَلَالَۃٍ وَیَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۹۳، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، ابواب الفتن، حدیث نمبر: ۲۱۶۷۔

حل لغات: شذ شذ (ض) شذوذاً الگ تھلگ ہونا، تنہا رہ جانا، عن الجماعۃ، جماعت کے مخالف ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ میری امت کو یا یہ فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے، اور جو شخص جماعت سے الگ ہوا وہ الگ کر کے دوزخ میں ڈالا جائیگا۔

تشریح: آج چودہ سو سال بعد بھی اس گئے گزرے دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ اس پر فتن دور میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں متقی اور پرہیزگار لوگ موجود ہیں لہٰذا یہ بھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہی ہے۔

لایجمع امتی علی ضلالۃ: اس کے ذیل میں ابن الملک علیہ

الرحمۃ فرماتے ہیں کہ امت سے مراد امت اجابت ہے، اور امت کو امت اجابت پر محمول کرنا اس وجہ سے ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے: "لاتقوم الساعة الا علی الکفار" کہ قیامت کفار ہی پر قائم ہوگی، پس حدیث شریف دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ اجماعِ امت حق ہے اور اجماع سے مراد علماء مسلمین کا اجماع ہے عوام کے اجماع کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے کہ وہ قرآن وحدیث کے علم سے ناواقف ہیں۔(مرقاة: ۲۴۹/۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

حجیت اجماع اور اس کی حکمت

یعنی اس امت کے ایک فرد کی رائے تو غلط ہوسکتی ہے، لیکن جس بات پر تمام علماء ومجتہدین جمع ہو جائیں وہ غلط نہیں ہوسکتی، یہ حدیث اجماع کی حجیت کی دلیل ہے، اجماع کی حجیت قرآن کریم سے بھی ثابت ہے، فرمایا: "ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولیٰ ونصله جهنم" اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ جو شخص مخالفت رسول کرے اس کی سزا جہنم ہوگی، ایسے ہی جو شخص سبیل المؤمنین کی مخالفت کرے اس کی سزا بھی جہنم ہے، اور سبیل المؤمنین کا سب سے بڑا فرد اجماع ہی ہے۔

اجماع کے حجت ہونے میں حکمت یہ ہے کہ دین میں اختلافات اور رخنہ اندازیوں کی صورت میں اس کو محفوظ رکھنے کے لئے کسی قوتِ معصومہ کی ضرورت ہے جس کی بات حرف آخر ہو اور اس میں غلطی کا احتمال نہ ہو، اصل میں ایسی قوت معصومہ محافظہ تو نبوت ہی ہے، پہلی امتوں میں جب کوئی نبی رخصت ہو جاتے اور بعد میں دین کے اندر رخنے واقع ہونے لگتے تو حق تعالیٰ نئے نبی مبعوث فرما دیتے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے، لیکن اس دین کو قیامت تک باقی رہنا ہے، ظاہر ہے کہ اجماع کا حجت ہونا اس امت کے

خصوصی امتیازات میں سے ہے، اس امت کو یہ نعمت ختم نبوت کے صدقہ میں ملی ہے، امت نے بھی شکریہ کے طور پر سب سے پہلا اجماع ختم نبوت پر ہی کیا ہے۔

یدُ اللّٰہ علی الجماعۃ: جماعت کے سر پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے، یعنی اللہ کی نصرت جماعت کے ساتھ ہوتی ہے اس لئے تم جماعت کے ساتھ رہو ایک انسان ذاتی طور پر کتنی ہی بڑی حیثیت کا مالک کیوں نہ ہو مگر اس کی بات کا وہ اثر اور وزن نہیں ہوتا، جو ایک جماعت کی بات کا اثر و مقام ہوتا ہے۔

فائدہ: یہاں جماعت سے مراد اہل حق کی جماعت ہے، پس بندہ کو ضروری ہے کہ وہ جماعت حق کے ساتھ رہے، اور کسی طرح بھی اہل حق کی جماعت سے الگ نہ ہو۔ فقط

من شذ شذ فی النار: جو جماعت سے خروج کرتا ہے وہ جہنم میں چلا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جماعت اہل سنت والجماعت سے خروج کرنا یہ اتباع ہوا کی بنا پر ہوتا ہے اور یہ ذریعہ ہے خروج عن الدین کا اور خروج عن الدین سبب ہے دخول نار کا۔ اعاذنا اللہ بہ.

بڑی جماعت کی پیروی

﴿۱۶۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

حوالہ: ابن ماجہ: ۲۹۱، ۲۹۲، باب السواد الاعظم، کتاب الفتن، حدیث نمبر ۳۹۵۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بڑی جماعت کی پیروی کرو، جو شخص جماعت سے الگ ہوا وہ الگ کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائیگا، اس روایت کو ابن ماجہ نے انس اور ابن عاصم کی حدیث سے ''کتاب السنة'' میں نقل کیا ہے۔

تشریح: اتبعوا السواد الاعظم: بڑی جماعت کی اتباع کرو اس لئے کہ وہ گمراہ نہیں ہوتی سواد اعظم کا مصداق اہل سنت والجماعت ہے اور یہ سب سے بڑی جماعت ہے جو کبھی گمراہ نہیں ہوئی۔

اور معتزلہ، خوارج اور قادیانی وغیرہ یہ سب اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں جو سواد اعظم (بڑی جماعت) سے نکل کر کٹ کر گمراہ ہوگئے۔

شیخ مظہر اس حدیث شریف کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ لوگوں کے اعتقاد اور قول وفعل کو دیکھو پس جس پر اکثر علماء مسلمین کا اعتقاد اور قول وفعل ہو پس تم بھی ان کی پیروی کرلو اس لئے کہ وہ حق ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ باطل ہے اور یہ اصول کے اندر ہے جیسا کہ ارکانِ اسلام کے بارے میں اعتقاد رکھنا البتہ فروعات کے بارے میں جیسے مس مرأۃ وغیرہ سے وضو کا ٹوٹنا وغیرہ تو ان فروعات میں اجماع کے لزوم کی ضرورت نہیں بلکہ کسی مجتہد کے فتوے کے مطابق اس پر عمل کرنا جائز ہے، جیسے امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد رحمہم اللہ وغیرہ۔ (الطیبی: ۱/۳۷۲، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی فضیلت

﴿۱۶۶﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّ إِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِاَحَدٍ

فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ يَابُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِيْ وَمَنْ اَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيْ فِيْ الْجَنَّةِ۔ (رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۹۶، باب ماجاء فی الاخذ بالسنة، ابواب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۷۸۔

تنبیہ: صاحب مشکوٰۃ شریف نے ترمذی کے حوالہ سے حدیث کے وہی الفاظ نقل کئے ہیں جو اوپر مذکور ہیں، لیکن ہمارے یہاں ترمذی کا جو نسخہ رائج ہے اس کے الفاظ یہ ہیں، "من احیا سنتی فقد احیانی ومن احیانی کان معی فی الجنة" ممکن ہے کہ علامہ بغوی کے پاس ترمذی کا جو نسخہ ہو اس میں وہی الفاظ ہوں جو انہوں نے نقل کئے ہیں۔

حل لغات: غَشَّ غَشَّ صدرہٗ غشًّا کسی کے دل میں کینہ کپٹ ہونا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کہ اے میرے بیٹے! اگر تجھ کو اس بات پر قدرت ہو کہ تیری صبح اور شام اس طرح گذرے کہ تیرے دل میں کسی کے لئے کھوٹ نہ ہو تو اسی طرح کرلو، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! یہ میری سنت ہے، اور جس شخص نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

تشریح: یَا بُنَیَّ: کے لفظ سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ انہی کے واسطے خطاب خاص تھا خطاب خاص کی لذت اس سے پوچھو جس کو کسی محبوب نے خاص خطاب کیا ہو اور سونے پر سہاگہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یا بنی اے میرے پیارے بیٹے! کہکر خطاب کیا اور ہم تو آج اپنے بیٹے کو بھی بیٹا نہیں کہتے بلکہ اس طرح اس سے خطاب کرتے ہیں او کہاں جارہا ہے، اسی لئے تو وہ بھی یونہی کہتا ہے بوڑھے کدھر جارہا ہے، کیا یہی ہے تبلیغ

کاطریقہ، پیار سے محبت سے تربیت واصلاح ہوتی ہے ڈانٹ ڈپٹ سے نہیں "ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد[1]" اگر تم اس بات پر قادر ہو کہ صبح شام اس حال میں کرو کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے میل کچیل اور کینہ کپٹ نہ ہو تو اس طرح گزر کر، یہ ہے انسانیت کا تقاضہ اور تبلیغ کا طریقہ تم صبح وشام اپنے دل میں جھاڑو دے لیا کرو اور دل کو کینہ کپٹ سے صاف کرلیا کرو۔

کیا ان محبت بھرے الفاظ کو سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنا دل نکال کر حضرت نبی کریم کے سامنے نہ رکھ دیا ہوگا، اور آنحضرت نے فرمایا کہ میرا طریقہ بھی یہی ہے جو دل کہ مہبط وحی اور مہبط انوار اور سراسر نور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی اس کو ٹٹول لیتے تھے کہ کسی کی طرف سے اس میں کینہ کپٹ وغیرہ پیدا نہ ہو گیا ہو، ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة. اور جو میری سنت اور میرے طریقہ سے محبت کرتا ہے تو گویا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة: معی کے اندر 'ی' پر فتحہ اور سکون دونوں صورتیں جائز ہیں، یعنی جس نے میری سنت پر عمل کیا تو اس نے مجھ سے کامل محبت کی اس لئے کہ آثار ونشانات سے محبت کرنا یہ اصل سے محبت کرنے کی علامت ہے اور یہاں معیت سے معیت مقاربہ مراد ہے وہ معیت مراد نہیں جو رتبہ میں ایک ہو

---

[1] **ولیس فی قلبک غش لاحد:** جملہ حال ہے، اس میں تنازع فعلین ہے، اور دونوں فعلوں سے مراد دوام اور ہمیشگی ہے، غش یہ نصح کی ضد ہے اور یہ غشش سے ماخوذ ہے، جس کے معنی گدلا پانی کے ہیں، اور احد یہ عام ہے مومن اور کافر سب کو شامل ہے اس لئے کہ کافر کی نصیحت وخیر خواہی یہ ہے کہ اس کے ایمان کے بارے میں محنت جد وجہد کی جائے اور ہلاکت کے دلدل سے اس کی رہائی کے بارے میں کوشش کی جائے خواہ وہ ہاتھ اور زبان سے ہو یا حسب حیثیت مال خرچ کر کے ہو۔ (الطیبی: ۳۷۳/۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے المرء مع من احب کہ آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے، نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم الآیة. (مرقاة: ۱/۲۵۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

فوائد حدیث

حدیث پاک سے متعدد فوائد معلوم ہوئے۔

(۱)...... جب کسی کو نصیحت کی جائے تو پہلے اظہار محبت ہو، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یَا بُنَیَّ [اے میرے پیارے بیٹے] کہہ کر خطاب فرمایا اس لئے کہ نصیحت مثل بیج کے ہے، اور جس کو نصیحت کی جارہی ہے اس کا قلب مثل زمین کے ہے اور بیج ڈالنے سے پہلے زمین کا ہموار کرنا ضروری ہوتا ہے تب ہی بیج کے اگنے کی توقع ہوتی ہے۔

(۲)...... دل میں کسی کی طرف سے میل کچیل نہ ہونا لڑائی جھگڑوں کے ختم ہونے اور آپس میں پیار و محبت قائم ہونے کا بہترین ذریعہ ہے، چونکہ دلوں میں بدگمانی پیدا ہونے سے ہی بڑی بڑی لڑائیاں اور بربادیاں ہوتی ہیں، بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوگا، کہ ہر لڑائی کی وجہ اور بنیاد ہی دل کی بدگمانی ہوتی ہے، قوموں میں اتفاق واتحاد قائم ہونے کا اس سے بہترین کوئی نسخہ نہیں ہوسکتا۔

قول مشائخ ہے: ؎

آئین ما است سینہ چو آئینہ داشتن
کفر است در طریقت ما کینہ در سینہ داشتن

[ہمارا طریقہ ہے سینہ یعنی دل کو آئینہ کی طرح صاف رکھنا، مطلب یہ ہے کہ جس طرح

آئینہ صاف ہوتا ہے اور ذرا غبار برداشت نہیں کرتا، اسی طرح ہر کسی سے ہم اپنے دل کو صاف وشفاف رکھتے ہیں، اور ہمارے طریقہ میں دل کے اندر کسی کی طرف سے کینہ رکھنا کفر کے درجہ کی چیز ہے۔]

(۳)......سنت سے محبت یہ ہے کہ سنت پر خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی ترغیب دے جتنا جتنا سنت پر عمل کریگا، اور عمل کرانے، سنتوں کو پھیلانے کی کوشش کریگا اتنا ہی وہ سنت سے محبت کا ثبوت دیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا ہوگا اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے پس جو شخص جتنا سنتوں کو اپنائیگا اس میں اتنی ہی شان محبوبیت پیدا ہو جائیگی اور اس درجہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوجائیگا اور اسی درجہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب میسر آئیگا، اور یہ کیا ہی مرمٹنے کی چیز ہے۔

کیا خوب کسی نے کہا ہے: ؎

وہی سمجھا جائے گا شیدائے جمال مصطفیٰ
جس کا حال حال مصطفیٰ ہو اور قال قال مصطفیٰ

فساد امت کے وقت سنت پر عمل کرنے کی فضیلت

﴿۱۶۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ۔ (رواه البیهقی فی کتاب الزهد)

حوالہ: مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں رواہ کے بعد خالی جگہ ہے، بعد میں میرک

شاہ نے "**بیهقی فی کتاب الزهد**" کا حوالہ بڑھایا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص میری امت کے بگاڑ کے زمانہ میں میری سنت پر سختی سے عمل پیرا ہوگا، اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا، اس روایت کو بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص میری سنت کو مضبوطی سے پکڑے اور اس پر عمل کرے اس وقت جب کہ میری امت میں ترک سنت کا فساد اور وباء عام پیدا ہوگئی ہو تو اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے، اور اس ترک سنت کے فساد عام کا پتہ مسجدوں میں بیٹھ کر نہیں چلتا بلکہ اس کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب بیاہ شادی ہوں اس وقت دیکھو کہ کتنی سنتوں پر عمل ہوتا ہے ان تقریبات میں ایسے بیہودہ طریقے اور غلط رسم ورواج پر عمل ہوتا ہے جن کی پابندی سے قومیں تباہ وبرباد ہو رہی ہیں، زمینیں فروخت ہو رہی ہیں، مکان رہن رکھے جاتے ہیں، سودی قرض لیا جاتا ہے جس کے بوجھ میں دبتے چلے جاتے ہیں، اسلئے ایسے حالات میں سنتوں پر عمل کرنا سنتوں کو رواج دینا ہی ان سب پریشانیوں کا حل ہے۔ اسلئے سنتوں پر عمل کرنے انکو پھیلانے پر یہ اجر عظیم بیان کیا گیا ہے، حق تعالیٰ شانہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فله اجر مائة شهيد: شیخ مظہر فرماتے ہیں یہ اجر وثواب اس کو اس مشقت کی وجہ سے ہے جو اس وقت اس کو احیاء سنت اور اس پر عمل کرنے کی وجہ سے پہونچے گی، تو وہ اس شہید کی طرح ہے جو کفار سے احیاء دین کے لئے لڑائی کر رہا ہو، اور برسر پیکار ہو، یہاں تک کہ اس کو شہید کر دیا جائے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں: **عند فساد امتی** کہا گیا ہے اور **عند فسادهم** نہیں کہا اس لئے کہ **عند فساد امتی** اس کے مقابل میں زیادہ بلیغ ہے گویا کہ وہ

خودخراب ہو گئے، پس ان سے بھلائی اور نیکی صادر نہیں ہوتی اور نہ وعظ ونصیحت ان کے لئے کارآمد اور نہ وہ اس برے کام سے باز آتے ہیں، اور نہ کوئی بھلا اور نیک کام انجام دیتے ہیں، خصوصاً جبکہ یہ بگاڑ علماء میں آ جائے اور لوگ ان کے نشانِ قدم پر چل رہے ہوں ایسے وقت میں ان کے ساتھ مجاہدہ اور جانفشانی کرنا کفار کے ساتھ لڑائی اور جنگ کرنے سے زیادہ سخت اور دشوار ہے، اسی لئے اس شخص کے اجر کو کئی گنا بڑھا دیا گیا جو ان کے ساتھ محنت وجد وجہد کرے۔(الطیبی:۳۷۳/۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی ملک یا کسی بادشاہ کے قلعہ پر دشمن حملہ کر رہا ہو اس وقت جو حضرات قلعہ یا ملک کی سرحد کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی جانوں کی پرواہ نہیں کرتے وہ بادشاہ کے انتہائی مقرب قرار پاتے ہیں اور ان کو بے حساب انعام سے نوازا جاتا ہے پس اسی طرح جب دین پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہوں اور دین کو مٹانے کی کوشش ہو رہی ہوں سنتوں کو مٹایا جا رہا ہو رسم ورواج کو رواج دیا جا رہا ہو، ایسے وقت میں جو حضرات رسم ورواج کے خلاف ان کی اصلاح کی خاطر میدان میں آئیں اور رسم ورواج کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور سنت پر مضبوطی سے عمل کریں، اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کے لئے آمادہ کریں تو ان کو بھی اللہ تعالیٰ بے حساب اجر وثواب دیتا ہے، اور یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے انتہائی مقرب قرار پاتے ہیں، پس ہم کو غور کرنا چاہئے کہ ہمارے علاقہ میں کیا کیا برائیاں پھیلی ہوئی ہیں اور ہم ان کو مٹانے اور دور کرنے کی کیا کوشش کر سکتے ہیں، اور کن کن سنتوں پر عمل کر کے ان کو زندہ کر سکتے ہیں، اور دوسروں کو بھی ترغیب دے سکتے ہیں، تا کہ کسی درجہ میں ان خوش نصیب حضرات میں ہماری بھی شمولیت ہو جائے۔ اللھم اجعلنا منھم. آمین

شریعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جامعیت

﴿۱٦۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اَتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ اِنَّا نَسْمَعُ اَحَادِيْثَ مِنْ يَهُوْدٍ تُعْجِبُنَا اَفَتَرٰى اَنْ نَكْتُبَ بَعْضَهَا فَقَالَ اَمُتَهَوِّكُوْنَ اَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَاوَسِعَهُ اِلَّا اتِّبَاعِيْ۔ رواه احمد والبيهقي في شعب الايمان۔

حواله: بيهقي ص: ۱۹۹، ۲۰۰، حديث نمبر: ۱۷٦، ۱۷۷، مسند احمد: ۳/۳۸۷.

حل لغات: تهوكت، تهوك فلان ہلاکت کے غار میں گرنا، متهوكون (و) متهوك، حیرت زدہ، پریشان، نقية صاف خالص (ن) انقياء.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو انہوں نے کہا کہ ہم یہودیوں کی باتیں سنتے ہیں تو ہم کو اچھی لگتی ہیں، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیتے ہیں کہ ہم ان سے کچھ لکھ لیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم پریشانی کا شکار ہونا چاہتے ہو؟ جیسے کہ یہود ونصاریٰ حیرت وپریشانی کے شکار ہوئے ہیں، میں تمہارے پاس صاف وروشن شریعت لیکر آیا ہوں، اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کیلئے بھی میرے اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایسی پاکیزہ وکامل ومکمل شریعت کے ہوتے ہوئے کسی دوسری طرف طبیعت کا رجحان ہی کیوں ہو؟ جبکہ اس شریعت کی وجہ سے پہلی تمام شریعتیں منسوخ ہوچکی ہیں۔

لقد جئتکم بھا بیضاء نقیة: لقد جئتکم: قسم محذوف کا جواب ہے اور بیضاء ضمیر سے حال ہے اور نقیة بیضا کی صفت ہے یعنی شریعت بالکل ظاہر اور صاف ہے اور شکوک وشبہات سے خالی ہے اور کہا گیا ہے کہ نقیة سے مراد یہ ہے کہ وہ تبدیل وتحریف اور نقص وخیانت سے محفوظ ہے اور احکام شاقہ اور مشکلات سے خالی ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں بیضاء نقیة دونوں حال مترادف ہیں بھا کی ضمیر سے جوملت کی تفسیر کر رہی ہے ولو کان موسیٰ حیا ماوسعه یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اگر زندہ ہوتے تو ان کو بھی تمام اقوال وافعال میں میرا ہی اتباع کرنا پڑتا تو تمہارے لئے کیسے درست ہوگا کہ تم میرے ہوتے ہوئے ان کی قوم سے کوئی فائدہ اور شرعی حکم حاصل کرو، فرمانِ باری تعالیٰ ہے: واذا اخذ الله میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمة ثم جاء کم رسول الآیة.

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر اس نبی سے اور اس کی قوم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا کہ ضرور بالضرور تم ان پر ایمان لاؤ گے، اور اگر تمہاری حیات اور زندگی کے اندر وہ مبعوث ہوں تو تم ان کی مدد کروگے، اور یہی معنیٰ ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے جیسا کہ تفسیر بغوی میں ہے۔(مرقاة: ۱/۲۵۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ نے اس مضمون کو اپنے اس شعر میں عجیب انداز سے بیان فرمایا ہے۔ ؎

ہے نبوت ہر نبی کی حق مگر اس دور میں
سکۂ دین نبی مصطفےٰ کا ہے چلن
قلب ناداں، باب رحمت دیکھ کر جانا کہیں
ہے ہلی اس میں جگت کی اور اپنا ہے مرن

سنت پر عمل کی فضیلت

﴿۱۶۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَکَلَ طَیِّبًا وَعَمِلَ فِیْ سُنَّۃٍ، وَاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَہٗ دَخَلَ الْجَنَّۃَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ ھٰذَا الْیَوْمَ لَکَثِیْرٌ فِی النَّاسِ قَالَ وَسَیَکُوْنُ فِیْ قُرُوْنٍ بَعْدِیْ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۷۸، باب: ۶۰، کتاب صفة القیامة، حدیث نمبر: ۲۵۲۰۔

حل لغات: بوائق (و) بَائِقَةٌ فتنہ، مصیبت، قرن، ایک صدی کے لوگ، زمانہ ج قرون.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے پاکیزہ چیز کھائی اور سنت پر عمل کیا اور لوگ اس کے فتنوں سے محفوظ رہے، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم آج کل تو ایسے لوگ بہت ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد کے زمانوں میں بھی ایسے لوگ ہوں گے۔

تشریح: من اکل طیبا: یہاں طیباً فرمایا حلالاً نہیں کہا اس لئے کہ طیب ایسی چیز ہے جس کو تقویٰ و پرہیز گاری کے ساتھ حاصل کیا ہو، پس جو شخص اس طریقہ پر کمائے کہ اس کے ساتھ یا اس سے پہلے یا بعد معصیت متعلق ہو تو وہ روزی طیب نہیں ہوگی۔

(مرقاة: ۱/۲۵۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

وعمل فی سنۃ: یعنی اس کا ہر قول و فعل شریعت کے مطابق ہو ہر عمل کے

اندر سنت کو مضبوطی سے پکڑنے والا ہو، یہاں تک کہ قضاء حاجت اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹادینا پس اس میں ہر ہر سنت شامل ہے، غیر معین طریقہ پر کوئی ایک سنت مراد نہیں ہے اور اکل حلال کو مقدم کرنا اس وجہ سے ہے کہ اکل حلال عمل صالح کا مورث ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً. (مرقاة: ۲۵۱/ ۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

قوله وامن الناس بوائقه الخ: اور لوگ اس کی شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ یعنی وہ لوگوں کو ایذاء نہ دیتا ہو، تکلیف نہ پہونچاتا ہو، جس کی وجہ سے لوگ اس سے مامون ہوں، یہ بھی خیال رہے کہ یہاں 'الناس' مطلق لائے ہیں جس میں مسلم غیر مسلم سب داخل ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلم غیر مسلم سب اس کی ایذاؤں سے مامون ومحفوظ ہوں۔

فقال رجل یا رسول اللّٰه: ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو اس زمانہ میں بہت ہے، یعنی اس زمانہ میں اس پر عمل کرنے والے بہت لوگ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وسیکون فی قرون بعدی[1]: کہ میرے بعد میں بھی ایسے لوگ ہوں گے، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہماری طرف سے غائبانہ وکالت فرمادی کہ میرے بعد کے زمانہ میں بھی ان چیزوں پر عمل کرنے والے بکثرت ہوں گے۔

---

[1] **فی قرون بعدی:** ازہار میں ہے کہ قرن وہ اہل عصر ہیں اور کہا گیا ہے کہ قرن کی مدت تیس سال ہے کہا گیا ہے کہ قرن چالیس سال کا ہوتا ہے اور ایک قول کے مطابق اس کی مدت ساٹھ سال ہے اور ایک قول کے مطابق سو سال ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ قرن سے یہاں اہل عصر مراد ہیں اس لئے کہ ہر وہ زمانہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے زیادہ دور ہوگا اس میں صلحاء اس کے ماقبل کے مقابلہ میں کم ہوں گے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم. الحدیث (مرقاة: ۲۵۲/ ۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

اخیر زمانہ میں دین کے دسویں حصہ پر عمل بھی کافی ہے

﴿۱۷۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا اُمِرَ بِهٖ هَلَكَ ثُمَّ يَاْتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِهٖ نَجَا۔ (رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۵۲، باب: ۷۹، ابواب الفتن، حدیث نمبر: ۲۲۶۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم لوگ حقیقت میں ایسے دور میں ہو کہ تم میں سے کوئی شخص جس چیز کا تم کو حکم دیا گیا ہے، اس کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے تو وہ ہلاک ہوگیا اور پھر ایک ایسا دور آئیگا کہ اس زمانہ کے لوگوں میں سے کوئی شخص اس چیز کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرلیگا، جس کا اس کو حکم دیا گیا ہے تو وہ نجات پا جائیگا۔

تشریح: انکم فی زمان من ترک منکم عشر ما امر به هلک: ما امر به سے مراد شریعت کے عائد کردہ عام فرائض نہیں ہیں کیونکہ شریعت نے جن جن چیزوں کو فرض قرار دیا ہے ان کی ادائیگی ہر دور کے اہل اسلام کیلئے یکساں ضروری ہے اور ان میں سے کسی بھی حصہ کو ترک کرنا کسی بھی زمانے کے مسلمانوں کے لئے قطعاً جائز نہیں، اس کی مراد کے بارے میں کئی اقوال ہیں:

(۱)......اس سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہے اسی کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: کہ تم لوگوں پر یہ فریضہ اس شدت اور اس تاکید سے عائد ہوتا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اس خاص فریضہ

کا دسواں حصہ بھی ترک کردے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ سے بچ نہیں پائے گا، ہاں آخر زمانہ میں جب فتنہ وفساد کا دور دورہ ہوگا اور پورا معاشرہ زبردست بگاڑ کا شکار ہو چکا ہوگا تو اس وقت جو مسلمان اس فریضہ کا دسواں حصہ بھی ادا کردیگا تو وہ مواخذۂ خداوندی سے بچ جائیگا۔

(۲)...... چونکہ یہ زمانہ معجزات کے ظہور کا ہے اور یہ عشر باعتبار کیفیت کے ہے نہ کہ باعتبار کمیت، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر دس نمازوں میں سے ایک نماز پڑھ لو تو کامیاب دس روزوں میں سے ایک روزہ رکھ لو تو کامیاب بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس خشوع سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نماز پڑھتے تھے اور جس خلوص سے دوسرے اعمال کرتے تھے اگر اس کا دسواں حصہ بھی ملجائے گا تو وہ نجات کے لئے کافی ہوگا۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اگر اس کا دسواں حصہ بھی ترک کردیں تو ان سے مواخذہ ہوگا۔

(۳)......مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے ان کے مقام ارفع کی وجہ سے سوفی صد اخلاص اور خشوع وخضوع ضروری تھا، دسواں حصہ کا بھی اگر ترک ہوگیا تو جواب دہ ہوں گے۔ بعد کے حضرات کو انحطاط اور کمزوریوں کی وجہ سے اگر اخلاص کا دسواں حصہ بھی حاصل ہوجائے یا خشوع وخضوع کا دسواں حصہ بھی حاصل ہوجائے، تو ان کی نجات کے لئے کافی ہوگا۔

(۴)......چوتھا مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چونکہ بعد والوں کے لئے نمونہ ہیں اس لئے ان کو پوری زندگی سوفی صد سنت کے مطابق کرنا ضروری ہے دس فی صد ترک کرنے پر ان سے مواخذہ ہوگا، اور بعد والے حضرات کے لئے عزیمت تو یہی ہے کہ سوفی صد سنتوں پر عمل ہو لیکن نجات کیلئے یہ بھی کافی ہے کہ دس فی

صد سنتوں پر عمل ہوجائے، اس صورت میں "ما امر به الخ" سے مراد امر مندوب
ومستحب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دین میں جھگڑا کرنا

﴿۱۷۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ ھُدًی کَانُوْا عَلَیْہِ اِلَّا اُوْتُوْا الْجَدَلَ ثُمَّ قَرَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ "مَاضَرَبُوْہُ لَکَ اِلَّا جَدَلاً بَلْ ھُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۶۱، باب من سورۃ الزخرف، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۲۵۳، مسند احمد: ۵/۲۵۲، ابن ماجہ: ۶، باب اجتناب البدع والجدل، حدیث نمبر: ۴۸۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی بھی قوم ہدایت کے بعد اسی وقت گمراہی کا شکار ہوتی ہے، جب ان میں جھگڑے کی عادت پڑ جاتی ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت "ماضربوہ لک الا جدلا بل ھم قوم خصمون" پڑھی، [تمہارے سامنے اس بات کو صرف جھگڑنے کے لئے بیان کرتے ہیں، بلکہ وہ قوم جھگڑالو ہی ہے۔]

تشریح: ایک شخص تو کبھی اتفاق سے لڑتا جھگڑتا ہے ایسے شخص کو جھگڑالو نہیں کہتے، جھگڑالو تو اس شخص کو کہتے ہیں، جو بات بات پر جھگڑا کرے اور جھگڑا کرنا ہی جس کی عادت بن گئی ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جب آدمی کی عادت غور وفکر کے بجائے بات بات پر لڑنے جھگڑنے کی ہو جاتی ہے تو یہ چیز اس کی گمراہی کا ذریعہ بنجاتی ہے، چونکہ وہ اپنی عادت کی وجہ سے حق بات پر بھی لڑائی جھگڑا کریگا، اور حق کا انکار کریگا، اور یہی گمراہی ہے اس لئے آدمی کو لڑائی جھگڑے سے بہت بچنا چاہئے، اور جو چیز سامنے آئے سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور وفکر کرنا چاہئے۔

اہل باطل سے مناظرہ

فائدہ: اہل باطل سے مناظرہ کرنا اس میں داخل نہیں، اس لئے کہ جو مناظرہ صحیح غرض مثلاً اظہار حق کیلئے ہو بعض حالات میں ضروری بلکہ فرض کفایہ ہوتا ہے۔ (مرقاۃ:۲۵۲/۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

دین میں سختی پسندیدہ نہیں

﴿۱۷۲﴾ وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ فَيُشَدِّدَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ رَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف باب فی الحسد، کتاب الادب، ج:۲، حدیث نمبر:۴۹۰۴۔

حل لغات: شدد شدد الامر لازم کرنا، صوامعُ والصومعۃُ راہب کا

عبادت خانہ، چھوٹا کمرہ، الدیار (و) دیرٌ مراد یہودیوں کی عبادت گاہ، رھبانیۃً ترک کر دینا، الراھب نصرانی زاہد، ج رھبان.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے اپنی جانوں پر سختی نہ کرو اس لئے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر سختی کر دے؛ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی کر دی، یہ گرجا گھروں اور عبادت خانوں میں جو لوگ ہیں، وہ انہیں کے بقیہ لوگ ہیں، رہبانیت کو خود انہوں نے ایجاد کیا ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔

تشریح: رھبانیۃ ابتدعوھا: یہ ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کی بنا پر منصوب ہے، رہبانیت سے پہلے تفسیر کی شرط پر ایک فعل محذوف ہے۔

یہ رہبانیت ایسی چیز ہے جس کو انہوں نے خود گھڑ لیا ہے، حالانکہ وہ ان پر فرض نہیں کی گئی تھی، جیسا کہ اظہار دوستی کے بعد وفا لازم ہو جاتی ہے اور نفل شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے، ایسی ہی ان پر رہبانیت واجب ہو گئی تھی، جس کو پھر وہ پورا نہ کر سکے۔

گرجاؤں میں مندروں میں جو لوگ لنگ ملنگ رہتے ہیں انہیں کے بقیہ لوگ ہیں۔

فائدہ: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بلاوجہ اپنے آپ کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہئے، اور اعتدال کے ساتھ عمل کرنا چاہئے، اور شریعت میں اعتدال پسندی مطلوب ہے اور امر معتدل پر ہی دوام بھی ہو سکتا ہے، جو مطلوب شرعی ہے۔

مضامین قرآن پاک کی قسمیں

﴿۱۷۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلٰى خَمْسَةِ أَوْجُهٍ حَلَالٌ وَحَرَامٌ وَمُحْكَمٌ وَمُتَشَابِهٌ وَأَمْثَالٌ فَأَحِلُّوا الْحَلَالَ وَحَرِّمُوا الْحَرَامَ وَاعْمَلُوا بِالْمُحْكَمِ وَآمِنُوا بِالْمُتَشَابِهِ وَاعْتَبِرُوا بِالْأَمْثَالِ۔ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَلَفْظُهُ فَاعْمَلُوْا بِالْحَلَالِ وَاجْتَنِبُوا الْحَرَامَ وَاتَّبِعُوا الْمُحْكَمَ۔

حواله: بیهقی فی شعب الایمان ص:۴۲۷/۲، باب فی تعظیم القرآن، حدیث نمبر:۲۲۹۳،مصابیح السنة، باب الاعتصام بالکتاب و السنة، کتاب الایمان، حدیث نمبر:۱۴۴۔

حل لغات: فَأَحِلُّوْا امر حاضر، جمع مذکر، الشیئ حلال کرنا، حَرِّمُوْا امر حاضر، جمع مذکر، الشیء حرام کرنا، اعتَبِرُوا، امر حاضر، بہ نصیحت کرنا، اَمْثَال جمع ہے، واحد مَثَلٌ بات، مشابہ، عبرت، مراد گذشتہ واقعات۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ قرآن پاک پانچ قسموں پر نازل ہوا، (۱) حلال۔(۲) حرام۔ (۳) محکم۔(۴) متشابہ۔(۵) امثال۔لہٰذا تم حلال کو حلال سمجھو، اور حرام کو حرام مانو، محکم پر عمل کرو، متشابہ پر ایمان لاؤ، اور امثال سے نصیحت حاصل کرو۔یہ مصابیح کے الفاظ ہیں، بیہقی نے بھی شعب الایمان میں اس روایت کو نقل کیا ہے، اس کے الفاظ اس طرح ہیں، تم حلال پر عمل پیرا ہو، حرام سے اجتناب کرو، محکم پر عمل کرو۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں پانچ قسم کی چیزوں کا بیان ہے۔

(۱)......**حلال**: وہ چیزیں جن کا حلال ہونا بیان کیا گیا ہے۔

(۲)......**حرام**: وہ چیزیں جن کو حرام کیا گیا ہے۔

(۳)......**محکم**: وہ آیتیں جن کے معنی اور مفہوم بالکل صاف اور واضح ہوں اور کسی قسم کا

اشتباہ نہ ہو، جیسے: ''اقیموا الصلوٰۃ'' [نماز قائم کرو۔]''اتوا الزکوۃ'' [زکوۃ ادا کرو۔] وغیرہ

(۴)......**متشابہات**: ان الفاظ کو کہتے ہیں لغوی اعتبار سے جن کے معنی معلوم نہ ہوں، جیسے **الٓمٓ، نٓ، قٓ** وغیرہ۔ یالفظ کے لغوی معنی تو معلوم ہوں مگر معنی مرادی معلوم نہ ہوں جیسے **ید اللہ فوق ایدیھم**. وغیرہ

(۵)......**امثال**: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مثالیں بیان کی ہیں، چونکہ مثال سے بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مثال بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔

لہٰذا تم حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو محکم پر عمل کرو اور متشابہات پر ایمان رکھو۔

متشابہات کی حکمت

اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے متشابہات کے معنی کیوں نہیں بتائے تو اس سے کہو کہ اپنی اور اپنے گھر کی تمام باتیں اور حالتیں دوسروں سے نہیں بتائی جاتیں۔ بلکہ اپنے گھر کی بہت سی چیزیں اور باتیں دوسروں سے چھپائی جاتی ہیں اسی طرح متشابہات میں جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہیں، بس ان پر ایمان لایا جاتا ہے انہیں بیان نہیں کیا جاتا۔

اور مثالوں سے عبرت حاصل کرو، جو چیز جس کام کے واسطے پیدا کی گئی ہے اس کو اسی میں استعمال کرو، یہ نہیں کہ ٹوپی کو سر پر اوڑھنے کے بجائے اس کو پیروں میں موزہ کی جگہ پہننے لگو، اور جوتے کو پیروں کے بجائے سر پر رکھنے لگو۔

احکام کی تقسیم

﴿۱۷۴﴾ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاَمْرُ ثَلٰثَۃٌ اَمْرٌ بَیِّنٌ رُشْدُہٗ فَاتَّبِعْہُ وَاَمْرٌ بَیِّنٌ غَیُّہٗ فَاجْتَنِبْہُ وَاَمْرٌ اُخْتُلِفَ فِیْہِ فَکِلْہُ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد میں یہ روایت نہیں مل سکی۔

حل لغات: بَیِّنٌ واضح، بَیَّنَ الشیءُ واضح کرنا، غَیُّہ غَیٌّ گمراہی، غَوٰی یَغْوِی، غَوَایَۃً (ض) گمراہ ہونا، کِلْہُ، امر حاضر، وَکَلَ (ض) وَکْلاً سپرد کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ حکم تین طرح کے ہیں، ایک وہ حکم ہے جس کی ہدایت ظاہر ہے۔ لہذا اس کی پیروی کرو، دوسرا وہ حکم ہے جس کی گمراہی ظاہر ہے، تو اس سے بچو، تیسرے وہ حکم ہے جس میں اختلاف کیا گیا ہے، تو اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردو۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ امر دین کی تین قسمیں ہیں:

(۱)...... ایک چیز تو ایسی ہے کہ جس کا ہدایت ہونا پوری طرح بین وواضح ہے، یعنی اس چیز کا ہدایت ہونا بالکل صاف ہے تو فوراً اس کا اتباع کرو اس پر دلیل طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۲)...... دوسرا امر ایسا ہے جس کی گمراہی بالکل واضح ہے اس سے بھی بلا مطالبہ دلیل اور بلا چناں چنیں اجتناب کرو جس طرح اس کھانے سے اجتناب کیا جاتا ہے جس کا زہر آلود ہونا یقینی ہے۔

(۳)...... تیسرا امر ہے جس میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے فاتحہ خلف

الامام کو اختیار کیا اور بعض نے ترک فاتحہ کو اختیار کیا، تو ایسے امر میں دلیل کی طرف رجوع کرو، اور جس پہلو کے دلائل مضبوط ہوں اس پر عمل کرو۔

یا جیسے اولاد مشرکین کا حکم یا متشابہات کا حکم اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردو اور سکوت اختیار کرو۔

﴿الفصل الثالث﴾

جماعت سے چمٹے رہنا

﴿۱۷۵﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْإِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ وَإِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۲۴۳۔

حل لغات: ذئب جمع ذئاب، بھیڑیا، شاذۃ شاذ کا مؤنث ہے، جمع شواذّ علیحدہ، جماعت سے الگ، قاصیۃ، قاصی کا مؤنث، بمعنی کنارہ، القاصیۃ من الشأی، ریوڑ سے علیحدہ ہونے والی بکری، الناحیۃ، جانب، جہت، کنارہ، جمع ناحیات، الشعاب، جمع ہے، واحد شعب، پہاڑی راستہ، درۂ کوہ۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلا شبہ شیطان انسان کا ایسا ہی بھیڑیا ہے، جیسے بکری کا بھیڑیا، وہ ریوڑ سے الگ ہو جانے والی دور ہو جانے والی اور جدا ہو جانے والی بکری کو پکڑ لیتا

ہے،تم پہاڑ کے دروں سے بچو اور جماعت، نیز عام لوگوں کے ساتھ جڑے رہو۔

تشریح: شاذیۃ: وہ بکری جو ریوڑ سے جدا ہو جائے۔

قاصیۃ: وہ بکری جو ریوڑ سے دور رہ جائے۔

ناحیۃ: وہ بکری جو کنارہ پر رہ جائے ریوڑ کے۔

تو یہ کل تین قسم کی بکریاں ہو گئیں۔ جن کو بھیڑیا پکڑ لیتا ہے، اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

وایاکم و الشعاب: کہ بچاؤ تم خود کو شاخ در شاخ ہونے سے، یہ شعاب شعب سے ہے جس کے معنی ہیں شاخ در شاخ ہونا، یہ جو دنیا میں شاخیں پھیلی ہوئی ہیں، کہیں قادیانیت، کہیں بریلویت رضاخانیت، کہیں غیر مقلدیت، کہیں مودودیت وغیرہ ان سے بچو اور جماعت عامہ کے ساتھ رہو۔

تم پر جماعت عامہ کے ساتھ رہنا لازم اور ضروری ہے، جو جماعت عامہ سے جدا ہو جائیں ان کے ساتھ نہ رہو۔ ورنہ شیطان غالب ہو جائے گا اور گمراہ کر ڈالے گا۔

جماعۃ و عامۃ: سے مراد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کے طریقہ پر چلنے والوں کی جماعت مراد ہے، جو اہل سنت والجماعت ہے۔

جماعت سے علیحدگی

﴿۱۷۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۱۸۰، کتاب السنة، باب فی قتل الخوارج، حدیث نمبر: ۴۷۵۸۔

حل لغات: فارق واحد مذکر غائب، فعل ماضی، باب مفاعلت، مصدر مُفارقة، جدا ہونا، شبراً شِبرٌ بالشت، ج اَشبار، خَلَعَ، (ف) خَلْعاً، الشیءَ اتارنا، رِبقَة، رسّی کا پھندا، ج ربق، و رباق، عُنُق، ج اعناق، گردن۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس نے جماعت سے بالشت بھر بھی جدائی اختیار کی اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسّی کا پھندا اتار دیا۔

تشریح: یہاں جماعت سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت ہے اور ان ہی کے طریقہ پر اہل سنت والجماعت ہیں۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریقہ چھوڑ دے، تو اسلام کی رسّی اس کی گردن سے نکل جاتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح جانور کی گردن سے رسّی نکل جائے تو وہ مالک کی حفاظت سے نکل جاتا ہے، اسی طرح جماعت عامہ سے نکلنے سے انسان اسلام کی حفاظت سے نکل کر ضلالت وگمراہی کی ہلاکت میں جا پڑتا ہے۔

قرآن وحدیث کا اتباع لازم ہے

﴿۱۷۷﴾ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ۔ (رواه فی المؤطا)

حوالہ: مؤطا امام مالک: ٢٦٣، کتاب القدر، باب النھی عن القول بالقدر، حدیث نمبر: ٣۔

حل لغات: تمسکتم، ماضی جمع مذکر حاضر، تَمَسَّکَ بہ، چمٹنا، مضبوطی سے تھامنا۔

ترجمہ: حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے لئے ایسی دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں کہ جب تک تم ان دونوں چیزوں کو پکڑے رہو گے، ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، اور وہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی کتاب، اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی سنت ہے۔

تشریح: معلوم ہوا کتاب اللہ قرآن پاک اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ دونوں چیزیں ہدایت کے لئے ضروری ہیں، اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو کتاب اللہ کو ہدایت کے لئے کافی سمجھتے ہیں، یا کتاب اللہ کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی روشنی کے بغیر اپنے طور پر کرتے ہیں۔

بدعت کا وبال

﴿١٧٨﴾ وَعَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ الثُّمَالِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ إِحْدَاثِ بِدْعَةٍ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ٤/١٠٥۔

حل لغات: احدث ایجاد کرنا، پیدا کرنا، رُفِعَ ماضی مجہول، اٹھنا، رفع (ف)

رفعاً اٹھانا۔

ترجمہ: حضرت غصیف بن حارث ثمالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) اسی جیسی کوئی سنت اٹھالی جاتی ہے، تو سنت کو پکڑنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

تشریح: مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ:

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ایجاد سنت تقاضا کرتا ہے بدعت کے ختم ہونے کا جیسا کہ ایجاد بدعت سنت کے ختم ہونے کا تقاضا کرتا ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فتمسک بسنة" سنت کو مضبوطی سے پکڑنا اگرچہ معمولی ہی درجہ کی سنت کیوں نہ ہو، جیسا کہ آداب بیت الخلاء کو زندہ رکھنا پس معمولی درجہ کی بھی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے، اوراس کے اندر راز یہ ہے کہ جو شخص ان آداب کی رعایت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو مزید توفیق دیگا یہاں تک کہ وہ برابر مراتب میں ترقی کرتا رہے گا، اسفل سے اعلیٰ کی جانب بالآخر وہ اس بلندی اور ترقی میں مقام وصل مقام محبوبیت تک پہنچ جائے گا، جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: **لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذا احببتهٔ کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به الحدیث.** [بندہ نوافل کے ذریعہ سے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور جو شخص ادب کو چھوڑ دیتا ہے، تو پھر ترک افضل آہستہ آہستہ اس کو درجۂ زنگ اور طبع قلوب تک پہونچا دیتا ہے۔]

(الطیبی: ١/٣٨١، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

بدعت اور سنت میں ایسا ہی اختلاف وتضاد ہے جیسا کہ دن اور رات میں کہ دن ہوگا تو رات نہیں ہوگی اور رات ہوگی تو دن نہیں ہوگا۔

فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ: پس سنت پر عمل کرنا احداث بدعت سے بہتر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ احداث بدعت میں بھی کوئی خیر ہے؟ نہیں احداث بدعت میں خیر تو کیا خیر کا شائبہ تک نہیں۔

ایضاً

﴿۱۷۹﴾ وَعَنْ حَسَّانٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِیْ دِیْنِهِمْ اِلَّا نَزَعَ اللّٰہُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا یُعِیْدُهَا اِلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔

(رواہ الدارمی)

حوالہ: سنن دارمی: ۱/۵۸، مقدمہ باب اتباع السنۃ، حدیث نمبر: ۹۸۔

حل لغات: نَزَعَ نزع (ف) نزعاً نکالنا، یُعید، اعاد یعید اعادة الیہ لوٹانا۔

ترجمہ: حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسی کے مثل ان سے سنت اٹھالیتا ہے، اور پھر وہ سنت قیامت تک ان کے پاس لوٹ کر نہیں آتی ہے۔

تشریح: ثم لایعیدھا الی یوم القیامۃ: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ سنت کے اکھڑ جانے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک تناور درخت جب اس کی جڑیں زمین کی گہرائی میں سرایت کر جاتی ہیں پھر اس کو اکھاڑ کر پھینک دیا جائے تو اب اس کو دوبارہ زمین

کے اندر لوٹانا اور اس کو گاڑنا پہلی حالت پر ناممکن اور محال ہے اسی طرح سنت نے اپنی جگہ جڑ پکڑلی پھر اس کو زائل کرکے اکھاڑ پھینکا تو اب اس کا اعادہ ممکن ہی نہیں۔

(الطیبی: ۱/۳۸۲، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

مطلب یہ ہے کہ بدعت کو لوگ دین سمجھ کر اختیار کرتے ہیں، اس لئے اس سے توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ آدمی کسی چیز کو گناہ سمجھتا ہے تو اس کے کرنے سے شرمندگی ہوتی ہے اور کبھی نہ کبھی توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے، بخلاف بدعت کے کہ اس کو دین سمجھ کر کرتا ہے اس پر شرمندگی کا سوال ہی نہیں ہوتا، پھر توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی، الا ماشاء اللہ۔ اس لئے بدعت سے اجتناب انتہائی ضروری ہے۔

بدعتی کی تعظیم

﴿۱۸۰﴾ وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مَيْسَرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا)

حوالہ: بیھقی فی شعب الایمان: ۱۱، باب فی مباعدة الکفار والمفسدین، حدیث نمبر: ۹۴۶۴۔

حل لغات: وقّر باب تفعیل سے، تعظیم کرنا، اعان (اعانة) علی شئ مدد کرنا، ھدم (ضرب) ھَدَماً منہدم کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم ابن میسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام ڈھانے

میں اس کی مدد کی۔

تشریح: اس لئے کہ بدعتی کی تعظیم کرنے سے دوسرے لوگ بھی فتنہ میں مبتلا ہوں گے وہ سمجھنے لگیں گے کہ بدعت اچھی چیز ہے تب ہی تو صاحب بدعت کی تعظیم کی اور خود بدعتی بھی فتنہ میں مبتلا ہوگا وہ سمجھے گا کہ میری اس بدعت کی وجہ سے ہی میری یہ تعظیم ہورہی ہے، لہٰذا یہ اچھی چیز ہے، اور وہ اس پر اور زیادہ پختہ ہوجائے گا، پس بدعتی کی تعظیم بدعت کے رواج اور اس کے استحکام اور مضبوطی کا ذریعہ ہے، جو سراسر ہدم الاسلام ہے۔

کتاب اللہ کی تعلیم اور اس کی اتباع

﴿۱۸۱﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللّٰهِ ثُمَّ اتَّبَعَ مَا فِيْهِ هَدَاهُ اللّٰهُ مِنَ الضَّلَالَةِ فِي الدُّنْيَا وَوَقَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سُوْءَ الْحِسَابِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مَنِ اقْتَدٰى بِكِتَابِ اللّٰهِ لَا يَضِلُّ فِي الدُّنْيَا وَلَا يَشْقٰى فِي الْاٰخِرَةِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ "فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى"۔ (رواه رزين)

حوالہ: رزین. مکمل حوالہ نہیں مل سکا۔

حل لغات: وقاه، وقی وِقایةً (ضرب) محفوظ رکھنا، سوء ساء کا اسم ہے، آفت، شر، فساد، جمع اسواء.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کتاب اللہ کو سیکھا، پھر جو کچھ اس میں ہے، اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دنیا میں گمراہی سے بچا کر ہدایت پر باقی رکھیں گے اور قیامت کے دن برے عذاب سے بچائیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے کتاب اللہ کی پیروی کی، تو وہ دنیا میں گمراہ نہیں ہوگا، اور آخرت میں

بد بخت نہیں ہوگا، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: "فمن اتبع الخ"
[جس شخص نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ گمراہ نہیں ہوگا۔ اور بد بخت نہیں ہوگا۔]

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو کتاب اللہ کو سیکھے اس کے معانی کو سمجھے اور اس کے تمام احکام پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت کی توفیق دیں گے اور بچالیں گے اللہ تعالیٰ اس کو برے حساب سے یعنی ایسے حساب سے جس میں ذرہ ذرہ پیسہ پیسہ منٹ منٹ اور سانس سانس کا حساب ہوگا، اور جس سے اس طرح حساب کیا جائیگا وہ یقیناً ہلاک ہو جائیگا، تو اللہ تعالیٰ سخت حساب کے بجائے اس کا حساب آسان لیں گے۔ اور جس کا حساب آسان لیا جائے گا، وہ اصحاب یمین میں سے ہوگا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص کتاب اللہ کی اقتداء کرے تو دنیا میں وہ شخص گمراہ نہیں ہوگا اور آخرت میں محروم ہونے سے بچ جائیگا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ استشہاد یہ آیت کریمہ پڑھی: فمن اتبع هدای فلا یضل ولا یشقی اور اللہ کی ہدایت اس کی کتاب ہے تو جو قرآن پر عمل کرے گا تو وہ نہ بھٹکے گا اور نہ گمراہ ہوگا۔

فائدہ: حدیث پاک میں کتاب اللہ کی تعلیم اور اس پر عمل کی فضیلت بیان کی گئی ہے، مگر کتاب اللہ پر عمل سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم اور اس پر عمل کے بغیر ممکن نہیں پس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی متابعت وپیروی ایک دوسرے کی معرفت پر موقوف ہے۔ پس یہ دونوں باہم متلازم چیزیں ہیں، جو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں، حدیث پاک کا حاصل یہ ہوا کہ دارین کی سعادت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع وپیروی پر موقوف ہے۔ اللھم ارزقنا منه.

صراط مستقیم اور قرآن پاک کی مثال

﴿۱۸۲﴾ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُسْتَقِيْمًا وَعَنْ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُوْرَانِ فِيْهِمَا اَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ وَعَلَى الْاَبْوَابِ سُتُوْرٌ مُرْخَاةٌ وَعِنْدَ رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُوْلُ اِسْتَقِيْمُوْا عَلَى الصِّرَاطِ وَلَا تَعَوَّجُوْا وَفَوْقَ ذٰلِكَ دَاعٍ يَدْعُوْا كُلَّمَا هَمَّ عَبْدٌ اَنْ يَفْتَحَ شَيْئًا مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ قَالَ وَيْحَكَ لَا تَفْتَحْهُ فَاِنَّكَ اِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ ثُمَّ فَسَّرَهُ فَاَخْبَرَ اَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الْاِسْلَامُ وَاَنَّ الْاَبْوَابَ الْمُفَتَّحَةَ مَحَارِمُ اللّٰهِ وَاَنَّ السُّتُوْرَ الْمُرْخَاةَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَاَنَّ الدَّاعِيَ عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ هُوَ الْقُرْاٰنُ وَاَنَّ الدَّاعِيَ مِنْ فَوْقِهٖ هُوَ وَاعِظُ اللّٰهِ فِيْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ۔ رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَاَحْمَدُ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سِمْعَانَ وَكَذَا التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ اِلَّا اَنَّهٗ ذَكَرَ اَخْصَرَ مِنْهُ۔

حوالہ: مسند احمد: ۴/۱۸۲، بیہقی فی شعب الایمان: ۵/۴۴۴، باب فی معالجة کل ذنب بالتوبة، حدیث نمبر: ۷۲۱۶۔

حل لغات: جنبتي تثنیہ ہے، واحد جنبة، کنارہ، گوشہ، سوران تثنیہ ہے، واحد سُورٌ، ج اسوار وسیران، شہر پناہ، ستور، واحد ستر، پردہ لٹکا ہوا، ارخیٰ ارخاءً الستر پردہ لٹکانا، لاتعَوَّجوا، نہی جمع مذکر حاضر تعَوَّجَ تعوُّجاً تفعل سے، ٹیڑھا ہونا، تفعیل سے ٹیڑھا کرنا، هَمَّ (ن) هَماً ارادہ کرنا، تلجه، ولج (ض) ولوجاً البیت گھر میں داخل ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان کی کہ ایک سیدھا راستہ ہے، اس راستے کے دونوں جانب میں دو دیواریں کھڑی ہیں، ان دیواروں میں دروازے کھلے ہیں، ان دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، اور سڑک کے کنارے ایک پکارنے والا کہہ رہا ہے: ''راستے پر بالکل سیدھے چلو! ٹیڑھے مت چلو!'' اس کے آگے ایک اور پکارنے والا موجود ہے، جب کوئی بندہ دروازوں میں سے کسی کو کھولنے کا ارادہ کرتا ہے، تو وہ کہتا ہے، ارے نالائق! اس کو مت کھول! اگر تو اس کو کھولے گا تو اس میں داخل بھی ہو جائے گا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ راستے سے مراد اسلام ہے، دروازہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں، پڑے ہوئے پردوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، سڑک کے کنارے پر جو پکارنے والا کھڑا ہے اس سے مراد قرآن کریم ہے، اس کے آگے جو آگاہ کرنے والا موجود ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصیحت کرنے والا ہے، جو ہر مؤمن کے دل میں ہے۔ (رزین) مسند احمد، بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو ''نواس بن سمعان'' سے نقل کیا ہے، ترمذی نے بھی ان سے یہ روایت نقل کی ہے؛ لیکن ترمذی نے مختصراً روایت ذکر کی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان فرمائی ہے، مثلاً مفعول ثانی مقدم ہے اور صراطاً مستقیماً مفعول اول مؤخر ہے تقدیم کی جگہ تاخیر اہتمام شان کی وجہ سے بھی ہوتا ہے یہاں صراط مستقیم کے اہتمام شان کی وجہ سے مثلاً کو مقدم کیا یہ بحث تم نے مختصر المعانی میں پڑھی ہوگی۔

اور بیان فرمایا تم فرض کرو کہ ایک راستہ بہت دور تک جا رہا ہے اور اس کی دونوں جانب دیواریں ہیں اور ان دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں جن پر پردے پڑے ہوئے ہیں، دونوں طرف کے دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، اور ہر راستہ پر ایک

داعی وپکارنے والا کھڑا ہے جو پکار رہا ہے کہ سیدھے چلو سیدھے، ٹیڑھے مت چلو، اور ایک داعی اس کے اوپر اور ہے، اور جب بندہ اس چلمن کو کھولنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ کھول کر نہ دیکھو، کھول کر نہ دیکھو، وہ داعی کہتا ہے کہ تجھے خبر نہیں کہ اس کے اندر کیا ہے تو وہ اس کو کھول کر دیکھتا ہے اور جب کھولتا ہے تو اندر داخل ہوتا ہے، اور صراط مستقیم سے ہٹ جانے کی وجہ سے گمراہ ہو جاتا ہے۔ تو یہ صراط مستقیم کی مثال ہے۔

یہ راستہ تو اسلام ہے، اور وہ کھلے ہوئے دروازے محارم اللہ ہیں، ایک دروازہ پر زنا کاری رکھی ہوئی، ایک پر چوری، ایک کوئی اور حرام شی، اسی طرح تمام دروازے محرمات سے بھرے ہوئے ہیں اور دونوں جانب کی دیواریں اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، اور راستہ کا داعی وہ قرآن کریم ہے یہ تمام آوازیں قرآن کریم کی ماحصل ہیں، یہ نہیں کہ تم کان لگا کر سننے لگو کہ دیکھیں کیا بول رہا ہے۔ اور دوسرا داعی اس راستہ پر وہ اللہ تعالیٰ کا واعظ ہے، جو ہر مؤمن کے دل میں ہے کہ ہر گناہ کرتے وقت دل کے اندر کی آواز یہ ہوتی ہے کہ اس کو نہ کرو، کوئی مان لیتا ہے اور کوئی نہیں مانتا۔

فائدہ: خود دل انسان کو صحیح راہ کی رہنمائی کرتا ہے، انسان اس کو قبول کرے یا قبول نہ کرے، یہ الگ بات ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کے دل کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے، جو اس کے دل میں خیر اور بھلائی کی بات ڈالتا رہتا ہے، اور برائی کرنے سے روکتا ہے، مومن بندہ کو اس کا احساس بھی ہوتا ہے مگر جو بندہ دل کے اس تقاضہ پر عمل نہیں کرتا اور برائی کا ارتکاب کرتا رہتا ہے پھر دل کا وہ تقاضہ کمزور ہو جاتا ہے کہ پھر بندہ کو اس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ فقط

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام ومرتبہ

﴿۱۸۳﴾ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، أَبَرَّهَا قُلُوْباً وَأَعْمَقَهَا عِلْماً وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفاً اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِإِقَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى آثَرِهِمْ وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ (رواہ رزین)

حواله: بحثت كثيراً عن هٰذا الكتاب لكن لم اعثر عليه.

حل لغات: مستناً اسْتَنَّ بسيرة احدٍ کسی کی سیرت کی پیروی کرنا، ابرّھا اسم تفضیل، نیک، اعمقھا اسم تفضیل گہرا، عمق (ک) عمقاً صفت عمیق، گہرا۔

ترجمه: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی طریقے پر چلنا چاہتا ہے، تو وہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے، جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، کیوں کہ جو زندہ ہے وہ فتنہ سے مامون نہیں ہے، اور وہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں، جو اس امت کے سب سے اچھے لوگ تھے، دل کے اعتبار سے سب سے نیک تھے، علم کے اعتبار سے سب سے زیادہ گہرے علم والے تھے، بہت کم تکلف کرتے تھے، ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لئے منتخب فرمایا تھا، تو تم لوگ ان کی فضیلت کو پہچان لو، ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور تم سے جہاں تک ہو سکے، ان کے اخلاق اور ان کی سیرت اختیار کرو، اس وجہ سے کہ وہی لوگ ہدایت مستقیم پر تھے۔

تشریح: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص سنت پر چلنے کا ارادہ

کرے تو اس کو چاہئے کہ اپنے ان گذشتہ بزرگوں اور اکابر کا طریقہ اختیار کرے جن کا سنت پر چلنا معلوم و محقق ہو۔ چونکہ جو بزرگ زندہ ہیں ان کے بارے میں یقین نہیں کیا جا سکتا کہ کس کا کس عمل پر خاتمہ ہوگا ان پر فتنہ سے امن نہیں کیا جا سکتا۔

پس حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقش قدم پر چلو اور جہاں تک ہو سکے طاقت بھر ان کے اخلاق و سیرت کو اپناؤ کیونکہ وہ صراط مستقیم پر تھے۔

اقلھا تکلفا: سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ تکلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی تھا، اور تھوڑا بہت تکلف تو محبوب بھی ہے، شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس کی اجازت ہے، اگر مہمان آجائے اور تم چٹنی سے کھاتے ہو تو اس کے واسطے دال پکا دو ایسی بھی بے تکلفی کیا کہ اس کے سامنے بھی چٹنی ہی رکھدو۔

قولہ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم: صحابی اس کو کہتے ہیں جن کی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی ہو اور وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہو اور ایمان ہی پر اس کی وفات ہوئی ہو۔ حدیث پاک سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے:

فوائد حدیث

(۱)...... صحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تمام امت میں افضل ہیں، بڑے سے بڑے محدث بزرگ اقطاب ابدال سب سے افضل ہیں۔

(۲)...... ان کے قلوب بہت صاف ستھرے تھے، کسی کی طرف سے کوئی کینہ کپٹ نہیں رکھتے تھے، آپس میں اگر کوئی اختلاف ہوا تو وہ سب للہ فی اللہ تھا نفسانیت کی وجہ سے نہیں تھا۔

(۳)......ان کا علم بہت گہرا تھا، چونکہ براہ راست حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فیض حاصل کیا تھا۔

(۴)......ان کی زندگی بہت سادہ تھی، جیسا مل گیا کھالیا، جیسا مل گیا پہن لیا، وہ تکلفات کے عادی نہیں تھے۔

(۵)......اللہ تعالیٰ نے ان کو چنا تھا، ان کی زندگی کا خاص مقصد حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت اور اشاعت دین۔

(۶)......ان کی فضیلت کا اعتراف ضروری ہے۔

(۷)......ان کے نقش قدم پر چلنا ضروری ہے۔

(۸)......ان کی سیرت اور ان کے اخلاق کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔

(۹)......وہ کامل ہدایت پر تھے۔

(۱۰)......اور جس میں یہ اصاف موجود ہوں، یقیناً وہ معیار حق ہے، اسلئے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معیار حق ہیں۔

(۱۱)......کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پابندی بدعت سے کامل اجتناب سے متعلق احادیث مبارکہ بیان کرنے کے بعد صاحب مشکوۃ نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقام و مرتبہ سے متعلق حدیث پاک کو ذکر فرمایا ہے، جس سے اس کی طرف اشارہ ہے کہ کتاب وسنت پر عمل اور بدعات سے کامل اجتناب حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کامل اتباع اور ان کے نقش قدم پر چلنے ہی سے ممکن ہوسکتا ہے۔

پس جو لوگ ان پاکیزہ ہستیوں کو نشانہ بناتے ہیں، یعنی اعتراضات کرتے ہیں، ان پر بے جا تنقیدیں کرتے ہیں، وہ اپنے انجام کی فکر کریں۔ فقط

اشکال مع جواب

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تقلید کی جائے گی تو پھر حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی تقلید کیسے کی جاسکتی ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی آراء اوران کے مذاہب منتشر تھے، عام لوگ ان کو جمع کر کے فیصلہ نہیں کر سکتے تھے، ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کو جمع کر کے منقح فرمایا، پس حضرات ائمہ رحمہم اللہ کا اتباع کرنا ان کی تقلید کرنا، یہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہی کی تقلید کرنا ہے۔

تورات کے مطالعہ کی ممانعت

﴿۱۸۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنُسْخَةٍ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذِهٖ نُسْخَةٌ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَسَكَتَ فَجَعَلَ يَقْرَأُ وَوَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَغَيَّرُ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ مَاتَرٰى مَا بِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ بَدَا لَكُمْ مُوْسٰى فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِيْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَاَدْرَكَ نُبُوَّتِيْ لَاتَّبَعَنِيْ۔ (رواه الدارمی)

حوالہ: سنن دارمی:۱/۱۲۶، مقدمہ، باب مایتقی من تفسیر الحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر:۴۳۵۔

حل لغات: تغیر تفعل سے بدل جانا،ٹکلٹکی، ثَکِل (س) ثُکلاً ابنہ گم کرنا،ثواکل ثاکلۃ کی جمع ہے،گم کرنے والی۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں ''تورات'' کا ایک نسخہ لے کر حاضر ہوئے، پھر انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ تورات کا نسخہ ہے، حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش رہے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھنا شروع کردیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر ہونے لگا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ گم کرنے والیاں تم کو گم کریں، کیا تم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو نہیں دیکھ رہے ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھا تو فوراً بولے: میں اللہ تعالیٰ کے غضب سے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے غضب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں، ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے، اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان آجائیں اور تم ان کی پیروی کرو اور مجھ کو چھوڑ دو تو یقیناً تم راہ راست سے گمراہ ہوجاؤ گے، اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے، اور میری نبوت پاتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔

تشریح: و ادرک نبوتی لاتبعنی: یعنی اگر حضرت موسیٰ علیہ

السلام بھی میرے زمانہ نبوت کو پالیتے تو ان کو بھی میری پیروی کرنی پڑتی اس لئے کہ میرے زمانہ اور میری شریعت کے آجانے کے بعد ان کا دین اور ان کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے، اور اس بات کا عہد و پیمان اللہ تعالیٰ تمام نبیوں اور رسولوں سے لے چکا ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ''واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال ااقررتم واخذتم علی ذلک اصری قالو اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشٰھدین'' [اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا حضرات انبیاء علیہم السلام سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم دوں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آوے جو مصدق ہو اس کا جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس رسول پر اعتقاد بھی لانا اور اس کی طرفداری بھی کرنا، فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس پر عہد قبول کیا؟ وہ بولے ہم نے اقرار کیا ارشاد فرمایا تو گواہ رہنا اور میں اس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔] (بیان القرآن)

کہا گیا ہے کہ رسول عام ہے اور اس میں تنوین تنکیر ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے رسولِ خاص یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، اور تنوین تعظیم کی ہے۔ واللہ اعلم (مرقاة: ۱/۲۶۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

نسخ کا بیان

﴿۱۸۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامِيْ لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللّٰهِ وَكَلَامُ اللّٰهِ يَنْسَخُ كَلَامِيْ وَكَلَامُ اللّٰهِ يَنْسَخُ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔

حوالہ: سنن دارقطنی: ۴/۱۴۵، کتاب النوادر.

حل لغات: يَنْسَخُ نَسَخَ (ف) الشیءَ زائل کرنا، باطل کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میرا کلام! اللہ تعالیٰ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا بعض حصہ دوسرے بعض حصے کو منسوخ کرتا ہے۔

تشریح: کلام اللّٰہ ینسخ بعضہ بعضا: احناف کے نزدیک نسخ کی چار قسمیں ہیں: (۱) کتاب اللہ کا نسخ کتاب اللہ کے ذریعہ۔ (۲) حدیث کا نسخ حدیث کے ذریعہ۔ (۳) کتاب اللہ کا نسخ حدیث کے ذریعہ۔ (۴) حدیث کا نسخ کتاب اللہ کے ذریعہ۔

تیسری قسم کے اندر امام شافعیؒ امام احمدؒ اور سفیان ثوریؒ کا اختلاف ہے، اس کی مثال جیسے: الوصیة للوالدین و الاقربین یہ آیت کریمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لا وصیة لوارث کے ذریعہ منسوخ ہے، نیز کتاب اللہ کے منسوخ ہونے کی بھی چند قسمیں ہیں، پہلی قسم یہ ہے کہ تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں اور وہ وہ ہے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا کر منسوخ کر دیا گیا، یہاں تک روایت کیا گیا ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی اور دوسری قسم یہ ہے کہ صرف حکم منسوخ ہو تلاوت باقی رہے، جیسے لکم دینکم ولی دین اور تیسری قسم ہے صرف تلاوت منسوخ ہو حکم باقی رہے جیسے آیتِ رجم الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھا اس کی تلاوت تو منسوخ ہے لیکن حکم باقی ہے۔ (مرقاة: ۱/۲۶۲، باب الاعتصام بالکتاب و السنة)

حدیث کا نسخ حدیث سے

﴿۱۸۶﴾ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَادِيْثَنَا يَنْسَخُ بَعْضُهَا بَعْضاً كَنَسْخِ الْقُرْآنِ۔

حواله: دارقطنی: ۱۴۵/۴، کتاب النوادر.

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بلاشبہ میری بعض احادیث دوسری بعض احادیث کو ایسے ہی منسوخ کرتی ہیں جس طرح قرآن کریم میں نسخ ہوتے ہیں۔

تشریح: إِنَّ أَحَادِيْثَنَا يَنْسَخُ بَعْضُهَا بَعْضاً: یعنی وہ احادیث جو سند کے اعتبار سے صحیح اور درست ہیں بشرطیکہ تاریخ کی بھی معرفت اور اس کا علم ہو تو ایسی بعض احادیث دوسری بعض احادیث کیلئے ناسخ بن جاتی ہیں، جیسا کہ کلام پاک کی بعض آیتیں بعض دوسری آیتوں کے لئے ناسخ ہیں، اور یہ حدیث پاک کو کلام پاک کے ساتھ مشابہت صرف نسخ کے اندر ہے اس کی تمام انواع اور قسموں میں نہیں ہے۔
(مرقاۃ: ۲۶۲/۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

فرائض، محرمات، حدود کا حکم

﴿۱۸۷﴾ وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْداً فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا

تَبْحَثُوْا عَنْهَا وَرَوَی الْاَحَادِیْثَ الثَّلَاثَةَ۔ (الدار قطنی)

حوالہ: سنن دارقطنی:۴/۱۸۳، کتاب الرضاع.

حل لغات: لاتضیعوا باب تفعیل سے، نہی جمع مذکر حاضر، مصدر تضییع ضائع کرنا، تنتھکوا انتھک الشیء بےعزتی کرنا، بےحرمتی کرنا، تعتدوا مصدر اعتداء تجاوز کرنا، تبحثوا بحث (ن) عن شیءٍ تلاش کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالی نے بہت سے فرائض عائد کئے ہیں، تو تم لوگ انکو ضائع مت کرو، اور بہت سی چیزیں حرام قرار دی ہیں، تو تم ان کے قریب مت جاؤ، اور بہت سی حدود مقرر کی ہیں، تو تم ان سے تجاوز مت کرو، اور بہت سی چیزوں کے بارے میں بغیر کسی بھول چوک کے سکوت فرمایا ہے، تو تم ان کے بارے میں تلاش وجستجو میں نہ پڑو، ان تینوں حدیثوں کو دارقطنی نے نقل کیا ہے۔

تشریح: ان اللہ فرض فرائض: یہ فریضة کی جمع ہے مفروضة کے معنی میں فرض وہ ایسی عبادت ہے جس کے کرنے پر ثواب اور چھوڑنے پر عذاب مرتب ہو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو۔

فلا تضیعوھا: یعنی ان کو پوری طرح چھوڑ کر یا ان کے شرائط وارکان کو ترک کر کے ضائع مت کرو یا ان کے ساتھ شہرت وریا اور عجب وغرور کو ملا کر ان کو برباد مت کرو، عارفین کے نزدیک یہی معرفت الٰہیہ ہے جو مقصود تخلیق ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالی میں اسی جانب اشارہ ہے: "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ای لیعرفون" اور معرفت خداوندی عموماً مجاہدہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور وہ مجاہدہ یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو

برے اخلاق اور اوصاف رذیلہ سے پاک کرے اور اخلاق حمیدہ اوصاف فاضلہ جیسے توبہ تقویٰ زہد واستقامت وغیرہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے۔(مرقاۃ: ۲۶۲/ ۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

اور یہ چیز عامۃً صحبت شیخ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اس لئے اس سے صحبت شیخ کامل کی ضرورت بھی نکل آتی ہے۔

فلا تعتدوھا: یعنی حد سے نہ بڑھو نہ زیادتی میں اور نہ کمی کے اندر، نہایہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حدود اللہ کی محارم ہیں اور اس کی وہ سزائیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں کے ساتھ جوڑ دیا ہے، حد کے اصل معنی ہیں روکنا، اور دو چیزوں کے درمیان جدائی اور دوری پیدا کرنا تو حدود شرع بھی حلال وحرام کے درمیان دوری پیدا کرتے ہیں، ان ہی محارم میں سے ہیں، فواحش محرمہ جن کے قریب ہونے سے بھی منع کیا گیا ہے، نیز مواریث معینہ، چار بیویوں سے نکاح وغیرہ یہ ایسے حدود ہیں جن سے تجاوز نہ کیا جائے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا. (مرقاۃ: ۲۶۳/ ۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

فائدہ: حدیث پاک کا مطلب یہ ہوا کہ مومن بندہ کے لئے فرائض کی پابندی محرمات سے اجتناب، حدود سے احتراز ضروری ہے، ان چیزوں پر عمل کرتا رہے، نجات کے لئے کافی ہے، اور جن چیزوں سے سکوت کیا گیا ہے، کہ قرآن وحدیث میں اس کے بارے میں کچھ صراحت نہیں، نہ ائمہ مجتہدین نے ان سے تعرض کیا، ایسی چیزوں کی تحقیق وتفتیش کے درپے نہیں ہونا چاہئے، اور اصل اشیاء کے اندر اباحت ہے، اس اصول پر عمل درآمد کرنا چاہئے۔فقط ❁❁❁

کتاب العلم

رقم الحدیث:...... ۱۸۸/ تا ۲۶۱/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب العلم

فضیلت علم

جس علم کی فضیلت واہمیت حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے اس سے علم دین اور علم شریعت مراد ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين.** [کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ تا کہ سمجھ پیدا کریں دین میں]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عام مومنین سے اوپر علماء کے سات سو درجے ہیں، اور ہر دو درجوں کے درمیان کی مسافت پانچ سو سال ہے، امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ علم کی تلاش وجستجو میں لگنا نفل نماز سے بہتر ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم کا سیکھنا تم پر لازم وضروری ہے اس سے قبل کہ علم کو اٹھالیا جائے، اوراس کا اٹھانا اس کے راویوں کا دنیا سے رخصت ہوجانا ہے، اور کوئی شخص عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا بلکہ علم تو سیکھنے سے ہی آتا ہے، علم کے ذریعہ سے بندہ نیک لوگوں کے مراتب کو پہنچ جاتا ہے، اس کے اندر غور وفکر کرنا یہ روزہ رکھنے کے برابر ہے، اوراس کا پڑھنا پڑھانا رات کو قیام کرنے کے برابر ہے، نیز اسی کے ذریعہ سے بندہ اللہ کا مقرب اور برگزیدہ بن جاتا ہے اسی کے ذریعہ سے حلال وحرام کو پہچانا جاتا ہے، علم امام ہے، اور عمل اس کے تابع ہے، خوش نصیبوں کو اس کا الہام کیا جاتا ہے اور بدنصیب اس سے محروم رہتے ہیں، حسن بصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اگر علماء نہ ہوتے

تو لوگ چوپاؤں کی طرح ہوجاتے، یعنی علماء تعلیم کے ذریعہ سے لوگوں کو حد بہیمت سے نکال کر حد انسانیت تک پہنچاتے ہیں۔

علم نبوی و علم لدنی

اور علم دو طریقوں سے حاصل ہوتا ہے، ایک طریقہ تعلیم انسانی ہے اور دوسرا تعلیم ربانی ہے، پہلا طریقہ تو معروف ومشہور ہے، جو تمام اہل عقل وشعور کے یہاں رائج ہے، البتہ تعلیم ربانی تو اس کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت القاءِ وحی کی ہے، اور دوسری صورت الہام کی ہے، جو علم وحی سے حاصل ہوتا ہے اس کو علم نبوی کہتے ہیں اور جو الہام سے حاصل ہوتا ہے، اس کو علم لدنی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور علم لدنی صاحب نبوت یا صاحب ولایت ہی کو حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ خضر علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے: وعلمناه من لدنا علما. اور حقیقت دانائی علم لدنی سے ہی حاصل ہوتی ہے اور جو انسان اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے وہ حکیم کہلاتا ہے، اس لئے کہ حکمت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے وہ جس کو چاہتا ہے، عطا کردیتا ہے: يؤتي الحكمة من يشاء ومن يؤت الحكمة فقد اوتي خيرا كثيرا.

(التعليق الصبيح: ۳۹-۱۳۸/ ۱، كتاب العلم)

الفصل الاول

تبلیغ حدیث اور حدیث گھڑنے کا وبال

﴿۱۸۸﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۹۱، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۴۶۱۔

حل لغات: بَلِّغُوْا امر حاضر ہے، باب تفعیل سے، الشیٔ پہونچانا، آیۃ، نشان، عبرت، پند و نصیحت، قرآن کریم کا ایک محدود حصہ، حَدِّثُوْا امر حاضر، جمع مذکر، (تفعیل) کلام کرنا، خبر دینا، بیان کرنا، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا، الحَرَج گناہ، قرآن میں ہے: "لیس علی الاعمی حَرَجٌ" متعمداً، تعمدا الشیٔ ولہ، (تفعل) کوئی کام دیدہ و دانستہ کرنا، فلیتبوأ امر حاضر غائب، تَبَوَّأَ المکان وبہ ٹھیرنا، جگہ بنالینا، المقعد ٹھکانا، بیٹھنے کی جگہ، قَعَدَ ـُ قُعُوداً بیٹھنا، النار ج نیران، آگ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری بات لوگوں تک پہونچاؤ اگر چہ ایک ہی آیت ہو، اور بنی سرائیل کی باتیں نقل کرو، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، اور جس شخص نے میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ لگایا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

تشریح: کتاب الایمان ختم ہوئی اور چونکہ ایمان معتبر ہے سنت کے ساتھ، بغیر سنت کے ایمان معتبر نہیں اس لئے کتاب الایمان کے بعد کتاب السنۃ کو بیان کیا، اور چونکہ سنت کو بغیر علم کے نہیں جان سکتے اس لئے ضروری ہے کہ کتاب العلم کو کتاب السنت کے بعد ذکر کیا جائے، اور ایمان مکمل ہونے کے بعد ضرورت پڑتی ہے عمل کی اس لئے کتاب العلم کے بعد کتاب الطہارت کو ذکر کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ پہنچاؤ تم میری طرف سے اگرچہ ایک ہی بات کیوں ہو، میری ہر بات امانت ہے اور امانت کا صاحب امانت کو پہنچانا ضروری ہے، اور اگر اسرائیلی روایات کو بطور عبرت و مثال تم بیان کرنا چاہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور ہاں دیکھو جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولیگا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے، بے سند حدیثوں کو میری طرف سے بیان کرنا کارِ جہنم ہے اگر اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیں تو اس کا فضل ورنہ قانون یہی ہے کہ اس کو جہنم میں داخل کیا جائے۔

قولہ بلغوا عنی ولو اٰیۃ: آیت سے مراد مفید کلام ہے اور وہ آیت وحدیث دونوں کو شامل ہے، یا پھر آیت سے مراد وہ حکم ہے جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی گئی اور وہ حکم وحی متلو غیر متلو وحی جلی اور خفی سب کو شامل ہوگا۔

اشکال مع جواب

اشکال: ولو اٰیۃ پر ایک اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ ولو اٰیۃ کے بجائے ولو حدیثاً ہی کیوں نہ کہدیا جبکہ اٰیۃ سے مراد حدیث ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اس کی دو وجہ ہیں، ایک وجہ تو یہ ہے کہ آیت کے اندر حدیث شریف داخل ہے، اس لئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کی تبلیغ کرنے والے ہیں، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طبیعتیں قراءۃ قرآن اور اس کی نشر واشاعت اور تعلیم وتعلم کی طرف مائل ہیں، نیز اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، یا پھر اس کی شرافت وعظمت کی وجہ سے، یا ولو اٰیۃ کو اس لئے اختیار فرمایا کہ جو چیز نبی سے صادر ہو وہ نشانی ہے اس کی رسالت پر، اس لئے کہ ایک امی سے

ایسے علوم کا ظاہر ہونا یہ اس کا معجزہ ہے۔(مرقاۃ: ۲۶۴/ ۱، کتاب العلم)

تنبیہ: حدیث کے بجائے آیت کہنا یہ اس جانب اشارہ ہے کہ حدیث کے ایک ٹکڑے کی تبلیغ کرنا حدیث شریف کو تام اور مکمل کئے بغیر یہ جائز ہے۔

اشکال مع جواب

قولہ وحدثوا عن بنی اسرائیل: اس سے قبل ایک حدیث شریف کے اندر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے توریت پڑھنے کی اجازت چاہنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا اظہار فرماتے ہوئے "امتھوکون انتم" ارشاد فرمایا اور اس حدیث پاک کے اندر بنی اسرائیل کی احادیث کی رخصت دی ہے۔

جواب: دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہاں ان کے قصوں کو بیان کرنا مراد ہے، مثلاً بچھڑے کی عبادت سے توبہ میں انہوں نے اپنے آپ کو قتل کیا جس کی تفصیل قرآن کریم میں موجود ہے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روکنا اور منع کرنا تورات کے ان احکام کو لکھنے سے متعلق تھا جس کا تعلق عمل سے تھا، اس لئے کہ تمام شریعتیں اور ادیان وکتب حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت سے منسوخ ہوگئیں۔(الطیبی: ۳۹۰/ ۱، کتاب العلم)

قولہ ومن کذب علی متعمدا: علامہ کرمانی فرماتے ہیں اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جھوٹا کلام منسوب کرنا مراد ہے، خواہ وہ آپ کے خلاف ہو یا موافق ہو اس سے ان حضرات کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے، جو وضع حدیث کو **تحریض علی العبادۃ** کے لئے جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ بعض جاہل صوفی فضائل کے اندر جھوٹی اور موضوع حدیث بیان کرتے ہیں اور کذب کو علی کے ذریعہ سے متعدی بنانا لفظ

افتراء کے معنی کی تضمین کی وجہ سے ہے، متعمدا حال کی بنا پر منصوب ہے لیکن یہ حال مؤکد نہیں ہے اس لئے کہ کذب کبھی بغیر تعمد کے ہوتا ہے نیز اس میں تنبیہ ہے کہ عدمِ تعمد کی صورت میں آدمی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔(مرقاۃ: ۱/۲۶۵، کتاب العلم)

قولہ فلیتبوء مقعدہ من النار: یہاں امر کا صیغہ خبر کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس کا ٹھکانا جہنم میں بنائے گا، اور صیغۂ امر سے اس کو تعبیر کرنا اہانت کے لئے ہے، نیز اسی حدیث شریف سے ماخوذ ہے کہ جو شخص حدیث شریف کو جان بوجھ کر غلط پڑھے خواہ وہ غلطی ادائیگی میں ہو یا اعراب کے اندر ہو وہ اس سخت وعید کے اندر داخل ہو جائیگا، اس لئے کہ غلطی کرنے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کا افتراء کرنے والا ہے، نیز اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ جو شخص حدیث شریف نقل کرے اور اس کے جھوٹ ہونے کو جانتا ہو تو وہ جہنم کا مستحق ہوگا مگر یہ کہ توبہ کرلے۔(مرقاۃ: ۱/۲۶۵، کتاب العلم)

جھوٹی حدیث روایت کرنا

﴿۱۸۹﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ وَالْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ بِحَدِيْثٍ يُرٰى اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۶، باب وجوب الروایۃ عن الثقات الخ، المقدمۃ، حدیث نمبر: ۱۔

حل لغات: يُرٰى فعل مجہول، سمجھنا، كَذِبٌ جھوٹ۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کرے جس کے بارے میں اس کا یہ خیال ہو کہ وہ جھوٹی حدیث ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

تشریح: یُرٰی: مجہول پڑھنا زیادہ فصیح ہے، اور یَرٰی یعنی معروف پڑھنا بھی صحیح ہے، رؤیت سے رؤیتِ قلبی مراد ہے، اور اگر کاذبین بہ صیغۂ تثنیہ پڑھیں تو معنی یہ ہوں گے کہ وہ دو جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے، یعنی ایک تو وہ خود جھوٹا اور ایک اس کا استاذ یا اس کا گھڑنے والا۔

مطلب یہ ہے کہ جان بوجھ کر کسی جھوٹی حدیث کو بیان کرنا ایسا گناہ ہے جیسا کہ جھوٹی حدیث بنانا کیونکہ جھوٹی حدیث کو لوگوں کے درمیان رائج کرنا اور پھیلانا حقیقت میں جھوٹی حدیث بنانے والے کی مدد کرنا اور اس کے بڑے مقصد کو تقویت پہنچانا ہے لہذا جھوٹی حدیث بنانے والا اور اس جھوٹی حدیث کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے اور پھیلانے والا دونوں ایک ہی درجہ میں ہوئے۔ (مرقاۃ: کتاب العلم)

تفقہ فی الدین

﴿۱۹۰﴾ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ۔

(متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۶/۲، باب من یرد اللہ بہ خیرا الخ، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۷۱، مسلم شریف: ۳۳۳/ ۱، باب النھی عن المسئلۃ، کتاب

الزکوٰۃ، حدیث نمبر:۱۰۳۷۔

حل لغات: یُفَقِّهْهُ واحد مذکر غائب، فعل مضارع، باب تفعیل سے، فقیہ بنانا، فَقِهَ الامرَ ۔ فَقَهاً اچھی طرح سمجھنا، قاسمٌ اسم فاعل، تقسیم کرنے والا، قَسَمَ. الشیءَ قسماً تقسیم کرنا۔

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں، اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔

تشریح: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیٹے ہیں ابوسفیان کے، اور ابوسفیان بیٹے ہیں حرب کے، ابوسفیان وہی ہیں جو کفار کی طرف سے اکثر جنگوں میں شریک رہے ہیں، اور ۸ھ تک جتنی جنگیں ہوئی ہیں وہ سب انہیں کی کارفرمائی ہے۔ یہ ابوسفیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔

وانما انا قاسم: قاضی صاحب فرماتے ہیں یعنی میں تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں پس ہر ایک کو اس کی لیاقت کے اعتبار سے دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ تم میں سے جس کو چاہتے ہیں، اس کو سمجھنے اور اس کے معنی میں غور وخوض کرنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق دیتے ہیں، علامہ تورپشتی فرماتے ہیں، جاننا چاہئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جو کچھ من جانب اللہ وحی کی گئی اس تقسیم یعنی اس کے پہونچانے میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی بلکہ تقسیم میں عدل وانصاف سے کام لیا اور پہنچانے میں برابری اختیار کی، فرق تو صرف سمجھ کے اعتبار سے ہے کہ بعض صحابۂ کرام حدیث پاک کو سنتے اور اس کے ظاہری معنی ہی کو سمجھ پاتے اور دوسرے بعض صحابہ یا بعد میں آنے والے تابعین حضرات نے اسے سنکر اس سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا یہ تو اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ و انما انا قاسم میں واؤ حالیہ ہے اور یفقھہ کی ضمیر فاعل یا اس کی ضمیر مفعول سے یہ حال ہے اگر اس کو ضمیر مفعول سے حال مانا جائے تو اس کے معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو تفقھہ فی الدین عطا کرتا ہے جو دینی سمجھ بوجھ کا ارادہ کرے اپنی صلاحیت وقابلیت کے اعتبار سے پھر اللہ تعالیٰ مجھے الہام کرتا ہے اس کے ڈالنے اور پہنچانے کا ہر ایک کی لیاقت وقابلیت کے اعتبار سے یہی قاضی صاحب کے کلام کا حاصل ہے، اور اگر اس کو فاعل کی ضمیر سے حال مانا جائے تو اس کے معنی ہوں گے کہ جو کچھ مجھ پر ظاہر ہوتا ہے میں اس کو پہنچا دیتا ہوں اور اس پہنچانے میں برابری کرتا ہوں کسی کو ترجیح نہیں دیتا پس اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کو اپنے ارادہ اور مشیت کے مطابق توفیق دیتا ہے، یہی علامہ تورپشتی کے کلام کا حاصل ہے۔ (الطیبی: ۳۹۳/ ۱، کتاب العلم)

لوگ سونے چاندی کی کانوں کے مثل ہیں

﴿۱۹۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّاسُ مَعَادِنُ کَمَعَادِنِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ خِیَارُھُمْ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ خِیَارُھُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِھُوْا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۳۰۷، باب خیار الناس، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث نمبر: ۲۵۲۶۔

حل لغات: اَلْمَعَادِنُ مَعْدِنٌ کی جمع ہے، کان، زمین کی وہ جگہ جہاں سے سونا چاندی وغیرہ نکالا جائے۔ خِیَارٌ خیر کی جمع ہے، اسم تفضیل، خلاف قیاس، زیادہ اچھا، زیادہ بہتر۔

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ لوگ سونے چاندی کی کان کی طرح ہیں، جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں بہتر تھے وہ زمانۂ اسلام میں بھی بہتر ہیں اگر وہ سمجھیں۔

تشریح: اذا فقھوا: یہ سمع سے بھی ہے اور کرم سے بھی، اور تم نے پڑھا ہوگا کہ کرم سے وہ ابواب آتے ہیں جو جبلی اور فطری ہوتے ہیں ان میں اپنے ارادہ واختیار کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اور سمع سے اکثر وہ ابواب آتے ہیں جو اختیاری ہوتے ہیں اس لئے فقھو کو اگر سمع سے لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے اختیار سے علم پڑھ کر سمجھ دار ہو گئے، اور اگر اس کو کرم سے لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے ان کو مجھدار بنا دیا۔

الناس معادن کمعادن الذھب و الفضۃ: لوگ کانیں ہیں جس طرح سونا چاندی کی کانیں ہوتی ہیں بہت سے علماء ایسے اسرار ومعارف بیان کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا لوحِ محفوظ ان کے سامنے کھلا ہوا رکھا ہے، جیسے دلی والے مولانا محمد یوسف صاحبؒ تھے جب کرسی پر بیٹھتے تھے تو کیسے کیسے معارف بیان کرتے تھے آپ ان کے مواعظ اٹھا کر دیکھیں تو اس کا کچھ اندازہ آپ کو ہوجائیگا ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے علماء ہیں ان حضرات کو معادن ذہب وفضہ کے ساتھ تو ایسی ہی تشبیہ دیدی ہے، ورنہ تو علمی معارف کے سامنے چاندی اور سونے کی حقیقت ہی کیا ہے۔ علم کی ایک بات زمین

وآسمان کے تمام خزانوں سے بہتر ہے، اور سونا چاندی کی کانیں ایسے ہی نہیں ملجاتیں بلکہ کچھ محنت کرنی پڑتی ہے اسی طرح علمی خزانوں کے واسطے بھی محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

علامہ تورپشتی اور شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے جیسے کانیں مختلف ہوتی ہیں کہ بعض میں لعل ویاقوت اور زمرد ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے اور بعض میں طلاء ونقرہ کی قابلیت ہوتی ہے اور بعض کے اندر لوہا اور تانبا کی استعداد ہوتی ہے اور بعض میں سرمہ اور چونہ بننے کی صلاحیت ہوتی ہے ایسے ہی ذاتی شرافت اور استعداد وقابلیت مختلف ہونے کی وجہ سے انسان بھی مکارم اخلاق اور عمدہ صفات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، پس جس طرح معدن مٹی کے ساتھ مخلوط رہنے اور اس پر مٹی کے پردے پڑے ہونے کی حالت میں اگر اس میں عمدگی کی صلاحیت ہے تو مٹی وغیرہ کا پردہ زائل کرنے کے بعد بھی وہ عمدہ ہی رہتی ہے، ایسے ہی انسان کے اندر اگر عمدگی کی صلاحیت ہے تو کفر کے زائل ہونے اور اسلام میں آنے کے بعد بھی وہ عمدہ ہی شمار کیا جاتا ہے، نیز انسان کے ساتھ سونے چاندی ہی کو خصوصاً ذکر کرنا یہ ان کے درمیان چند مناسبات کی بنا پر ہے۔ (۱) جیسے سونے چاندی کو کوٹ کر اور آگ میں داخل کر کے پگھلاتے ہیں دوسرے جواہرات کی یہ خصوصیت نہیں ہے، ایسے ہی انسان اپنے نفوس کو ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ کوٹ کر مختلف عبادات میں داخل کرتے ہیں جیسا کہ جب ایک عبادت سے فارغ ہوتے ہیں تو فوراً ہی دوسری عبادت کو شروع کر دیتے ہیں۔ (۲) جیسے سونے چاندی کو جتنا زیادہ آگ میں تپایا او پگھلایا جائے گا اتنا ہی زیادہ اس میں نکھار پیدا ہوگا اور جوہریت میں زیادتی ہوگی ایسے ہی انسان جس قدر ریاضات ومجاہدات کرے گا اتنا ہی صفائی باطن اور علم مکاشفہ میں اضافہ ہوگا۔ (۳) سونا اور چاندی شاہی مہر کے دو محل ہیں ایسے ہی مومن کا دل رحمٰن کی مہر کا محل اور مقام ہے فرمان باری تعالیٰ ہے: وکتب فی قلوبهم الایمان. (۴) اللہ تعالیٰ نے تمام

جواہرات کے درمیان زکوۃ کو سونے چاندی سے متعلق کیا ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے عبادت کو انسان سے متعلق کیا ہے۔(۵) جس طریقہ سے تمام اشیاء کی ترویج اور ان کی اشاعت سونے اور چاندی سے ہوتی ہے ایسے ہی تمام اشیاء کی ترویج انسان سے بھی ہوتی ہے۔(۶) جس طرح سونا اور چاندی اکثر ارفع الجواہر ہے ایسے ہی انسان ارفع الحیوانات ہے۔(۷) کثرت تداول اور کثرت نقل کی وجہ سے سونا اور چاندی دیگر جواہر میں سب سے زیادہ پسند اور پیارے ہیں ایسے ہی انسان تمام مخلوقات میں سب سے پیارا ہے۔ (۸) سونے اور چاندی کے ذریعہ شی مزین ہو جاتی ہے، ایسے ہی انسانوں کے ذریعہ دنیا کی زینت ہے۔(التعلیق الصبیح: ۱۴۱-۱۴۰/ ۱، کتاب العلم)

خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام: ان میں سے جو لوگ جاہلیت میں پسندیدہ تھے وہ اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام لانے سے پہلے اگر کوئی آدمی اچھا ہے تو اسلام لانے کے بعد بھی وہ اچھا ہی رہتا ہے، اگر علم حاصل کرنے سے پہلے کسی کی عادتیں اچھی تھیں تو علم حاصل کرنے کے بعد اس کی اچھائی اور زیادہ اجاگر و مجلّٰی ہو جاتی ہیں۔

اشکال مع جواب

اشکال: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اذا فقھوا کی قید لگانا مفید نہیں اس لئے کہ ہر وہ شخص جو اسلام لے آیا اور وہ جاہلیت وکفر کی حالت میں شریف سمجھا جاتا تھا تو اب اسلام لانے کے بعد تو بدرجہ اولیٰ معظم ومکرم ہوگا، خواہ وہ دینی سمجھ بوجھ رکھے یا نہ رکھے۔

جواب: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں ایسی بات نہیں ہے بلکہ ایمان اس فرق کو ختم کر دیتا ہے جو

بحالت جاہلیت وکفر معتبر سمجھا جاتا ہے، پس جب انسان علم وحکمت سے مزین ہو گیا تو اس نے نسب اصلی کو حاصل کر لیا گویا کہ اس نے شرافت ذاتی کے ساتھ شرافت عملی کو جمع کر لیا اور اسی سے یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ ایک خسیس آدمی جو ذاتی شرافت اور خاندانی شرافت کے اعتبار سے گھٹیا ہو لیکن جب اس نے علم وحکمت کو حاصل کر کے اپنے آپ کو مزین کر لیا تو اس کا رتبہ اور مقام اس شریف مسلمان سے بلند ہے، جو ذاتی شرافت اور خاندانی فوقیت تو رکھتا ہے لیکن علم وحکمت کے گوہر سے خالی ہے۔
(الطیبی: ۳۹۴/ ۱، کتاب العلم)

دو لوگ قابل رشک ہیں

﴿۱۹۲﴾ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۷، باب الاغتباط فی العلم والحکمة، کتاب العلم، مسلم شریف: ۱/۲۷۲، باب فضل من یقوم بالقرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۸۱۶۔

ترجمه: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو شخصوں کے بارے میں حسد کرنا ٹھیک ہے، ایک شخص تو وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا پھر اس کو راہ خدا میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی، دوسرا وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا، چنانچہ وہ اس علم کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور اس کو سکھاتا ہے۔

تشـــریح: مطلب یہ ہے کہ شریعت میں حسد جائز نہیں ہے اگر حسد جائز ہوتا تو صرف ان دو شخصوں کے بارے میں جائز ہوتا۔

یا حسد یہاں رشک کے معنی میں ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دو قسم کے انسانوں پر رشک کرنا جائز ہے۔

لو کان الحسد جائزا لکان فی الاثنین: یہ تو قضیہ شرطیہ ہو گیا اور اگر چاہو تو اس کو قضیہ حملیہ ہی رکھو، اور حسد کے معنی ہیں کسی دوسرے سے زوالِ نعمت کی تمنا کرنا چاہے وہ نعمت خود کو حاصل ہو یا نہ ہو۔

اور حصول نعمت کی تمنا کرنا کسی سے اس کے زوال کے بغیر یہ رشک کہلاتا ہے، جس کو عربی میں غبطہ کہتے ہیں۔

تو حسد یہاں بمعنی رشک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مالِ وافر عطا کیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے راستہ میں خرچ کرنے پر مسلط کردیا تو یہ انسان بھی قابلِ رشک ہے، اسی طرح وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے دولت علم سے نوازا ہے اور وہ اس کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کو پھیلانے کی کوشش کرتا ہے، علم ایسی دولت ہے جب کسی کو اس کی قیمت وحقیقت کا ادراک ہوجاتا ہے تو پھر وہ بیحد غیور و بے نیاز ہوجاتا ہے اور دنیاوی ساز وسامان اور مال ودولت کی کوئی وقعت اس کے دل میں نہیں رہتی۔

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں یہاں حسد سے صدق رغبت اور شدت حرص مراد ہے جبکہ یہ دونوں حسد کے لئے سبب ودواعی ہیں اس لئے حسد کہہ کر ان دونوں سے کنایہ کیا بعض حضرات نے کہا ہے کہ چونکہ ان دونوں خصلتوں کی وجہ سے فائدہ متعدی ہوتا ہے اس لئے خاص کر ان دونوں ہی میں حسد کو جائز رکھا گیا جیسا کہ بعض فوائد کی بناء پر کذب جائز ہوجاتا ہے۔(**التعلیق الصبیح: ۱۴۲/ ۱، کتاب العلم**)

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں حسد کو ثابت کیا گیا ہے دو عظیم نعمتوں کے حاصل کرنے میں مبالغہ کرتے ہوئے یعنی اگر یہ دونوں نعمتیں اس مذموم طریقہ پر بھی حاصل ہوں تو ان کو حاصل کرلو، پس ان دو نعمتوں کا محمود طریقہ پر حاصل ہونا کیا ہی بہتر ہوگا، آگے علامہ طیبی فرماتے ہیں بلکہ ان دونوں نعمتوں کا حاصل کرنا محمود لذاتہ ہے، مذموم ہے ہی نہیں جس کو حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فاستبقوا الخیرات. نیز دوسری جگہ ارشاد ہے: والسابقون السابقون اولٰئک المقربون. (الطیبی: ۳۹۵/ ۱، کتاب العلم)

وہ چیزیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے

﴿۱۹۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۴۱، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ، کتاب الوصیۃ، حدیث نمبر: ۱۶۳۱۔

حل لغات: انقطع الشیءُ (انفعال) کٹنا، منقطع ہونا، ینتفع مضارع مجہول انتفع بہ فائدہ اٹھانا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ اس سے منقطع ہوجاتا ہے، مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

(۱)صدقۂ جاریہ۔(۲)جس علم سے فائدہ اٹھایا جائے۔(۳)نیک اولاد جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرے۔

اشکال مع جواب

تشریح: الا من ثلثۃ: اس میں ایک اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے: **من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها.** کہ جس نے کسی اچھے طریقہ کو اختیار کیا تو اس کا ثواب اس کو ملے گا اور اس طریقہ پر چلنے والے لوگوں کا ثواب بھی اس کو ملے گا نیز دوسری روایت میں ہے: **كل ميت يختم على عمله الا المرابط في سبيل الله فانه ينمو له عمله الى يوم القيامة.** کہ ہر مرنے والے کے عمل پر مہر لگا دی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سرحد کی حفاظت کرنے والے کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے، لہذا مذکورہ روایت کے اندر الا من ثلثۃ کے ذریعہ حصر کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: علامہ طیبیؒ اس کا جواب تحریر فرماتے ہیں کہ پہلی حدیث علم کے باب میں داخل ہے جس علم کے ذریعہ نفع اٹھایا جاتا رہے اسلئے کہ کسی اچھے طریقہ کی بنیاد ڈالنا اور اسکو رائج کرنا یہ تعلیم کے باب میں داخل ہے البتہ دوسری روایت تو وہ صدقہ جاریہ میں داخل ہے اسلئے کہ سرحد کی حفاظت کرنے کا مقصد اعانتِ مسلمین اور دین کے دشمنوں کا دفاع کرنا اور ان کو ہٹانا ہے یا پھر اس کا مقصد کفار میں جد و جہد کرنا اور انکو اسلام کی دعوت دینا ہے، تاکہ وہ دونوں عالم میں نفع اٹھائیں جیسے سرحد کا تعمیر کرا دینا اس سے بھی اعانتِ مسلمین اور دین کے دشمنوں کا دفاع ہوتا ہے نیز مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اسلئے بعد والی روایت کا صدقۂ جاریہ میں داخل ہونا بعید نہیں لہذا کوئی اشکال نہیں ہے۔(**الطیبی:۳۹۸/۱، کتاب العلم**)

او ولد صالح یدعو لہٗ: ابن الملک فرماتے ہیں کہ ولد کے ساتھ صالح کی قید لگانا اس وجہ سے ہے کہ غیر صالح اولاد کی جانب سے اجر نہیں پہونچتا ہے اور دعا کی قید ولد صالح کے ساتھ اولاد کو اپنے والدین کے واسطے دعاء پر ابھارنے کیلئے ہے، ورنہ تو نیک اولاد کے عمل کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے خواہ وہ دعا کرے یا نہ کرے، جیسے کوئی شخص درخت لگائے تو اس درخت کے پھلوں وغیرہ سے جتنے لوگ فائدہ اٹھائیں گے اسکا ثواب درخت لگانے والے کو ملے گا، اسکو کھانے والا اور اس سے فائدہ اٹھانے والا اس کیلئے دعا کرے یا نہ کرے علامہ طیبی فرماتے ہیں الّا من ثلثة مستثنیٰ متصل ہے اور اسکی تقدیری عبارت یہ ہے: ینقطع عنه ثواب اعماله من کل شئ کالصلوة و الزکوة والحج ولا ینقطع ثواب اعماله من هذه الثلاثة. اسکا مطلب یہ ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اسکے ان اعمال کا اجر اس کیلئے نہیں لکھا جاتا ہے جن کو وہ کیا کرتا تھا اسلئے کہ وہ اجر تو عمل کا بدلہ اور عوض تھا اور عمل اسکے مرنے سے ختم ہو چکا اسلئے اجر بھی ختم ہو گیا مگر ایسا عمل یا فعل جس کا فائدہ دائمی اور ہمیشہ رہنے والا ہو تو اس عمل کا ثواب منقطع نہیں ہوتا، جیسے رفاہِ عام کیلئے زمین کو وقف کرنا یا کسی کتاب کی تصنیف کرنا یا کسی ایسے مسئلہ کا سکھلا دینا جس کو معمول بہا بنا لیا جائے یا نیک اولاد کا چھوڑنا۔ (مرقاۃ: ۲۶۹/ ۱، کتاب العلم)

مومن کی مدد، طلب علم، تلاوت کتاب اللہ

﴿۱۹۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ

اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْهِ الْمُسْلِمِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِیْقًا یَلْتَمِسُ فِیْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰهِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰهِ وَیَتَدَارَسُوْنَهٗ بَیْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِکَةُ وَذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ وَمَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ یُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۳۴۵/ ۱، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، کتاب الذکر والدعاء، حدیث نمبر: ۲۶۹۹۔

حل لغات: نَفَّسَ تفعیل سے عنہ کربتہ غم وتکلیف دور کرنا، الْکُرْبَةُ، ج کُرَبٌ، غم، رنج وملال، یَسَّرَ الشیءَ آسان کرنا، مُعْسِر مفلس وتنگدست، تنگ حال، سَتَرَ ـُ سَتْرًا چھپانا، ڈھانکنا، یلتمس (مضارع) اِلْتَمَسَ الشیءَ چاہنا، یتدارسونہ (مضارع) تفاعل سے الکتابَ ونحوہٗ، کتاب وغیرہ کو پڑھتے رہنا، غشیتھم، غَشِیَ (س) فلانًا غشاً کسی کو گھیر لینا، ڈھانپ لینا، حَفَّتْهُمْ حَفَّ الشیءُ ـُ حَفًا گھیرنا، احاطہ کرنا، بَطَّأَهٗ کسی کو کام سے ہٹادینا، سست بنادینا، اُبْطأ بہ لیٹ کرنا، یُسْرِع اسراع سے بہت تیز۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص دنیا کی پریشانیوں میں سے کسی مسلمان کی کوئی پریشانی دور کردے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قیامت کی پریشانیاں اس سے دور کردیں گے۔ اور جس شخص نے کسی مفلس پر آسانی کری تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کے لئے آسانی فرمائیں گے، اور جس شخص نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی مدد فرماتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد

کرتا ہے۔اور جو شخص کسی راستے پر علم کی تلاش میں چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے راستے کو آسان کر دیتا ہے، اور جب کوئی جماعت اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر قرآن کریم کی تلاوت کرتی ہے، اور اس کو پڑھتی پڑھاتی ہے تو اس جماعت پر سکون نازل ہوتا ہے، رحمت خداوندی اس کو اپنے اندر ڈھانپ لیتی ہے، اور فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ اس میں موجود لوگوں کا ذکر اپنے پاس موجود فرشتوں میں کرتے ہیں، اور جس نے عمل میں تاخیر کی آخرت میں اس کا نسب اس کے کام نہیں آئے گا۔

تشریح:

مومن کی تکلیف دور کرنا

نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ: یعنی اللہ تعالیٰ ایسی تکلیف کو دور فرمائیں گے جو باقی رہنے والی اور غیر متناہی ہے پس اس پر من جاء بالحسنة فله عشر امثالها کو لیکر اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ ایک نیکی اور بھلائی کا عوض دس حصے ملتا ہے، لہذا غیر متناہی کہنا صحیح نہیں ہے اس کو غیر متناہی کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے کہا ہے، نیز تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ اور عیال ہے، اور تکلیف و مصیبت کو دور کرنا یہ تو احسان ہے لہذا اللہ تعالیٰ اس احسان کا ایسا بدلہ عطا فرمائیگا جو اس احسان کے موافق ہو، چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے: هل جزاء الاحسان الا الاحسان. کہ احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔

مومن کی پردہ پوشی

وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ: اور جو کسی مسلمان کے عیوب کو چھپاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے عیوب کو

چھپا لیتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے تو اب بھی ہزاروں عیوب چھپا رکھے ہیں پیٹ میں کتنا پاخانہ ہے اس کو چھپا رکھا ہے اور نا معلوم کتنے روحانی امراض ہیں جن کو اس نے چھپا رکھا ہے۔

اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ وہ شخص معروف بالفساد نہ ہو اگر وہ شخص معروف بالفساد ہے تو اس کے قصہ اور معاملہ کو اس کے ذمہ دار تک پہنچائے، اگر اس کو کسی معصیت کے اندر دیکھے تو حسب قدرت اس پر نکیر کرے اور اگر خود نکیر کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس کے معاملہ کو حکام تک پہنچائے، جبکہ اس پر کسی بگاڑ کا اندیشہ نہ ہو بعض محققین فرماتے ہیں اس میں اشارہ ہے اس شخص کے لئے جو اہل معرفت اور اہل یقین کے کسی مقام اور کرامت پر واقف ہو جائے تو وہ اپنے راز کو محفوظ رکھے اور اپنے معاملے کو اپنے علاوہ سے چھپائے، اس لئے کہ بھیدوں کا غیروں پر ظاہر ہو جانا یہ عنایت کے دروازہ کو بند کر دیتا ہے۔ اور محرومی و گمراہی کو واجب کر دیتا ہے۔

طلب علم کے لئے سفر

وَمَنْ سَلَکَ طَرِیْقاً یَلْتَمِسُ فِیْهِ عِلْماً سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِیْقاً اِلَی الْجَنَّةِ: اور جو علم دین حاصل کرنے کے لئے راستہ چلتا ہے تو اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔

کہا گیا ہے طریقاً میں تنوین تعیم کی ہے اس لئے کہ نکرہ اثبات کے اندر عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی جستجوئے علم میں راستہ اختیار کرنے کا کوئی بھی سبب ہو خواہ وہ تعلیم اور تصنیف ہو اور ترک وطن اور اس میں خرچ کرنے کی صورت ہو اس میں سب صورتیں داخل ہیں، اور **یلتمس فیه علما** یا تو حال ہے یا پھر طریقاً کی صفت ہے علماً نکرہ ہے تا کہ علوم دین

کی ہر قسم کو شامل ہو جائے خواہ وہ علم تھوڑا ہو یا بہت بشرطیکہ نیت تقرب الی اللہ اور فائدہ پہنچانے کی ہو نیز اس میں اشارہ ہے کہ طلب علم کے لئے سفر کرنا مستحب ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانا اور ھل اتبعک علی ان تعلمنی مما علمت رشدا فرمانا یہ طلب علم ہی کے لئے تھا اور حضرت جابر ابن عبداللہ نے حضرت عبداللہ ابن قیس کی طرف صرف ایک حدیث شریف کی خاطر ایک مہینہ کی مسافت کا سفر فرمایا۔(مرقاۃ: ۲۷۰/۱، کتاب العلم)

تلاوت کتاب اللہ

وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ الخ: اور نہیں جمع ہوتی کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اور وہ کتاب اللہ کی تلاوت کریں اور پڑھیں اور پڑھاویں کہ کوئی پڑھ رہا ہے کوئی پڑھا رہا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان پر سکینہ اتارتا ہے۔

سکینہ سے مراد اطمینان قلب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لفظ مسجد سے بیت کی طرف عدول کرنا اس وجہ سے ہے تا کہ لفظ بیت مساجد اور مدارس اور مسافر خانوں وغیرہ ان سب کو شامل ہو جائے جن کی بنیاد تقرب الی اللہ پر ہے اور یتلون کتاب اللہ سے محض الفاظ کا زبان پر جاری کر لینا مراد نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ بندہ غور کرے کہ وہ اپنے مولیٰ حقیقی کے سامنے کھڑا ہے اور وہ اسکو دیکھ رہا ہے بلکہ اپنے دل سے گواہی دے کہ گویا وہ اپنے رب سے مخاطب ہے بلکہ متکلم کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جائے اور کسی غیر کی جانب متوجہ نہ ہو۔(مرقاۃ: ۲۷۱/۱، کتاب العلم)

وغشیتھم الرحمۃ: اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے فرشتے ان کو گھیر لیتے

ہیں اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ان کا تذکرہ کرتا ہے تو مشکوۃ شریف پڑھنے والوں کا فرشتوں میں تذکرہ ہوتا ہے۔

بلا عمل نسب کار آمد نہیں

وَمَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُه: اور جو عمل اختیار نہیں کرتا اپنے علم پر اور سستی کرتا ہے تو اس کا نسب اس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچاتا، بہت سے اعلیٰ نسب لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ مارے مارے پھرتے ہیں اور بہت سے کم نسب والے بلند مقام حاصل کر لیتے ہیں۔

وَمَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ: اور وہ شخص کہ سست ہو جائے اس کے ساتھ اس کا عمل تو لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُه تو اس کا نسب اس کے ساتھ تیز نہیں ہوتا نسب سے اس میں تیزی نہیں آسکتی یعنی عمل کے بغیر اس کا نسب اس کو بلند مقام پر نہیں پہونچا سکتا۔

یعنی عمل کے اندر کمی کی تلافی اس سے نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی قوم کے اندر اونچے نسب اور اونچے خاندان والا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مقبولیت اور تقرب نسب سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اعمالِ صالحہ سے حاصل ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم. کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تم میں سب سے زیادہ مکرم و معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔ اور اس کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اکثر علماء سلف و خلف اونچے نسب اور خاندان والے نہیں تھے، جس کے ذریعہ وہ قابلِ فخر ہوں بلکہ اکثر علما و سلف غلام تھے، باوجودیکہ وہ سرداران امت ہوئے اور رحمت کے چشمے بنے اونچے نسب اور خاندان والے ان کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے اور اپنی جہالت کی بنا پر نسیاً منسیاً ہو کر رہ گئے، اسی وجہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ یرفع بھذا الدین اقواما ویضع بہ

آخــــريــن. اللہ تعالیٰ اس دین کے ذریعہ بعض قوموں کو رفعت وبلندی عطا فرماتے ہیں اور دوسری بعض قوموں کو پست وذلیل کردیتے ہیں نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یا صفية عمة محمد يا فاطمة بنت محمد ايتوني يوم القيامة باعمالكم لا بانسابكم فاني لا اغني عنكم من الله شيئاً. اے صفیہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور اے فاطمہ بنت محمد! قیامت کے دن تم میرے پاس اعمال اپنا نسب لیکر نہیں آنا میں تم کو اللہ تعالیٰ کی جانب اعمال کے بارے میں بے پروانہیں کرسکتا یعنی اگر اعمال نہیں تو محض نبی کی پھوپی یا بیٹی ہونا کام نہیں آئے گا۔ (مرقاة: ۲۷۲/۱، كتاب العلم)

بغیر اخلاص کے بڑے سے بڑا عمل بے فائدہ ہے

﴿۱۹۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ[1] فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اُسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُقَالَ جَرِيٌّ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ

---

[1] فعرفه نعمته: علامہ طیبی فرماتے ہیں یہاں لفظ نعمت کو مفرد ذکر کرنا اور بعد والی دو جگہوں پر لفظ جمع کے ساتھ ذکر کرنا شاید اس وجہ سے ہے کہ پہلی والی صورت میں افراد کا اعتبار ہے اور باقی دو صورتوں میں کثرت کا اعتبار ہے، اور کثرت سے علم اور مال کی تمام قسمیں مراد ہیں اور افراد سے شہادت کی نعمت مراد نہیں ہے جیسا کہ وہم ہوتا ہے چونکہ اس کے بعد والی حالت شہید کے موافق نہیں بلکہ جنس نعمت کے افراد مراد ہیں اس لئے کہ مفرد کی اضافت عموم کے لئے ہوتی ہے، برخلاف اخیر والی جگہوں کے چونکہ ان میں انواع کے ارادہ سے جمع لائی گئی ہے۔
(مرقاة: ۲۷۲/۱، كتاب العلم)

فِيهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ[1] قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ إِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهِ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ[2] تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۱۴۰، باب من قاتل للریاء الخ، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر:۱۰۱۳۔

حل لغات: جَرِئَ جُرْاءً و اَجْرِیَاءُ دلیر ہونا، جَرُءَ جُرْاَۃً علی الشیءِ جسارت کرنا، ہمت کرنا، سُحِبَ (ماضی مجہول) سَحَبَ ۔ سحباً زمین پر گھسیٹنا، اصناف واحد صنف قسم نوع، صفت، الجَوَّادُ سخی، فیاض۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی

---

[1] قال تعلمت العلم و علمتہ و قرأت فیک القرآن: یعنی میں نے اپنی اس نعمت کو جو آپ نے مجھ کو عطا کی خرچ کیا اس طور پر کہ آپ کی خوشنودی کے واسطے میں علم و عمل اور تلاوت قرآن میں مشغول رہا اور آپ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کیلئے میں نے اسکو خرچ کیا۔ (مرقاۃ: ۲۷۳/۱، کتاب العلم)

[2] قال ما ترکت من سبیل: من سبیل میں من زائد ہے اور استغراق نفی کی تاکید ہے یعنی میں نے کوئی ایسا راستہ نہیں چھوڑا جس میں آپ کو خرچ کرنا پسند ہو اور میں نے خرچ نہ کیا ہو، جیسے مسجد اور مدرسہ وغیرہ کی تعمیر کرانا اور زکوۃ کا ادا کرنا صدقہ وغیرہ دینا۔ ارشاد ہوگا: کذبت ولکنک فعلت لیقال هو جواد. تو نے جھوٹ کہا تو اپنے قول میں جھوٹا ہے تو نے تو اس لئے کیا تھا تا کہ لوگ تجھے یوں کہیں بڑا سخی آدمی ہے اللہ تعالی کی راہ میں بہت خرچ کرنے والا ہے فقد قیل سو کہا جا چکا، صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں فقد قیل سے اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ اللہ تعالی عمل کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں کرتے، خواہ وہ عمل کسی بھی غرض سے ہوا ہو۔ (مرقاۃ: ۲۷۳/۱، کتاب العلم)

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جس شخص کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ وہ شخص ہوگا جوشہید کر دیا گیا ہوگا، چنانچہ وہ (بارگاہ خداوندی میں) پیش کیا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے، تو وہ شخص ان نعمتوں کا اعتراف کرے گا پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تم نے ان نعمتوں کے شکریہ میں کیا کام کیا۔ تو وہ شخص کہے گا میں آپ کی راہ میں لڑتا رہا تا آں کہ شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے جھوٹ کہا، کیوں کہ تیرے قتال کا مقصد یہ تھا کہ تجھ کو بہادر کہا جائے، چنانچہ تجھے بہادر کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔

دوسرا شخص وہ ہوگا جس نے علم حاصل کیا، دوسروں کو تعلیم دی، اور قرآن پڑھا، چنانچہ اس کو بھی لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے، وہ ان نعمتوں کا اعترف کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے تو نے ان نعمتوں کے شکریے میں کیا کام کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے علم حاصل کیا، دوسروں کو سکھایا، اور تیرے لئے قرآن پڑھا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے جھوٹ کہا، کیوں کہ تیرے علم حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ تجھ کو عالم کہا جائے، اور قرآن پڑھنے کا مقصد یہ تھا کہ تجھ کو قاری کہا جائے، چنانچہ تجھے عالم وقاری کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔

پھر تیسرے نمبر پر وہ شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی اور ہر قسم کا مال عطا فرمایا، اس کو بھی لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے، یہ ان نعمتوں کا اعتراف کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے ان نعمتوں کے شکریہ میں کیا کام کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے ایسی کوئی راہ نہیں چھوڑی جس میں خرچ کرنا تو پسند کرتا ہو اور تیری خوشنودی کے لئے میں نے اس میں خرچ نہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو نے اسلئے خرچ کیا تھا کہ تجھ کو فیاض وسخی کہا جائے، سو تجھے سخی کہا گیا، پھر حکم دیا جائیگا کہ اس کو منہ

کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔

تشریح: اس حدیث میں اور ان حدیثوں میں کچھ تعارض نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے دماء قتل وغیرہ کے بارے میں سوال ہوگا وغیرہ۔ کیونکہ اولیت سے مراد اضافی اولیت ہے یعنی ایک نوع کا حساب ختم ہو کر دوسری نوع کا حساب شروع ہوگا اور ظاہر ہے کہ ہر نوع کی اپنی ایک اولیت ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عبادات میں سب سے اول نماز کا سوال ہوگا، حقوق العباد میں سب سے اول دماء (قتل) کا سوال ہوگا۔

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوگیا کہ اخلاص کتنا اہم ہے، اور ریا کاری وشہرت پسندی کتنی خطرناک ہے، اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی بہت ہوتا ہے، اور اخلاص کے بغیر ریا کاری وشہرت پسندی کی وجہ سے کیئے ہوئے بڑے بڑے اعمال اور مجاہدات سب بیکار ہیں، پس اخلاص کے حصول کی پوری پوری فکر کرنی چاہئے، حق تعالیٰ شانہ ہم سب کو اخلاص کی دولت نصیب فرمائے، اور ریا کاری وشہرت پسندی سے پوری پوری حفاظت فرمائے۔ آمین

(۲)...... شیخ کامل کی صحبت کے بغیر عامۃً اخلاص نہیں ہوتا، اس لئے حدیث پاک سے صحبت شیخ کی ضرورت بھی معلوم ہوگی، اسی کو کسی نے کہا ہے:

گر ہوائے ایں سفر داری دلا
دامن رہبر بگیرد وپس بیا

[اے دل اگر تجھ کو اس سفر کی آرزو ہے، کسی رہبر کا دامن پکڑ لے اور اس کے پیچھے پیچھے آجا۔]

علم کا اٹھایا جانا

﴿۱۹۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعاً یَنْتَزِعُہٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰکِنْ یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَبْقَ عَالِماً اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُساً جُھَّالاً فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۲۰/۱، باب کیف یقبض العلم، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۱۰۰، مسلم شریف: ۳۴۰/۲، باب رفع العلم الخ، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۷۳۔

حل لغات: یقبض، قَبَضَ الشیءَ وعلیه ـِ قَبْضاً قبضہ میں لینا، دبوچنا، انتزاعاً مصدر، چھیننا، سلب کرنا، ضبط کرنا، جُھَّال، واحد جَاهِلٌ، نادان، ناواقف، بے عَلم۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ اس کو بندوں سے ضبط کرلیں، بلکہ علماء کو اٹھانے کے ذریعہ علم کو بھی اٹھالیں گے، یہاں تک کہ کوئی عالم باقی نہیں رہے گا، تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے مسائل دریافت کیے جائیں گے، لہٰذا وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے جس کے نتیجے میں خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

تشریح: ان اللّٰه لایقبض العلم: اس علم سے مراد کتاب وسنت کا علم ہے اور جو علوم کتاب وسنت سے متعلق ہوں وہ بھی شامل ہیں، انتزاعاً مفعول مطلق ہے اور یقبض کے معنیٰ میں ہے ینتزعه من العباد یہ صفت مبینہ ہے نوعیت کو بیان کرنے کے

لئے، علامہ سید جمال الدین علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق۔ ابن الملک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں انتـزاعـاً اپنے مابعدوالے فعل کا مفعول مطلق ہے اور جملہ حالیہ ہے: ای لایقبض العلم من العباد بان یرفعه من بینهم الی السماء. یعنی اللہ تعالیٰ علم کو بندوں سے اس طور پر نہیں اٹھائے گا کہ اس کو آسمان کی طرف ان کے درمیان سے ایک دم اٹھالے ولکن یقبض العلم بقبض العلماء یعنی علماء کو موت دیکر اوران کی ارواح کو اٹھا کر علم کو اٹھائے گا، حتی: اس حتی کا دخول جملہ پر ہوتا ہے اور وہ جملہ یہاں شرط وجزا ہے۔ (مرقاۃ: ۲۷۳/ ۱، کتاب العلم)

وعظ ونصیحت میں لوگوں کی رعایت

﴿۱۹۷﴾ وَعَنْ شَقِيْقٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِيْ كُلِّ خَمِيْسٍ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُّ اَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَالَ اَمَا اِنَّهٗ يَمْنَعُنِيْ مِنْ ذٰلِكَ اَنِّيْ اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ وَاِنِّيْ اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّاٰمَةِ عَلَيْنَا۔

(متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۶/ ۱، باب من جعل لاهل العلم ایاما معلوما، کتاب العلم، مسلم شریف: ۳۷۷/ ۲، باب الاقتصاد فی الموعظة، کتاب صفات المنافقین، حدیث نمبر: ۲۸۲۱۔

حـل لـغـات: وَدَدْتُ (ماضی جمع متکلم) وَدَّهٗ ۔ وَدًّا چاہنا، خواہش کرنا، یمنعنی، مَنَعَ ۔ منعاً فلاناً عن کذا روکنا، باز رکھنا، منه کسی کو کسی چیز سے محروم رکھنا،

اُمِلُّکم مَلَّ فُلانٌ الشیءَ وعن الشیءِ مَلَلاً کسی چیز سے اکتانا، تنگ آ جانا، اتخولکم تَخَوَّلَ فلاناً، کسی کی دیکھ بھال کرنا، نگرانی کرنا، بالموعظة، نصیحت سے کسی کی نگہداشت کرنا، ذہنی تربیت کرنا، السامة مصدر ہے، سَئِمَ الشیءَ ومنه ـ ساماً وسآمةً اکتانا، دل اچاٹ ہونا۔

ترجمہ: حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کے دن لوگوں کے سامنے وعظ فرمایا کرتے تھے، ایک دن ایک شخص نے ان سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! میری خواہش ہے کہ آپ ہم کو روزانہ نصیحت کیا کریں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں ایسا اس لئے نہیں کرتا ہوں کہ مجھ کو تم کو تنگ کرنا پسند نہیں ہے، میں نصیحت کے ذریعے تمہاری اسی طرح نگہداشت کرتا ہوں، جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کے ذریعے ہماری نگہداشت کرتے تھے، ہمارے اکتا جانے کا خیال رکھ کر۔

تشریح: معلوم ہوا کہ اساتذہ اور معلمین کو طلباء کی رعایت بھی ضروری ہے اور اسی طرح واعظین اور مبلغین کو سامعین کی رعایت بھی ضروری ہے، تاکہ وہ ذوق وشوق سے شرکت کریں، ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے وہ اکتا جائیں اور اکتا کر شرکت ہی سے رک جائیں۔

واعظ اور ناصح کے لئے اہم ہدایت

اسی وجہ سے علماء کرام نے فرمایا کہ جو شخص وعظ و نصیحت کرتا ہو اس کو بھی اس بات کا لحاظ کرنا چاہئے کہ ہر وقت وعظ و نصیحت کرتا نہ پھرے، اس طرح اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور لوگ اس سے اکتانے لگتے ہیں، بلکہ یہ دیکھیں کہ لوگوں کی طبیعت میں کس وقت نشاط ہے

اس وقت نصیحت کریں، روزانہ ہر وقت ایک ہی رٹ لگائے رکھنا مناسب نہیں ہوتا اس کا اثر باقی نہیں رہتا۔

وعظ ونصیحت اور تعلیم وتعلم میں فرق

یہ حکم وعظ ونصیحت کے لئے ہے، ایک ہے تعلیم وتعلم، ایک آدمی تعلیم وتعلم کے لئے آیا ہے تو وہ اسی کام کے لئے آیا ہے، اس نے اپنے اوقات اسی کام کے لئے فارغ کئے ہیں، اس لئے اس کا زیادہ سے زیادہ وقت اسی کام میں صرف ہو، یہ اس کے منافی نہیں ہے۔

چنانچہ جو حضرات اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آپڑے تھے، ان کا مقصد ہی یہی تھا، انہوں نے اپنی پوری زندگی اسی کام کے لئے فارغ کی تھی، لہٰذا ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نصیحت بھی کرتے، علم کی باتیں بھی بکثرت بتاتے اور وہ خود حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طرز عمل کا از خود بھی مشاہدہ کرتے رہتے تھے، اور اس سے علم حاصل کرتے تھے، لہٰذا یہ حکم تعلّم کے لئے نہیں ہے بلکہ نصیحت کے لئے ہے۔ (انعام الباری)

اہم بات کو تین بار دہرانا اور تین بار سلام کرنا

﴿۱۹۸﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثاً حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ وَإِذَا اَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثاً۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۲۰/۱، باب من اعاد الحدیث ثلاثاً، کتاب

العلم، حدیث نمبر:۹۵۔

حل لغات: اعادہ لوٹانا، دہرنا، سَلَّمَ علیٰ احدٍ سلام کرنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات کہتے تو اس کو تین مرتبہ فرماتے، یہاں تک کہ لوگ اسے اچھی طرح سمجھ لیتے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جماعت کے پاس تشریف لے جائے تو ان پر سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے۔

تشریح: کان جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو اس کو ماضی بعید بنادیتا ہے اور جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو استمرار و دوام کا فائدہ دیتا ہے اور استمرار کو عادت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب آپ کلام فرماتے تھے تو ایک کلمہ کو تین تین بار دہراتے تھے، یعنی مہتم بالشان بات کو مکرر سہ کرر بیان کرتے تھے، تاکہ مخاطب اس کو اچھی طرح سمجھ لے اور یاد کرلے۔

چونکہ فہم کے اعتبار سے لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں، کسی کی فہم اعلیٰ قسم کی ہوتی ہے، کہ ایک مرتبہ کہنے سے سمجھ جاتا ہے، کسی کی فہم متوسط درجہ کی ہوتی ہے، کہ دو مرتبہ کہنے سے سمجھ جاتا ہے، اور بعض ادنیٰ درجہ کے ہوتے ہیں کہ ان کو سمجھنے میں دیر لگتی ہے، اور تین مرتبہ سمجھانے کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مہتم بالشان بات کو تین مرتبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، کہ ہر طبقہ کا انسان اس کو سمجھ لے۔ (مرقاۃ:۱/۲۷۴)

واذا اتی علی قوم فسلم علیھم سلم ثلثا: جب کہیں جاتے تو تین مرتبہ سلام فرماتے، یہ نہیں کہ ایک دم تینوں سلام فرماتے تھے بلکہ ایک سلام استیذان، دوسرا سلام ملاقات اور تیسرا سلام وداع فرماتے تھے۔ یعنی شروع میں مکان پر

پہونچ کر اجازت طلب کرنے کے لئے سلام فرماتے تھے، پھر بوقت ملاقات سلام فرماتے تھے، پھر بوقت وداع رخصتی کے وقت سلام فرماتے تھے۔

یا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کے یہاں تشریف لے جاتے تھے تو اس کے دروازہ پر تین مرتبہ سلام کرتے تھے، تین مرتبہ سلام کے بعد بھی اگر جواب نہیں ملتا تھا تو واپس ہو جاتے تھے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ جب بڑے مجمع میں تشریف لے جاتے تھے تو مجمع کے سرے پر سلام فرماتے پھر درمیان میں پھر اخیر میں جا کر سلام فرماتے تھے۔ فقط واللہ اعلم

نیکی پر رہنمائی

﴿۱۹۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّہٗ اُبْدِعَ بِیْ فَاحْمِلْنِیْ فَقَالَ مَاعِنْدِیْ فَقَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا اَدُلُّہٗ عَلٰی مَنْ یَحْمِلُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۱۳۷، باب فضل اعانة الغازی فی سبیل اللہ، کتاب الامارة، حدیث نمبر: ۱۸۹۳۔

حل لغات: اُبْدِعَ بفلان کسی کی سواری ہلاک ہوجانا، یا تھک جانا، اور ساتھیوں سے بچھڑ جانا، فاحملنی، حَمَلَ فُلاناً ـِ حَمْلاً کسی کو سواری کا جانور دینا، ادله دل احداً علی شیءٍ دلالةً راہنمائی کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اورعرض کیا کہ میری سواری چلنے سے عاجز ہوگئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سواری مرحمت فرمادیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا آدمی بتاتا ہوں جواس کوسواری دے دیگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوشخص کسی اچھے کام پر راہنمائی کرے، تو اس کے لئے ویسا ہی ثواب ہے، جیسا کہ اس بھلائی پرعمل کرنے والے کے لئے ثواب ہے۔

تشریح: انا ابدع: میں تھکا ہوا ہوں اور سواری مرچکی ہےاور خودبھی تھک چکا ہوں آپ مجھ کوسواری دید یجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت سواری موجود نہ تھی اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماعندی جوصحابہ حاضر خدمت تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ سے واقف تھے اور معلوم تھا کہ آپ پر منع کرتے ہوئے کتنا زور پڑتا ہے اس وجہ سے عرض کیا کہ حضرت میں بتادوں، فلاں شخص ان کوسواری دیدیں گے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الدال علی الخیر کفاعلہ خیر پر دلالت کرنے والا اس کے کرنے والے کے مثل ہے، یعنی بتانے والے کوبھی ایسا ہی اجر ملتا ہے جیسا کرنے والے کواجر وثواب ملتا ہے، اوراس کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

فائدہ: خواہ وہ دلالت ورہنمائی قول کے ذریعہ سے ہو یا فعل کے ذریعہ یا اشارہ سے ہو یا کتابت وغیرہ کے ذریعہ سے ہوسب کا حکم یہی ہے اسی طرح علم دین پر خبر کی اصل اور بنیاد ہے، پس کسی کوعلم دین سکھانا بھی اس میں داخل ہے۔ (مرقاۃ: ۳۷۸/۱، کتاب العلم)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت پر شفقت صدقہ کی ترغیب، نیک و بد طریقہ کی بنیاد

﴿۲۰۰﴾ وَعَنْ جَرِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا فِيْ صَدْرِ النَّهَارِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَهُ قَوْمٌ عُرَاةٌ مُجْتَابِي النِّمَارِ وَالْعِبَاءِ مُتَقَلِّدِي السُّيُوْفِ عَامَّتُهُمْ مِنْ مُضَرَ بَلْ كُلُّهُمْ مِنْ مُضَرَ فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا رَاٰى بِهِمْ مِنَ الْفَاقَةِ فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَاَمَرَ بِلَالاً فَاَذَّنَ وَاَقَامَ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً وَالْاٰيَةَ الَّتِيْ فِي الْحَشْرِ اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِنْ دِيْنَارِهِ مِنْ دِرْهَمِهِ مِنْ ثَوْبِهِ مِنْ صَاعِ بُرِّهِ مِنْ صَاعِ تَمْرِهِ حَتّٰى قَالَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ بِصُرَّةٍ كَادَتْ كَفُّهُ تَعْجِزُ عَنْهَا بَلْ قَدْ عَجِزَتْ ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ حَتّٰى رَاَيْتُ كَوْمَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَثِيَابٍ حَتّٰى رَاَيْتُ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَلَّلُ كَاَنَّهُ مُذْهَبَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُنْقَصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئاً۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۳۲۷/ ۱، باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرة او کلمة طيبة، کتاب الزکوٰة، حدیث نمبر: ۱۰۱۷۔

حل لغات: صدر ہر چیز کا ابتدائی حصہ، ج صُدُوْرٌ، عراةُ عاری کی جمع ہے،

برہنہ، ننگا، نہتا، مجتبائی اجتاب القمیص کرتا پہننا، نِمار واحد نمر سفید وسیاہ دھاریوں والا کمبل، العباء بغیر آستین کا چوغہ جو کپڑوں پر پہنا جاتا ہے، متقلدی السیوف تقلد السیف باب تفعل سے، تلوار گلے میں لٹکانا، تَمَعَّرَ وجہ (تفعل) چہرہ متغیر ہو جانا، زرد ہونا، شِقٌّ کسی چیز کا جز، الصُّرَّۃ تھیلی، بیگ، ج صُرَرٌ، تتابع (تفاعل) ایک دوسرے کے بعد آنا، لگاتار آنا، کومین تثنیہ ہے، واحد کوم، ج اکوام، ڈھیر، ڈھیری یتھلل، الوجہ چہرے کا چمکنا، مذھبۃ مُذْھَبٌ کا مؤنث ہے، سونے کا ملمع کیا ہوا، وِزْرٌ بھاری بوجھ، گناہ، ج اوزار.

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دن کے ابتدائی حصہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے کہ ایک قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، یہ لوگ ننگے بدن، کمبل یا عبا پہنے ہوئے، اور گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے تھے، ان میں سے اکثر لوگ بلکہ تمام لوگ قبیلۂ مضر کے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کے چہرے پر فاقہ کے اثرات دیکھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے پھر واپس آ گئے، اس کے بعد بلال کو حکم دیا، تو بلال نے اذان واقامت کہی، پھر نماز پڑھی گئی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور آیت پڑھی: اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اختتام تک پڑھی، البتہ اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت جو سورہ حشر میں ہے پڑھی، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کو صدقہ کرنا چاہئے، اپنے دینار میں سے اپنے درہم میں سے، اپنے کپڑے، اپنے گیہوں کے صاع، اپنے

کھجور کے صاع میں سے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آدمی صدقہ کرے اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک انصاری آدمی ایک تھیلی لے کر آئے، (اس تھیلی کے وزن سے) قریب تھا کہ ان کا ہاتھ تھک جائے، بلکہ تھک گیا تھا، اس کے بعد پے در پے لوگ کچھ نہ کچھ لانے لگے، یہاں تک کہ میں نے کپڑے اور غلے کے دو ڈھیر دیکھے، پھر میں نے دیکھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرا سونے کی طرح چمک رہا تھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اسلام میں کسی نیک طریقے کو رائج کرے تو اسے اس کا بھی ثواب ملے گا اور اس شخص کا ثواب بھی ملے گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریگا، لیکن عمل کرنے والے کے ثواب میں سے کچھ کمی نہیں ہوگی، اور جو شخص اسلام میں برے طریقے کو رائج کریگا، تو اس کا اس کو گناہ ملے گا، اور اس شخص کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل پیرا ہوگا، لیکن عمل کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی نہیں کی جائیگی۔

تشریح: حضرت جریر رضی اللہ عنہ! یہ وہ صحابی ہیں جو چار مہینے میں ایسے عالم بنے کہ دنیا میں جن کی مثال نہیں، ایک جنگ تو انہوں نے خود لڑی ہے، یمن میں جو مصنوعی کعبہ بنایا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نسبت فرمایا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس کو ختم کردیا جائے، انہوں نے کہا کہ حضرت میں تیار ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ساتھی تیار کرلو، مجاہدین کی تشکیل بھی خود ہی کرلو، چنانچہ اس کام کے لئے تین سو آدمی تیار ہوگئے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت جی میں بیمار آدمی ہوں گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھتا ہوں تو گر جاتا ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی "اللھم ثبتہ" جریر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں کبھی نہیں گرا، چنانچہ آپ گئے اور اس کعبہ کو اس طرح منہدم کیا کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔

تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم صدرِ نہار میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قوم آئی جو تمام کے تمام ننگے تھے۔

مجتابی النمار او العباء: وہ گدڑی یا عباء پہنے ہوئے تھے، اس میں راوی کو شک ہے، یا بعض گدڑی اور بعض عباء پہنے ہوئے تھے۔[1]

اور متقلدی السیوف گردن میں تلوار لٹکائے ہوئے تھے، تلواروں سے مسلح اور ہتھیار بند تھے۔

عامتھم من مضر بل کلھم من مضر: ان میں سے اکثر بلکہ سب کے سب قبیلہ مضر کے آدمی تھے، اول اول راوی کو شک ہو گیا تھا مگر پھر یقین ہو گیا۔

فتمعر وجہ رسول اللّٰہ: پس یہ حال دیکھ کر کہ ان کے چہرے پچکے ہوئے ہیں پہننے کو کپڑے بھی میسر نہیں، رنج کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور متغیر ہو گیا۔

فدخل ثم خرج: تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی اندر تشریف لیجاتے اور کبھی باہر تشریف لاتے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے پاس کچھ ہے یا نہیں تا کہ ان کو دیدیا جائے، پس اسی حال میں نماز کا وقت ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا اور نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی۔

---

[1] لفظ عراة سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کے پاس کپڑے نہ تھے، اور لفظ مجتابی النمار سے معلوم ہو رہا ہے کہ کپڑے تھے تو اس کے دو جواب ہیں۔
جواب (۱) کپڑے کچھ تھے، مگر غیر کافی تھے اس لئے دو اعتبار سے دو لفظ استعمال کئے گئے۔
جواب (۲) جو کپڑے تھے وہ عاریۃً لائے تھے اپنے نہیں تھے۔

اذان واقامت کے تذکرہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ کوئی فرض نماز تھی، اور روایت میں فی صدر النہار کا تذکرہ ہے، جس سے متعین ہوجاتا ہے کہ وہ نماز ظہر یا جمعہ کی نماز تھی۔(مرقاۃ:۲۷۶/۱، کتاب العلم)

یا ایھا الناس اتقو ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ: لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے پھر کیا تم میں سے بعض تو کھاویں اور بعض بھوکے رہیں۔

تصدق رجل ای یتصدق علیہ: آدمی کو چاہئے کہ صدقہ کرے جس کے پاس دینار ہو وہ اس کو صدقہ کرے اور جس کے پاس درہم ہو وہ اس کو صدقہ کرے جس کے پاس گیہوں ہو وہ ان کو صدقہ کرے اور جس کے پاس جو ہوں وہ ان کو صدقہ کرے، اور جس کے پاس کھجور ہوں وہ ان کو صدقہ کرے، حتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ولو بشق تمرۃ اگر کسی کے پاس کھجور کا کوئی ٹکڑا ہی ہو تو وہ اس کو صدقہ کردے۔

بس تمام لوگوں نے چندہ لانا شروع کردیا، ڈھیر لگ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، گویا وہ سونے کا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کے چمکنے کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔

(۱)......لوگوں کے صدقہ کی وجہ سے ان غریب آدمیوں کی شکستہ حالت اچھی ہوگئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانی دور ہوگئی، بنابریں چہرۂ انور خوشی سے چمکنے لگا۔

(۲)...... جب لوگوں نے بہت صدقہ دیا تو آپ کے دل میں خوشی ہوئی کہ میری امت میں ہمدردی کا جذبہ موجود ہے، لہذا چہرۂ انور چمکنے لگا۔(مرقاۃ: کتاب العلم)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من سن سنۃ حسنۃ الخ کہ جو شخص کوئی اچھا نیکی کا طریقہ ایجاد کرتا ہے تو جتنے لوگ اس پر چلتے ہیں اور عمل کرتے ہیں

ان سب کو جتنا ثواب ملتا ہے اس کے بقدر ثواب اس اکیلے کو ملتا ہے اور ان کے ثواب میں سے کچھ کم نہیں کیا جاتا، اور اسی طرح سے برا طریقہ ایجاد کرنے کا حال ہے، کہ جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے برا طریقہ ایجاد کرنے والے کو ان سب کے برابر گناہ ہوگا اور ان کے گناہ میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقہ کی ترغیب دینا یعنی چندہ کرنا درست ہے، بلکہ سنت ہے اور ایسے ہی اچھا طریقہ ایجاد کرنے کی اہمیت اور فضیلت اور برا طریقہ ایجاد کرنے کی مذمت بھی معلوم ہوئی۔

ہر قتل کا گناہ پہلے قاتل کو بھی ملتا ہے

﴿۲۰۱﴾ **وَعَنْ** ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْماً اِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ الْاَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ مُعَاوِيَةَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِيْ فِيْ بَابِ ثَوَابِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

حوالہ: بخاری شریف: ۴۶۹/ ۲، باب خلق آدم وذریته، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۳۳۵، مسلم شریف: ۶۰/ ۲، باب بیان اثم من الخ، کتاب القسامة، حدیث نمبر: ۱۶۷۷۔

حل لغات: كِفْلٌ مثل، گنا، قرآن میں ہے ”یؤتکم کفلین من رحمته“ وہ تم کو اپنی رحمت کا دو چند یا دو گنا حصہ دے گا۔

ترجمه: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ظلماً قتل کیا جاتا ہے، تو اس کے خون کا ایک حصہ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کی بنیاد ڈالی۔ (بخاری، ومسلم) اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث "لایزال الخ" ان شاء اللہ تعالیٰ باب ثواب ہذہ الامۃ میں ذکر کریں گے۔

تشریح: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی انسان کسی کو ناحق قتل نہ کریگا، مگر یہ کہ اس کا گناہ قابیل کو دیا جائیگا، کیونکہ سب سے پہلے اس نے ہی اپنے بھائی کو ناحق قتل کیا تھا، اور اس نے ہی سب سے پہلے ناحق قتل کی بنیاد ڈالی۔

قابیل کے ہابیل کو قتل کرنے کا واقعہ مشہور ہے۔

فائدہ: پس یہی حکم ہر غلط طریقہ قائم کرنے اور اس کی بنیاد ڈالنے کا ہے، کہ اس غلط طریقہ پر جتنے لوگ عمل کریں گے ان کو تو اس کا گناہ ملے گا ہی، مگر بنیاد ڈالنے والے کو ان سب کے برابر گناہ ملے گا، اس لئے کوئی غلط طریقہ ایجاد کرنے سے بہت اجتناب کرنا چاہئے، جیسے بیاہ شادی کے رسم ورواج وہ بھی اسی میں داخل ہیں۔

﴿الفصل الثانی﴾

عالم اور طالب علم کی فضیلت

﴿۲۰۲﴾ **وَعَنْ** كَثِيْرِ ابْنِ قَيْسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِيْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ إِنِّيْ جِئْتُكَ مِنْ مَدِيْنَةِ الرَّسُوْلِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَدِيْثٍ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ قَالَ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًى لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالْحِيْتَانُ فِيْ جَوْفِ الْمَاءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔ (رواه احمد والترمذی، وابوداؤد وابن ماجة والدارمی وسماه الترمذی قیس ابن کثیر)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۱۹۶، ترمذی شریف: ۲/۹۸،۹۷، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۸۲، ابوداؤد شریف: ۲/۱۵۷، باب فضل العلم، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۳۶۴۱، ابن ماجة باب فضل العلم والحث، المقدمة، حدیث نمبر: ۲۲۳، دارمی: ۱/۱۱۰، مقدمه باب فضل العلم والعالم، حدیث نمبر: ۳۴۲۔

حل لغات: سَلَکَ (ن) سُلُکاً الطریق راستہ پر چلنا، اَجْنِحَة جمع ہے، واحد جَنَاحٌ، بازو، پہلو، یستغفر مصدر استغفار، مغفرت طلب کرنا، الحِیْتَانُ جمع ہے، واحد الحوتُ، مچھلی، الجَوف پیٹ، ہر چیز کا اندرونی حصہ، الحظ حصہ، نصیب، قسمت، ج حُظُوظٌ، الوافر کثیر بھرپور۔

ترجمہ: حضرت کثیر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک صاحب حضرت

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: اے ابوالدرداءؓ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے آپ کے پاس ایک حدیث کی وجہ سے آیا ہوں، مجھ کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، میری آمد کا مقصد اور کوئی نہیں ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص علم کے حصول کی خاطر کسی راستے پر چلتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلائے گا، اور فرشتے اس طالب علم کی خوشنودی کے لئے اپنے پر پھیلاتے ہیں، اور زمین وآسمان کی ساری مخلوق حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں عالم کی مغفرت کی دعاء کرتی ہیں، اور یقیناً عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے، جیسا کہ چودہویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ علماء حضرات انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنا ورثہ دینار اور درہم کی صورت میں چھوڑ کر نہیں جاتے، وہ تو اپنا ورثہ علم دین کی صورت میں چھوڑتے ہیں، تو جس نے علم کو حاصل کرلیا، اس نے پورا پورا حصہ پالیا۔

تشریح: حضرت قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، پس ایک شخص ان کے پاس آئے اور کہا کہ میں آپ کے پاس مدینہ سے آیا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ میری رعایت کیجئے، جیسے کوئی کہے کہ میں تمہارے باپ کا دوست ہوں، اس سے حصولِ رعایت مقصود ہوتا ہے، جیسے کوئی آکر کہے کہ حضرت جی میں تھانہ بھون سے آیا ہوں، اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ آپ کے شیخ کا وطن ہے اس لئے میرے ساتھ رعایت کیجئے۔

اسی طرح انہوں نے عرض کیا کہ میں صرف مدینہ سے آپ کے پاس ہی آیا ہوں، ایک حدیث سننے کے واسطے، جس کو آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، اور

میری آمد کا اور کوئی مقصد یا دوسری حاجت نہیں۔

اشکال مع جواب

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ وہ حدیث ان کو معلوم تھی تو پھر اس کے لئے اتنا طویل سفر کیوں کیا؟

جواب: اس کے دو جواب ہیں:

(۱)...... پہلے اجمالاً معلوم تھی اب تفصیلاً معلوم کرنا چاہتے تھے۔

(۲)...... پہلے بالواسطہ سنی تھی، اب بلا واسطہ سننا چاہتے تھے۔ (مرقاۃ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو علم دین حاصل کرنے کے واسطے راستہ طے کرتا ہے تو اللہ اس کو جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ طے کرا دیتے ہیں، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ طلب علم ہی جنت کا راستہ ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ طلب علم جنت کا ذریعہ بنے گا۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے یا تو وہی حدیث بیان کی جس کو وہ پوچھنے آئے تھے، یا دوسری حدیث بیان کی چونکہ یہ طالب علم کی وجہ سے بڑی مشقت برداشت کر کے حاضر ہوئے تھے، اس لئے فضیلت علم کی حدیث ان کے سامنے بیان کر دی، اور جس کو وہ پوچھنے آئے تھے اس کو یہاں بیان نہیں کیا، چونکہ وہ باب سے متعلق نہیں تھی۔

قوله من سلک طریقا یطلب فیه علما: علامہ طیبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں لفظ طریق اور علم کو مطلق ذکر کیا ہے تا کہ وہ اپنی اپنی جنسوں کو شامل ہو جائیں، یا وہ راستہ وطن سے دور ہو یا شہر در شہر، علم دین قلیل ہو یا کثیر علوم عالیہ میں سے ہو یا غیر عالیہ سب کو شامل ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے شرح السنہ میں منقول ہے فرماتے ہیں کہ آج میں کسی کو طالب علم سے زیادہ افضل نہیں سمجھتا ہوں، ان سے کہا گیا اگر ان کی نیت طالب علم کی نہ ہو تو فرمایا ان کا علم کی تلاش اور جستجو میں لگ جانا ہی ان کی نیت ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں طالب علم میں لگنا نفل نماز سے بہتر ہے، اس لئے کہ علم کا حاصل کرنا یا تو فرض عین ہے، یا فرض کفایہ ہے اور یہ دونوں نفل سے افضل ہیں۔

حضرت امام مالکؒ کا ارشاد

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں علم حکمت ہے اور وہ ایسا نور ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا کرتا ہے، اور علم کثرت مسائل کا نام نہیں ہے، اس سے شاید اشارہ کیا آیت کریمہ "یؤتی الحکمۃ من یشاء" کے معنی کی جانب۔ مرقاۃ، **کتاب العلم: ۲۶۹/۱)**

قولہ سلک اللّٰہ بہ طریقا من طرق الجنۃ: اس کے اندر ضمیر مجرور من کی جانب عائد ہے اور با متعدی بنانے کے لئے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس کو سالک بنا دیتا ہے، اور اس کو جنت کے راستہ کی توفیق دیتا ہے، کہا گیا ہے کہ ضمیر علم کی جانب عائد ہے، اور با سببیت کے لئے ہے، اور سَلَکَ سَهَلَ کے معنی میں ہے اور عائد من کی جانب محذوف ہے، معنی ہوں گے "سھل اللہ لہ بسبب العلم طریقا من طرق الجنۃ" یعنی اللہ تعالیٰ علم کے سبب اس کے لئے جنت کے راستوں میں سے کوئی راستہ آسان کر دیں گے۔ ابن

الملک فرماتے ہیں: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت کے راستے بہت ہیں، ہر نیک عمل جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ ہے، اور علم کے راستے جنت کے راستوں میں سب سے زیادہ قریب وعظیم ہیں۔ ملاعلی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اظہر بات یہ ہے کہ ہر علم جنت کا ایک راستہ ہے، جیسا کہ یہ بات علماً اور طریقاً دونوں کے نکرہ لانے سے سمجھ میں آتی ہے، نیز اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ جنت کا راستہ علم کے راستوں میں محصور ہے اس لئے کہ عمل صالح بغیر علم کے متصور نہیں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

صوفیاء کا ارشاد

چنانچہ صوفیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے تمام مخلوقات کے سانسوں کے برابر ہیں، اور یہ معرفت پر مبنی ہے اور یہ علم کی ایک قسم ہے، اس لئے کہ علم کے راستہ کے علاوہ جہالت کا راستہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے کوئی ولی جاہل نہیں بنایا اگر چہ اس کو اپنے پاس سے ہی علم عطا کیا ہو، یعنی علم لدنی۔ (مرقاۃ: ۲۷۹/ ۱، کتاب العلم)

قولہ و ان الملائکۃ لتضع اجنحتہا رضا لطالب العلم: ملائکہ کے اندر الف لام جنسی ہے، یا پھر الف لام عہد کا ہے اور ملائکہ رحمت مراد ہیں۔ حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس میں احتمال ہے کہ تمام ملائکہ مراد ہوں اور معنی مجازی کے یہی زیادہ مناسب ہے۔

حدیث پاک کی بے ادبی کا انجام

ابن القیم نے احمد ابن شعیب سے نقل کیا ہے: کہ ہم ایک محدث صاحب کے پاس بصرہ میں تھے، انہوں نے ہم سے اس حدیث کو بیان کیا اس مجلس میں ایک شخص معتزلی تھا، پس

وہ حدیث شریف کا مذاق اڑانے لگا، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں کل کو ضرور جوتے پہن کر راستہ طے کروں گا اور فرشتوں کے پروں کو روند ڈالوں گا، چنانچہ وہ جوتے پہن کر چلا پس اچانک اس کے پیر زخمی ہوگئے اور اس کے پیروں کو سڑا دینے والی بیماری لگ گئی۔ **(مرقاۃ: ۲۷۹/ ۱، کتاب العلم)**

دوسرا واقعہ طبرانی میں ہے، ابن یحییٰ فرماتے ہیں کہ ہم راستہ چل رہے تھے اور ہمارے ساتھ ایک شریر آدمی تھا کہنے لگا کہ آہستہ آہستہ چلو ورنہ فرشتوں کا پر ٹوٹ جائے گا، گویا حدیث کے ساتھ استہزاء کر رہا تھا، پس اس کا یہ کہنا تھا کہ دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے، اور زمین پر گر پڑا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی سے بچائے۔ آمین

قولہ لتضع اجنحتھا: میں معنیٰ حقیقی بھی مراد ہو سکتے ہیں، اگرچہ ہم انکا مشاہدہ نہ کرسکیں **ای تکف اجنحتھا عن الطیران وتنزل لسماع الذکر** یعنی اپنے پروں کو پرندوں کی طرح سمیٹ لیتے ہیں اور اللہ کے ذکر سننے کے لئے اترتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے، **الا نزلت علیھم السکینۃ وحفت بھم الملائکۃ** اور معنیٰ مجازی بھی مراد ہو سکتے ہیں، یعنی تواضع کرتے ہیں، **واخفض جناحک لمن اتبعک. (الطیبی: ۴۰۹/ ۱، کتاب العلم)**

اور یہ بھی احتمال ہے کہ طالب علموں کے پیروں کے نیچے حقیقۃً اپنے پر بچھا دیتے ہوں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ طالب علم کی خوشنودی اور اس کی تعظیم کے لئے اپنے پروں کو کھول کر کھڑے ہو جاتے ہوں۔ واللہ اعلم

قولہ وان العالم لیستغفر لہ من فی السموت ومن فی الارض: کہا گیا ہے اس میں تغلیب ہے اور مراد وہ ہے جو کچھ زمین میں ہے اس لئے کہ ان کی بقا اور درستگی علماء کی رائے اور ان کے فتووں سے جڑی ہوئی ہے، اسی

لئے کہا گیا ہے: نہیں ہے کوئی موجودشی زندہ یا مردہ مگر اس کی ایک مصلحت علم سے متعلق ہے۔

والحیتان فی جوف الماء: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: حیتان کی تخصیص کرنا اس بات پر دلالت کرنے کی وجہ سے ہے کہ بارش کا اترنا علماء ہی کی برکت سے ہے، یہاں تک کہ مچھلیاں علماء ہی کی وجہ سے زندہ ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے: بھم تمطرون وبھم ترزقون کہ علماء ہی کی وجہ سے تم کو بارش عطا ہوتی ہے، اور انہیں کے سبب تم کو روزی دی جاتی ہے۔ (مرقاۃ: ۱/۲۸۰، کتاب العلم)

فضل العالم علی العابد کا مطلب

قولہ وان فضل العالم علی العابد: اس سے وہ عالم دین مراد ہے جس پر فرائض وواجبات اور سنن مؤکدہ کی ادائیگی کے بعد اشاعت علم کا غلبہ ہو، اور وہ اس پر قائم ہو اور عابد سے وہ عابد مراد ہے جس پر عبادت کا غلبہ ہو اور اپنے اوقات کو نوافل کے اندر خرچ کرتا ہو، باوجودیکہ وہ ان احکام کا بھی جاننے والا ہو جن سے عبادت صحیح ہوتی ہے۔

قولہ کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب: یہ اشارہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اصحابی کالنجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم کی جانب کہ مومن کا نور ضعیف ہے، اگر چہ وہ عابد ہو عالم نہ ہو صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں: ہم نے کلام کو اس شخص پر محمول کیا ہے جس پر دو وصفوں میں سے کسی ایک کا غلبہ ہو نہ کہ وہ شخص جو صرف عالم ہو یا صرف جاہل ہو اس لئے کہ ان دونوں کے لئے کوئی فضیلت نہیں بلکہ وہ تو معذب فی النار ہوں گے علم پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے علم کا کمال عمل پر ہے۔

عالم بے عمل

بلکہ وارد ہوا ہے کہ جاہل کے لئے ایک مرتبہ ہلاکت ہے اور عالم کے لئے سات مرتبہ، نیز وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں مبتلا وہ عالم ہوگا جس نے اپنے علم سے نفع نہیں اٹھایا یعنی اپنے علم پر عمل نہیں کیا۔ اس لئے کہ وہ خود گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔

عالم کو چاند سے اور عابد کو ستاروں سے تشبیہ کی وجہ

قاضی صاحب فرماتے ہیں عالم کو چاند سے اور عابد کو ستاروں سے تشبیہ اس لئے دی ہے کہ عبادت کا کمال اور اس کا نور عابد سے متعدی نہیں ہوتا ہے اور عالم کا نور متعدی ہوتا ہے۔ پھر جس طرح قمر کی روشنی اپنی ذاتی نہیں بلکہ مستفاد من الشمس ہے اسی طرح عالم کا علم مستفاد من شمس النبوة ہوتا ہے اور جو علم مستفاد من شمس النبوة نہ ہو وہ حقیقت میں علم ہی نہیں بلکہ وہ ایک صنعت ہے۔(مرقاة: ۲۸۰/۱، کتاب العلم)

قولہ وان العلماء ورثة الانبیاء: یہاں ورثة الرسل نہیں کہا تاکہ تمام نبیوں اور رسولوں کو شامل ہو جائے، ابن الملک فرماتے ہیں کہ بعض وارثین رسل ہیں جیسے اصحابِ مذاہب اور باقی وارثین انبیاء ہیں اپنے اپنے مراتب کے مطابق۔

قولہ لم یورثوا دینارا ولا درھما: ان دونوں کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ وہ دونوں تمام چیزوں میں سب سے زیادہ رائج ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا کو بقدرِ ضرورت ہی حاصل کرتے ہیں اور نہ کسی کو دنیا کا وارث بناتے ہیں تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ وہ دنیا کے طالب ہیں، طالب دنیا وارثین انبیاء علیہم السلام

میں سے نہیں ہو سکتا۔

امام غزالیؒ کا ارشاد

اسی لئے امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں سب سے زیادہ کم علم بلکہ سب سے زیادہ کم ایمان یہ ہے کہ آدمی یہ پہچان لے کہ دنیا فانی ہے، اور آخرت باقی رہنے والی ہے، اور اس علم کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی فانی چیز سے اعراض کرے اور باقی رہنے والی چیز کو قبول کرے۔(مرقاۃ: ۱/۲۸۱، کتاب العلم)

عالم کی فضیلت

﴿۲۰۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ذُکِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا عَابِدٌ وَالْاٰخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰی النَّمْلَةَ فِیْ جُحْرِهَا وَحَتَّی الْحُوْتَ لَیُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاهُ الدَّارِمِیُّ عَنْ مَکْحُوْلٍ مُرْسَلًا وَلَمْ یَذْکُرْ رَجُلَانِ وَقَالَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" وَسَرَدَ الْحَدِیْثَ اِلٰی اٰخِرِهٖ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۹۸، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۸۵، دارمی: ۱/۱۰۰، مقدمه، باب من

قال العلم لخشية الله تعالیٰ، حدیث نمبر:۲۸۹۔

حل لغات: النملة چیونٹی، ج نَمْلٌ، وَنِمَالٌ، جُحْرٌ بل، بھٹ، چھوٹے جانور کے رہنے کا سوراخ، ج جُحُورٌ.

ترجمه: حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا، ان میں سے ایک عابد تھا، اور دوسرا عالم تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے، جیسے مجھ کو تم لوگوں میں معمولی شخص پر فضیلت حاصل ہے، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، زمین وآسمان والے حتی کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں تک اس شخص کے لئے بھلائی کی دعا کرتے ہیں، جو لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتا ہے۔ (ترمذی) دارمی نے اس روایت کو مکحول سے بطریق ارسال نقل کیا ہے اور ان کی روایت میں دو شخصوں کا ذکر نہیں ہے، بلکہ وہ روایت یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی کہ مجھ کو تم میں سب سے ادنیٰ شخص پر فضیلت ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "انما یخشیٰ الله الخ" اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے علماء دین سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اس کے بعد دارمیؒ نے روایت کو آخر تک نقل کیا ہے۔

تشریح: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسی کہ میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ پر، اگر "ادنیٰ کم" کا خطاب صحابہ کرام کو ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ادنیٰ صحابی پر جس قدر میری فضیلت ہے اسی قدر ایک عالم کو عابد پر فضیلت ہے۔

اور اگر "ادنیٰ کم" سے خطاب عام مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ادنیٰ درجہ کے مسلمان پر جس قدر مجھ کو فضیلت حاصل ہے اسی قدر عالم کو عابد پر فضیلت ہے اور حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت: ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مطلب یہ ہے کہ عالم کو عابد پر وہ فضیلت حاصل ہے جس کو نہ محسوس کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی پیمانہ سے ناپا جا سکتا ہے۔

عابد سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس صرف بقدر ضرورت علم ہو اور اس کا پورا وقت تسبیح ونماز اور دوسری عبادتوں میں گذرتا ہو، عالم سے وہ مراد ہے جو عبادات میں فرائض وواجبات پر اکتفا کرتا ہو اور باقی تمام اوقات علم کی تحقیق وتحصیل میں صرف کرے، ایسے عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ان اللہ وملائکتہ الخ** تمام فرشتے آسمان وزمین کی تمام مخلوق حتی کہ چیونٹی اور مچھلیاں تک اس عالم کے لئے اور معلم خیر کے واسطے دعائیں کرتی ہیں۔

اور دارمی نے مکحول سے مرسلاً روایت کیا ہے اور انہوں نے رجلان کا ذکر نہیں کیا، اور فرمایا: **"فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم"** اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: **"انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء"**

عالم کی پہچان

یہاں سے مولویوں کو بھی بتلا دیا کہ عالم کی پہچان خشیت خداوندی ہے، دلیل کے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عالم کے لئے خشیت خداوندی ضروری ہے۔ صرف کتاب پڑھنے والا ہی مولوی یا عالم نہیں۔

قولہ ان اللہ وملائکتہ واهل السموت والارض حتی النمل فی جحرها وحتی الحوت: یہاں ملائکہ سے

مراد عرش کو اٹھانے والے فرشتے ہیں، اور اھل السموت تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہے اور اہل ارض سے مراد تمام انس وجن اور تمام حیوانات ہیں، حتی النملة میں تینوں اعراب جائز ہیں اس کو منصوب پڑھنا حتی کو عاطفہ مان کر اور اس کو مجرور پڑھنا حتی کو حرف جار مانتے ہوئے اور مرفوع پڑھنا حتی کو ابتدائیہ مان کر پہلی صورت یعنی حتی کو عاطفہ مانتے ہوئے نملة کو منصوب پڑھنا زیادہ بہتر ہے، لفظ حوت اور نملة دونوں غایت ہیں جو خشکی اور تری کے تمام جانوروں کو گھیرے ہوئے ہیں، خشکی کے جانوروں میں نملہ کو خاص کیا اس لئے کہ وہ تمام حیوانوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ روزی کا ذخیرہ کرنے والی ہے، تو وہ اور حیوانوں سے زیادہ علماء کی برکت کی محتاج ہے، اور ایک قول کے مطابق نملہ اور حوت کا تذکرہ خصوصا اس لئے کیا کہ یہ اشارہ ہے حلال وحرام کی جنس کی جانب، نیز کہا گیا ہے اس جنس کی جانب اشارہ ہے جس کے قتل سے روکا گیا ہے، اور اس کے علاوہ جس کے قتل سے نہیں روکا گیا ہے۔ (مرقاۃ: ۱/۲۸۱، کتاب العلم)

قولہ لیصلون علی معلم الناس الخیر: کہا گیا ہے کہ یہاں خیر سے علم دین مراد ہے، اور وہ چیز مراد ہے جس کے ذریعہ آدمی کی نجات ہو اور لفظ معلم کو مطلق ذکر نہیں کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ دعا کا استحقاق ایسے علم کی تعلیم پر موقوف ہے، جو خیر تک پہنچاتا ہے، اور اس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ افضلیت کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ علم کا نفع متعدی ہے اور عبادت کا نفع غیر متعدی ہے اس کے ساتھ ساتھ علم فی نفسہ فرض ہے، اور کثرت عبادت نفل ہے۔ (مرقاۃ: ۱/۲۸۲، کتاب العلم)

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: "ان اللہ وملائکتہ" جملہ مستانفہ عالم اور عابد کے درمیان عظیم فرق کو بیان کرنے کے لئے ہے، نیز عابد کا نفع اپنی ذات پر ہی محصور ہے، جبکہ عالم کا نفع تمام مخلوقات کی جانب متجاوز ہے، یہاں تک کہ چیونٹی تک کو بھی اس کا نفع پہنچتا ہے، اسی طرح

اللہ تعالیٰ کا قول "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" یہ آیت کریمہ فضیلت کی علت کو بیان کرنے کے لئے حجت ہے، اس لئے کہ عالم حقیقی اللہ تعالیٰ کی ہیبت وجلال اور اس کی شان کبریائی کو اس عابد کے مقابلہ میں زیادہ پہچانتا ہے، جس پر اپنے علم کے مقابلہ میں عبادت کا غلبہ ہو تو عالم یقیناً اس سے زیادہ متقی ہوگا، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" نیز حدیث شریف میں ہے: "وارجو ان اکون اتقاکم للہ واعلمکم بہ" مجھے امید ہے کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور اس کو جاننے والا ہوں۔ (الطیبی: ۴۱۲/ ۱، کتاب العلم)

صاحب مرقات فرماتے ہیں آیت کریمہ: "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کا حاصل یہ ہے کہ علم خشیتِ الٰہی کا وارث بناتا ہے، جس کے نتیجہ میں تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور تقویٰ موجب کرامت اور موجب فضیلت ہے، اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس کا علم ایسا نہیں تو وہ جاہل ہے، سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے تو وہ جاہل ہے، فرمانِ باری تعالیٰ: "انما التوبة علی اللہ للذین یعملون السوء بجهالة" کی وجہ سے۔ (مرقاۃ: ۲۸۲/ ۱، کتاب العلم)

طالب علم کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصیت

﴿۲۰۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ رِجَالًا يَأْتُوْنَكُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِى الدِّيْنِ فَاِذَا اَتَوْكُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَيْرًا۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۹۳/ ۲، باب ما جاء فی الاستیصاء بمن یطلب العلم، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۵۰۔

حل لغات: تَبَعٌ واحد وجمع دونوں کے لئے، ج اتباع، تابع ہونا، اقطارٌ واحد قطر گوشہ جانب، کونہ، استوصوا استفعال سے، کسی کے بارے میں کوئی وصیت قبول کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگ تمہارے تابع ہیں اور بہت سے لوگ علم سمجھنے کے لئے دنیا کے گوشے گوشے سے تمہارے پاس آئیں گے، لہٰذا وہ جب تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا۔

تشریح: ان الناس لکم تبع[1] بے شک لوگ تمہارے پیچھے آئیں گے۔ تَبَع تابع کی جمع ہے، بعض دفعہ تقلیل حروف سے بھی معنی بڑھ جاتے ہیں، دیکھو تابع کے لفظ زائد ہیں مگر معنی کم ہیں، اور تبع میں حرف کم اور معنی زائد۔

تمہارے پیچھے لوگ آئیں گے یعنی تم اولین ہو اور تم سے بعد میں بھی لوگ آئیں گے۔

قولہ وان رجلا یاتونکم من اقطار الارض: اور لوگ اطراف عالم اور دور دراز سے آئیں گے، کیوں آئیں گے؟ **یتفقھون فی الدین**[2] وہ علم دین حاصل کرنے کے واسطے آئیں گے۔

---

[1] **ان الناس لکم تبع:** یہ تابع کی جمع ہے، جیسے خادم کی جمع خدم آتی ہے، ایک قول کے مطابق مصدر کو اسم فاعل کی جگہ رکھدیا گیا ہے، مبالغہ کے لئے، جیسے رجل اور عدل اور خطاب علماء صحابہ کو ہے یعنی لوگ تمہارے اقوال وافعال میں تمہارا اتباع کریں گے اس لئے کہ تم نے مکارم اخلاق کو مجھ سے حاصل کیا ہے، پس میرے اقوال شریعت اور میرے افعال طریقت اور احوال حقیقت ہیں اور اس میں تابعی کا تابعی نام رکھنے کی اصل موجود ہے، اگرچہ تبعیت عام ہے، خواہ وہ واسطے سے ہو یا بلا واسطے کے لیکن فرد مطلق سے فرد کامل مراد ہوتا ہے۔ (مرقاۃ: ۲۸۲/۱، کتاب العلم)

[2] **یتفقھون فی الدین:** یہ جملہ مستانفہ ہے، اور آنیکی علت کو بیان کرنے کے لئے ہے، یا پھر یاتونکم کی ضمیر مرفوع سے حال ہے، اور یہی دوسرا قول ذوق کے زیادہ قریب ہے۔ (مرقاۃ: ۲۸۳/۱، کتاب العلم)

فاستوصوا بهم خیرا: پس تم ان کے بارے میں خیر اور حسن سلوک کرنے کی وصیت قبول کرو، یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا، پس تم میری وصیت قبول کرو۔

طالب علموں کی جماعت کتنی مقدس ہے کہ اس گروہ کی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارش فرمائی ہے۔

فائدہ: معلوم ہو گیا کہ حضرات اساتذہ کرام کو اور ذمہ داران مدارس کو طلباء کے ساتھ کس طرح حسن سلوک کرنا چاہئے۔ جو حضرات معمولی معمولی باتوں پر طلباء کو بیجا زدوکوب کرتے ہیں، اور اخراج کر دیتے ہیں وہ غور فرمائیں، اور حدیث شریف میں اس طرف بھی اشارہ ہے، وہ طلباء علم دین حاصل کرنے کے لئے آئیں گے، اس لئے ان کی تعلیم وتربیت کی پوری پوری فکر کرنا ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصیت اور ارشاد عالی نے طلباء کرام کے مقام ومرتبہ کو کتنا بلند کر دیا ہے وہ ظاہر ہے۔

حکمت متاع گم شدہ ہے

﴿۲۰۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْحَكِيْمِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ وَاِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْفَضْلِ الرَّاوِيُّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۹۸، باب ماجاء فی فضل الفقه علی

العبادۃ، کتاب العلم، حدیث نمبر:۲۶۸۷،ابن ماجہ:۷ ۲۱، باب الحکمۃ، کتاب الزھد، حدیث نمبر:۱۴۶۹۔

حل لغات: ضَالَّةٌ ضَالٌّ کا مؤنث ہے،گم شدہ چیز،جمع ضوالٌ آتی ہے، الحکیم، دانا، عالم،جمع حکماء.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حکمت ودانائی کی بات حکیم کی کھوئی ہوئی چیز ہے، لہذا جہاں بھی اس کو پائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، اس روایت کو ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، اور اس کے راوی ابراہیم بن فضیل کو ضعیف کہا جاتا ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حکمت حکیم کا گم شدہ خزانہ ہے پس جس جگہ وہ پائے اس کو لیلے، شیخ سعدی نے فرمایا ہے۔ ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
گرنبشت است پند بر دیوار

[انسان کو چاہئے کہ نصیحت قبول کرلے، اگرچہ نصیحت دیوار پر لکھی ہوئی ہو۔]

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ علم وحکمت اگر کسی ایسے شخص کے پاس ہو جو بظاہر اس سے کم درجہ ہو پس اس سے بھی علم وحکمت حاصل کرنے میں عار نہیں کرنا چاہئے، جیسے لعل وہیرا اگر کیچڑ اور ناپاک جگہ میں گر جائے، وہاں سے اٹھانے میں بھی عار نہیں کیجاتی۔ فقط

ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے

﴿۲۰۶﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔ رواه الترمذي وابن ماجة۔

حواله: ترمذی شریف:۹۷/۲، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة، کتاب العلم، حدیث نمبر:۲۶۸۱،ابن ماجة:۲۰، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، مقدمة، حدیث نمبر۲۲۲۔

حل لغات: فقیه بہت سمجھدار، ذکی عالم،علم فقہ کا جاننے والا، جمع فقهاء.

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔''

تشــــریــــح: ایک فقیہ زیادہ سخت ہوتا ہے شیطان پر ہزار عابد سے، ہزاروں جاہل عابدوں کو شیطان آسانی سے گمراہ کرلیتا ہے، بخلاف عالم کے کہ اس کا گمراہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔

پھرایک عالم باعمل ہزاروں انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنتا ہے، بخلاف عابد کے بعض دفعہ عابد عبادت میں مشغول ہوتا ہے، اور شیطان کے پھندوں میں پھنسا ہوا ہوتا ہے۔

فقیہ کی تعریف

فقیہ کسے کہتے ہیں؟ تو پہلے فقہ کو جانو پھر فقیہ کو جانو گے امام اعظمؒ فقہ کی یہ تعریف کرتے ہیں: معرفة النفس مالها وما عليها یعنی نفس کا ان تمام چیزوں کو جان لینا جو اس کو مفید ومضر ہوتی ہیں، اور ایک تعریف اہل اصول نے کی ہے کہ معرفتہ احوال المتکلفین کہ متکلفین کے احوال ومزاج سے واقف ہونا اور شریعت کے مزاج سے باخبر ہوجانا فقہ کہلاتا ہے، اور ہم کو تو خود اپنے نفس اور مزاج کا ہی علم نہیں مخلوق کے مزاج کو اور شریعت کے

مزاج کو کس طرح جانیں۔

طلب علم فرض ہے، نااہل کو علم سکھانا

﴿۲۰۷﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ اَهْلِهٖ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيْرِ الْجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ اِلٰى قَوْلِهٖ مُسْلِمٍ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مَتْنُهٗ مَشْهُوْرٌ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ اَوْجُهٍ كُلُّهَا ضَعِيْفٌ۔

حوالہ: ابن ماجة: ۲۰، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، مقدمه، حدیث نمبر: ۲۲۴۔

حل لغات: مُقَلِّد اسم فاعل ہے قَلَّدَهُ القلادَةَ، ہار پہنانا، اللؤلؤ، واحد لؤلؤة، جمع لئالي، الخنازير جمع ہے، واحد الخنزير سور، الذهب سونا، جمع اذهاب وذهوب ذهبان، ایک ٹکڑے کو ذهبة کہتے ہیں۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، اور نااہل کو علم سکھانے والا، خنزیر کے گردن میں جواہرات، موتیوں اور سونے کے ہار پہنانے والے کی طرح ہے۔ (ابن ماجہ) اور بیہقی نے شعب الایمان میں "مسلم" تک نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے، اور اسناد ضعیف ہے، اور یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے، سب کے سب طرق ضعیف ہیں۔

تشریح: طلب العلم فریضة علی کل مسلم : مسلمة کا لفظ کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے، مگر مسلمة! مسلم ہی میں داخل ہے، اس لئے طلب علم ہر مسلم مرد وعورت پر فرض ہے۔

طلب علم فرض ہونے کی تفصیل

فرض کا علم فرض، واجب کا واجب سنت کا سنت، نفل کا نفل ہے، یہ ترتیب ہے اس کے اندر یہ نہیں کہ علی العموم فرض ہے۔

اور اس میں دوسرے اقوال بھی ہیں، مثلاً یہاں علم سے مراد علم الاخلاص ہے، یا مثلاً نفس وشیطان کا علم تا کہ اس کے ذریعہ ان چیزوں سے حفاظت ہو سکے، یا حلال وحرام کا علم مراد ہے، یا بیع وشراء نکاح وطلاق وغیرہ کا علم مراد ہے، یا فرائض خمسہ کا علم مراد ہے، جن پر اسلام کی بنیاد ہے، یا علم توحید اور علم باطن مراد ہے، جس کے ذریعہ تعلق مع اللہ توکل علی اللہ وغیرہ یقین، زہد، صبر وشکر وغیرہ حاصل ہوں اور یہ صالحین وزاہدین کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ فقط

اور علم کو بے محل رکھنا ایسا ہے جیسا کہ خنزیر کو سونا چاندی اور جواہرات کے ہار پہنا دئے جائیں۔ وجہ یہ ہے کہ نا اہل! علم کو غلط استعمال کرے گا، دنیا طلبی کا ذریعہ بنائے گا، اس کے لئے غلط مطلب بیان کرے گا، غلط فتوے دیگا اور خود بھی گمراہ ہوگا دوسروں کو بھی گمراہ کریگا، ایسے نا اہل علماء ہی ہر زمانہ میں بڑے بڑے فتنوں کا ذریعہ بنتے ہیں، ابوالفضل فیضی وغیرہ کا فتنہ، اکبر بادشاہ کی گمراہی اور دین الٰہی کی بنیاد کا سہرا انہیں کے سر ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ؎

بے ہنر را علم وفن آموختن
دادن تیغ است در دست راہزن

ترجمہ: بے ہنر کو علم وفن سکھانا ایسا ہی ہے جیسا کہ ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دیدینا۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طالب علم کے ساتھ ان کی اہلیت ولیاقت اور صلاحیت کے اعتبار سے معاملہ کرنا چاہئے بغیر صلاحیت واہلیت کا خیال کئے بغیر علم سکھانا بھی ظلم ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے، کہ لوگوں سے ان چیزوں کو بیان کرو جس کو وہ پہچان سکیں یا سمجھ سکیں اور کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب کیا جانا پسند ہے، یعنی لوگ جب وہ باتیں سنیں گے جس کو عقلیں قبول نہیں کرتیں تو وہ سب کی تکذیب کریں گے اس لئے ضروری ہے کہ لوگوں کی عقل وفہم کے اعتبار سے ہی ان سے گفتگو کی جائے۔ فقط (مرقاۃ: ۲۸۴/۱، کتاب العلم)

اس حدیث کا متن بہت مشہور ہے، مگر اس کی اسناد ضعیف ہے، تعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور وہ بھی قابل اعتناء واحتیاج ہوتی ہے۔

دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہوتی

﴿۲۰۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَاتَجْتَمِعَانِ فِیْ مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِی الدِّیْنِ۔ (رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی: ۹۸/۲، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۸۴۔

حل لغات: خصلتان تثنیہ، واحد الخصلة، اچھی اور بری دونوں طرح کی عادت، غالب استعمال حسنہ کے لئے ہے، جمع خصال، السمت اہل خیر وصلاح کی ہیئت

کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی منافق میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتی ہیں، (۱) اچھے اخلاق۔ (۲) دین میں بصیرت۔

تشریح: حسن سمت: خوش اخلاقی۔

و لا فقه في الدين: دین کی سمجھ۔

مطلب یہ ہے کہ مومنین کو ان صفتوں سے متصف رہنا چاہئے، اور ان کے حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے، اور ان کی ضدین سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہئے۔ فقط

طالب علم کو مجاہد کی طرح ثواب ملتا ہے

﴿۲۰۹﴾ وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔ (رواه الترمذي والدارمي)

حواله: ترمذی شریف: ۲/۹۳، باب فضل العلم، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۴۷، دارمی میں یہ حدیث نہیں ملی۔

حل لغات: خرج (ن) واحد مذکر، فعل ماضی، الی مکان نکلنا، طلب (ن) طلبا ڈھونڈھنا، تلاش کرنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے نکلا، تو جب تک واپس نہ

آ جائے خدا کی راہ میں ہے۔

تشریح: قوله من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل اللّٰه: مطلب یہ ہے کہ جو شخص دین وشریعت کا علم حاصل کرنے کے لئے اپنے گھر سے یا اپنے شہر سے نکلا خواہ وہ علم فرض عین ہو یا فرض کفایہ اس کو وہ ثواب ملتا ہے، جو اللہ کی راہ میں لڑنے والے مجاہد کو ملتا ہے، کیونکہ مجاہد کی طرح طالب علم دین بھی اللہ کا دین پھیلانے شیطان کو ذلیل کرنے اور اپنے نفس کو مارنے ہی کے لئے گھر سے نکلتا ہے اور سفر کی تمام دشواریوں کو جھیلتا ہے، لہٰذا وہ اس وقت تک مجاہد کا ثواب پاتا ہے جب تک کہ اپنے گھر واپس نہیں آتا۔

حدیث شریف کے الفاظ حتی یرجع سے اس جانب اشارہ ہے کہ طالب علم دین علم کی طلب وتحصیل میں جب تک لگا ہوا ہے تب تک تو مجاہد کا ثواب پاتا ہے، اور جب تحصیل علم سے فراغت پالیتا ہے اور عالم دین بن جاتا ہے تو اس سے بھی بڑا درجہ پالیتا ہے، کیونکہ اب وہ اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے، جو اس کو دین کی تعلیم وترویج اور ناقصوں کو کامل بنانے کے کام میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا وارث بنا دینے والا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **"فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون"** [سو ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تا کہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں، اور تا کہ قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آویں ڈراویں تا کہ وہ احتیاط رکھیں۔] (بیان القرآن)

(مرقاۃ: ۱/۲۸۵، الطیبی: ۱/۴۱۷، کتاب العلم)

طلب علم سے گناہوں کی معافی

﴿۲۱۰﴾ وَعَنْ سَخْبَرَةَ الْاَزْدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى۔ رواه الترمذی والدارمی وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ ضَعِيْفُ الْاِسْنَادِ وَاَبُوْدَاوُدَ الرَّاوِيُّ يُضَعَّفُ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۹۴، باب فضل طلب العلم، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۴۸۔

حل لغات: کفارۃ مؤنث ہے کَفَّارٌ کا، گناہ کا کفارہ، مضی واحد مذکر غائب فعل ماضی (ض) بمعنی گزر رہا ہوا۔

ترجمہ: حضرت سخبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم طلب کرتا ہے، تو وہ اس کے گذشتہ زمانے میں کئے ہوئے گناہوں کے لئے کفارہ ہو جاتا ہے۔ (ترمذی، دارمی) امام ترمذیؒ نے فرمایا یہ حدیث ضعیف الاسناد ہے، اس حدیث کے ایک راوی ابو داود ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

تشریح: کان کفارۃ لما مضی: کفارہ وہ شی ہے جو گناہوں کو چھپالے، اور ان کو ختم کردے، اور ظاہر ہے کہ کفارہ صغائر کے ساتھ خاص ہے، یا ان حقوق اللہ کے ساتھ خاص ہے جن کی قضا نہیں یا ان حقوق العباد کو بھی شامل ہے، جن کی قضا نہیں اور ممکن ہے کہ مطلب یہ ہو کہ علم کا طلب کرنا ان چیزوں کے لئے وسیلہ ہے، جن کے ذریعہ سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، یعنی توبہ۔ (مرقاۃ: ۱/۲۸۶، کتاب العلم)

فائدہ: مطلب یہ ہوا کہ یا تو خود طلب علم کی وجہ سے ہی تمام گناہ معاف ہو جاتے

ہیں اس صورت میں گناہ صغیرہ مراد ہونگے دوسرا مطلب یہ ہے کہ علم کے ذریعہ توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے، کہ بندہ پکی سچی توبہ کرلیتا ہے اور اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس صورت میں صغائر کبائر سب کو شامل ہے۔

علم میں مشغول رہنے والے کو جنت کی خوشخبری

﴿۲۱۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَنْ یَّشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَیْرٍ یَّسْمَعُہٗ حَتّٰی یَکُوْنَ مُنْتَہَاہُ الْجَنَّۃَ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۹۸، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۸۶۔

حل لغات: یشبع شبع (س) شَبَعاً آسودہ ہونا، شکم سیر ہونا، منتھاہ، انتہا، آخری حد۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن بھلائی سے سیر نہیں ہوتا ہے، وہ اس کو سنتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ علم حاصل کرتا ہے، پھر اخلاص واستقامت کے ساتھ اس پر عمل کرتا ہے، اور دوسروں کی اصلاح کی فکر کرتا ہے، اور پوری زندگی اسی میں گذار دیتا ہے، یہاں تک کہ موت آجاتی ہے، اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

لن یشبع المومن: فعل مضارع دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے، اور حتی اس سے متعلق ہے، ومنتهاه الجنة یعنی اس کی غایت اور انتہاء جنت ہے، یہاں تک کہ اس کو موت آجاتی ہے، اور پھر وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے، الجنة کو منصوب بھی پڑھا جاسکتا ہے یکون فعل ناقص کی خبر مان کر اور اس کو مرفوع پڑھنا بھی صحیح ہے، یکون کا اسم مان کر۔ (مرقاۃ: ۱/۲۸۶، کتاب العلم)

علم کو چھپانا سخت گناہ ہے

﴿۲۱۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهٗ ثُمَّ كَتَمَهٗ اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ۔ رواه احمد وابو داؤد والترمذی ورواه ابن ماجة عن انس۔

حواله: مسند احمد: ۲/۲۶۳، ابو داؤد شریف: ۲/۱۵۹، باب کراهية منع العلم، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۳۶۵۸، ترمذی شریف: ۲/۹۴، باب ماجا فی کتمان العلم، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۴۹۔

حل لغات: کتم، کتم (ن) کتماً الشیء چھپانا، پوشیدہ رکھنا، الجم افعال سے مجہول ہے، الدابة چوپائے کو لگام ڈالنا، لجام جمع لُجُمٌ لگام۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی گئی جس کو وہ جانتا ہے، پھر اس کو چھپا لیا، تو قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ (احمد، ابو داؤد، ترمذی) ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

کتمان علم کے اسباب

تشریح: کتمان علم کے پانچ اسباب ہوتے ہیں۔

(۱)......کسی کے خوف وڈر کی بنا پر۔

(۲)......محض تکبر کی بناء پر۔

(۳)......بتانے سے اس پر فوقیت ہوجائے گی۔

(۴)......کسی دنیوی غرض کی بناء پر۔

(۵)......سستی کی بناء پر

یہ سب اصول دین کے خلاف ہیں، اس لئے یہ سزا ہے، پھر آگ کی لگام اس لئے لگائے جائے گی کہ چھپا کر اپنے منہ میں لگام لگالی اس لئے وہاں سزا من جنس العمل ہوگی۔ البتہ اگر دینی مصلحت کی بنا پر چھپائے تو یہ سزا نہیں۔ پھر کتمان علم ان شرائط کے ساتھ حرام ہے۔

کتمان علم کے حرام ہونے کی شرائط

(۱)......بہت ضروری مسئلہ ہے، جس کی ضرورت فی الحال ہے۔

(۲)......اس کے پاس دوسرا کوئی بتانے والا نہیں ہے۔

(۳)......عناداً سوال نہیں کیا بلکہ خالص نیت سے سیکھنے کے لئے سوال کیا۔

(۴)......سائل کے اندر سمجھنے کی صلاحیت ہو۔

(۵)......عالم مسئول کو کوئی عذر در پیش نہ ہو۔

اگر یہ شرائط نہ ہوں تو چھپانے سے وعید کا مستحق نہیں ہوگا۔ (مرقاۃ:۲۸۶/۱، کتاب العلم، الطیبی: ۴۱۸/۱)

طلب علم کسی فاسد غرض سے

﴿۲۱۳﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ۔ رواه ترمذی ورواه ابن ماجة عن ابن عمر۔

حواله: ترمذی شریف: ۲/۹۴، باب ماجاء فی من یطلب بعلمه الدنیا کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۵۴/، ابن ماجة: ۲۲، مقدمه باب الانتفاع بالعلم الخ، حدیث نمبر: ۲۵۳۔

حل لغات: لِيُجَارِيَ جَارَاهُ مُجَارَاةً وَجِرَاءً فِي الْحَدِيْثِ، بات چیت میں مقابلہ کرنا، آگے بڑھنا فخر وغرور کرنا، لِيُمَارِيَ مَارِي مراء ومماراة جھگڑا کرنا، السفهاء واحد سفیه بےوقوف۔

ترجمه: حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے علماء پر فخر کرنے کے لئے یا بےوقوفوں سے جھگڑا کرنے کے لئے، یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے علم حاصل کیا، تو اللہ اس کو جہنم کی آگ میں داخل کردیں گے۔ (ترمذی شریف)

ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: قوله لیجاری به العلماء الخ: مجاراۃ کے معنی دوڑنے میں مقابلہ کرنے کے ہیں، یہاں یہ مفاخرہ کے معنی میں ہے، یعنی علم اس لئے سیکھا کہ

ان کے علماء سے مقابلہ کرے یا ان کے سامنے فخر کرے اپنی بڑائی کا اظہار کرے، یا اپنے آپ کو علماء کا ہم پلہ اور برابر ظاہر کرے۔

قولہ او لیماری بہ السفہاء الخ: مماراۃ کے معنی جھگڑا کرنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس لئے علم سیکھنا تاکہ کم عقل لوگوں سے جھگڑا کرے اور ان کے مقابلہ میں اپنی برتری ظاہر کرے۔

قولہ او یصرف بہ وجوہ الناس الیہ الخ: یا اس لئے علم سیکھا تاکہ اس علم کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے، تاکہ لوگ اس کی تعظیم کریں اس کو ہدیئے دیں اس کی تعریف کریں، وغیرہ وغیرہ۔

قولہ ادخلہ اللّٰہ النار الخ: چونکہ جب اغراض فاسدہ ہیں اور اخلاص کے منافی ہیں اس لئے یہ وعید فرمائی، اور مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص دخول نار کا مستحق ہے، یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادے، یا جہنم میں سزا دے اور سزا پانے کے بعد پھر اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے۔ اور مطلب یہ ہے کہ طالب علم ضروری ہے کہ طلب علم سے مراد کوئی فاسد غرض نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہی مقصد ہونا چاہئے۔ فقط

دینی علوم کو تحصیل دنیا کے لئے طلب کرنا

﴿۲۱۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً مِمَّا یُبْتَغٰی بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا یَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِهٖ عَرَضاً مِنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَعْنِیْ رِیْحَهَا۔ رواہ احمد

وابوداؤد وابن ماجة۔

حواله: مسند احمد: ۲/۳۳۸، ابوداؤد شریف: ۲/۱۵۹، باب فی طلب العلم لغیر اللہ تعالیٰ، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۳۶۶۴، ابن ماجه: ۲۲، مقدمه باب الانتفاع، بالعلم و العمل به.

حل لغات: یبتغیٰ فعل مجہول باب افتعال سے، بمعنی چاہنا یصیب اَصَابَ اصابةً الشیءَ پانا، عَرَضٌ سامان، جمع عروض، عَرف بو، اکثر خوشبو کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے علم کو دنیا کے ساز وسامان حاصل کرنے کے لئے سیکھا تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پاسکے گا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ علم دین کو خالص حق تعالیٰ شانہ کی خوشنودی کے حصول کے لئے حاصل کرنا چاہئے کہ علم دین حاصل کرکے اس پر عمل کریں گے، اور اس علم کو دوسروں تک پہونچانے کی کوشش کریں گے، تاکہ حق تعالیٰ شانہ کی خوشنودی حاصل ہو، اور جو بندہ اپنے آپ کو اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کے لئے وقف کردیتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کو ضائع نہیں کرتا۔

اشاعت حدیث کی فضیلت اور مومن کی تین خصلتیں

﴿۲۱۵﴾ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْداً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا فَرُبَّ

حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنَّصِيْحَةُ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيْطُ مِنْ وَرَائِهِمْ. رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَدْخَلِ، وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ إِلَّا أَنَّ التِّرْمِذِيَّ وَأَبَادَاوُدَ لَمْ يَذْكُرَا ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ إِلٰى اٰخِرِهٖ۔

حوالہ: مسند الامام الشافعیؒ:١٦/١، کتاب العلم، رقم الحدیث:١٦، مسند احمد:١٨٣/٥، ابو داؤد شریف:١٥٩/٢، باب فضل نشر العلم، کتاب العلم، حدیث نمبر:٣٦٦٠، ترمذی شریف:٩٤/٢، باب ماجاء فی الحث الخ، کتاب العلم، حدیث نمبر:٢٦٥٦، ابن ماجه:٢١، مقدمه، باب من بلغ علماً، حدیث نمبر:٢٣٢۔

حل لغات: نَضَّرَ نضر الله احداً تر وتازہ بنانا، مقالة، بات، وعاها، وعیٰ (ض) وعیاً الحدیث، غور کرنا، یاد کرنا، یَغِلُّ غَلَّ (ض) غِلًّا صدرہٗ کینہ والا ہونا، تحیط، احاطه یحیط، احاطةً گھیرنا، احاطہ کرنا، وراءٌ پیچھے۔

ترجمه: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندہ کو تر وتازہ رکھے جس نے میری کوئی بات سنی، اور اسے یاد رکھا، اور اس کی حفاظت کی، اور اس کو لوگوں تک پہنچایا، بعض فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے ہیں اور بعض حامل فقہ اس تک پہنچا دیتے ہیں، جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے، تین چیزوں پر کسی مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا ہے، (١) عمل خاص طور پر اللہ کے لئے کرنا۔ (٢) مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنا۔ (٣) مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا، اس لئے کہ جماعت کی دعا ان کو گھیرے رہتی ہے۔ (شافعی، بیہقی، مدخل) احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجه

دارمی نے اس حدیث کو زید بن ثابت سے روایت کیا ہے، لیکن ترمذی اور ابوداؤد نے حدیث کے آخری لفظ ثلاث "لایغل علیھن الخ" کا ذکر نہیں کیا ہے۔

تشریح: قولہ نضر اللہ عبدا سمع مقالتی: علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں: نضر فعل متعدی اور غیر متعدی دونوں طرح ہے، اور تشدید اور بغیر تشدید دونوں طریقہ پر مروی ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ تشدید کے ساتھ کثیر الاستعمال ہے، معنی ہوں گے اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر وتازگی اور خوشحالی عطا کرے، جس کو اس نے اپنی معرفت اور اپنا علم دیکر دنیا وآخرت میں لوگوں کے درمیان قدر ومنزلت اور اپنی نعمتوں سے نوازا، یہاں تک کہ اس پر خوشحالی اور تر وتازگی کے آثار نمودار ہوئے، ایک قول کے مطابق حدیث شریف میں خوشحالی کی خبر دی گئی ہے، یعنی دعائیہ جملہ نہیں ہے بلکہ جملہ خبریہ ہے، ای جعلہ ذا نضرۃ یعنی خوشحال اور تر وتازہ اس کو بنادیا، سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں کوئی طالب حدیث ایسا نہیں کہ جس کے چہرہ پر تر وتازگی نہ ہو، خواہ وہ صورۃً ہو یا معناً ہو، فحفظھا وعاھا واداھا یعنی وہ اس کو یاد کر کے یا لکھ کر محفوظ کرلے اور اس کی حفاظت میں لگا رہے، خواہ وہ تکرار وتذکار کے ذریعہ ہو یا روایت وتبلیغ کے ذریعہ سے ہو اور اس کو لوگوں تک پہچائے، واداھا میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس کو فوراً پہچانا ضروری نہیں بلکہ اس میں گنجائش ہے، ابن الملک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حفظھا عمل بموجبھا کے معنی میں ہے، یعنی اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرے، الاربعین میں ہے سمع مقالتی فوعاھا فاداھا کما سمعھا یعنی بغیر تحریف وتغییر کے نہ الفاظ میں کمی زیادتی کرے اور نہ معنی کے اندر کمی زیادتی کرے پس یہ تنبیہ ہے اس بات پر کہ اس کے پہچانے میں اکمل طریقہ اختیار کرے، پس روایت بالمعنی کے جواز کے منافی نہیں ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔

قولہ فرب حامل فقہ غیر فقیہ: فرب میں فاء تعلیلیہ ہے، پہلے

جملہ میں حدیث یاد کر کے آگے پہنچانے کی ترغیب دی ہے، اس جملہ میں اس کی علت بیان فرمارہے ہیں، اس تعلیل کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام انتہائی جامعیت کا حامل ہوتا ہے، اس کا ایک ایک جملہ بہت سے فقہی مسائل کا مجموعہ ہوتا ہے، بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو الفاظ حدیث یاد تو ہوتے ہیں لیکن ان کی گہرائی میں پہنچ کر مسائل نکال کرامت کے سامنے پیش کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے، ایسے شخص کو ''حامل فقہ'' کہا گیا ہے، گویا اس نے فقہی جواہر کا صندوق اٹھایا ہوا ہے، لیکن اس کو کھول کر ان قیمتی جواہر سے استفادہ نہیں کرسکتا، اگر یہ شخص یہ صندوق اپنے پاس ہی رکھے گا تو اس قیمتی خزانے کے ضائع ہوجانے کا خطرہ ہے، اس لئے اس کو چاہئے کہ یہ خزانہ کسی ایسے شخص کے سپرد کردے جو اس میں سے جواہر نکال کر خود بھی مستفید ہو اور لوگوں کو بھی فائدہ پہنچائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم نبوت کے خدام دو طرح کے ہیں، ایک حاملین فقہ اور دوسرے فقہاء، حاملین فقہ الفاظ حدیث کو یاد کر کے امت کی آئندہ نسلوں تک پہنچاتے ہیں، یہ بھی بہت بڑی خدمت ہے، جس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعاء دی ہے، لیکن اس سے بڑی خدمت فقہاء نے انجام دی ہے، فقہاء صرف الفاظ یاد کر لینے پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ علوم نبوت کے بحر بے کنار میں غواصی کر کے اس کی تہہ سے قیمتی جواہر نکال کرامت کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص الفاظ حدیث زیادہ یاد کر لے اس کا فہم حدیث میں بھی فائق ہونا ضروری نہیں۔ ایسی صورت میں حامل فقہ کو چاہئے کہ کسی فقیہ سے پوچھ کر عمل کرے، جب الفاظ حدیث یاد کرنے والے کے لئے کسی فقیہ کی اتباع ضروری ہے تو عوام الناس کے لئے بدرجۂ اولیٰ ضروری ہوگی۔

قولہ ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ: اگر لایغل کو یا کے فتحہ اور غین کے کسرہ کے ساتھ باب ضرب سے مانیں تو اس کے معنی خیانت کے ہوں گے، یعنی

مومن ان تینوں چیزوں میں خیانت نہیں کرتا اور نہ اس کے دل میں حسد داخل ہوتا ہے، جو اس کو حق سے پھسلا دے، جب وہ ان میں سے کسی کام کو کرتا ہے۔ علامہ تورپشتی اور علامہ زمخشری فرماتے ہیں یہ عادتیں ایسی ہیں جن کے ذریعہ سے قلوب درست ہوجاتے ہیں، پس جس شخص نے ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کا دل حسد کینہ اور خیانت سے پاک ہوجائیگا، علیھن حال کی جگہ واقع ہے، یعنی لایغل قلب مؤمن کائنا علیھن. (مرقاۃ: ۲۸۸/ ۱، کتاب العلم)

قولہ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰہِ: اور اخلاص یہ ہے کہ بندہ کسی بھی عمل کے اندر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کو ملحوظ رکھے، نہ کوئی دنیوی غرض ہو جیسے شہرت وریا اور نہ اخروی غرض ہو جیسے جنت کی نعمتیں اور اس کی لذتیں، فضیل ابن عیاض فرماتے ہیں کہ عمل کو غیر اللہ کے لئے کرنا شرک ہے، اور کسی عمل کا ترک کرنا غیر اللہ کے لئے یہ ریا ہے، اور اخلاص وہ ہے جو ان دونوں سے تجھ کو نجات دلائے۔

قولہ وَالنَّصِيْحَةُ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ: یعنی تمام مسلمانوں کی بھلائی اور فلاح و بہبودگی کی فکر کرنا، اور اعتقاد و نیک عمل کے اندر مسلمانوں کے موافق ہونا جیسے نماز جمعہ اور نماز جماعت وغیرہ، اس لئے کہ مسلمانوں کی دعا ان کا احاطہ کئے رہتی ہے، اور ان کو شیطان کے مکروفریب سے اور گمراہی سے محفوظ رکھتی ہے، اور اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو شخص ان کی جماعت سے نکل گیا وہ ان کی دعا کی برکت حاصل نہیں کرسکتا اس لئے کہ یہ شخص ان لوگوں کے علاوہ ہے، ان کی دعا جن کا احاطہ کئے ہوئے ہے، نیز اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تنہائی اور علحدگی کے مقابلہ میں جمعیت افضل ہے۔
(مرقاۃ: ۲۸۹/ ۱، کتاب العلم)

ایضاً

﴿۲۱۶﴾ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ نَضَّرَ اللّٰہُ اِمْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَیْئًا فَبَلَّغَہٗ کَمَا سَمِعَہٗ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی لَہٗ مِنْ سَامِعٍ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَرَوَاہُ الدَّارِمِیُّ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۹۴/ ۲، باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع، حدیث نمبر:۲۶۵۶،ابن ماجۃ، مقدمہ باب من بلغ علما، حدیث نمبر:۲۳۲،مسند احمد: ۴۳۷/ ۱،

حل لغات: مُبَلَّغٍ، بلَّغَ تَبْلِیْغاً، پہنچانا،اوعیٰ، اسم تفضیل باب ض سے زیادہ رکھنے والا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کہ ’’اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر وتازہ رکھے، جس نے مجھ سے کوئی بات سنی، اور جس طرح سے سنی اسی طرح پہنچادیا، بعض وہ لوگ جن کو پہنچادیا جاتا ہے، سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔‘‘ (ترمذی، ابن ماجہ) دارمی نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اِمْرَأً کا ہمزہ وصلی ہوتا ہے، حالتِ وصل میں پڑھا نہیں جاتا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سدا بہار رکھے اللہ تعالیٰ اس شخص کو جس نے ہماری حدیث سنی۔ اور جس طرح سنا اسی

طرح اس کو دوسروں تک پہونچادیا" سمع منا شیئا الخ" میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام اقوال افعال احوال سب شامل ہیں، اور 'سمع' کا لفظ اس لئے لائے ہیں کہ علم کا مدار اکثر سننے پر ہی ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے حضرات محدثین ہمیشہ سدا بہار رہتے ہیں، تروتازہ اور خوش وخرم رہتے ہیں۔ اور تروتازہ رہنے کی دعا میں مناسبت یہ ہے کہ اس شخص نے بھی سنت کی تجدید اور اس کی تروتازگی کی کوشش کی اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے مناسب دعا فرمائی اور یہ دعا جس طرح دنیا کے لئے ہے، اسی طرح آخرت کے لئے بھی ہے، حدیث کی خدمت کرنے والے دنیا میں بھی تروتازہ رہتے ہیں اور آخرت میں بھی تروتازہ اور سدا بہار اور خوش وخرم رہیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور طالبین حدیث وخدام حدیث کی یہ ایسی شرافت اور فضیلت ہے کہ جس میں امت میں ان کا کوئی شریک نہیں اور خدمت حدیث کا اگر اور کوئی فائدہ بھی نہ ہو تو یہی فائدہ اتنا عظیم ہے کہ انسان اس پر مر مٹے اور اپنا سب کچھ اس پر قربان کردے۔ فقط

فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى لَهُ مِنْ سَامِعٍ: بہت سے پہنچانیوالے، زیادہ حفظ کرنے والے ہوتے ہیں اس میں بہت بڑی خوش خبری ہے کہ بہت سے تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ سکتے ہیں، مگر فقاہت میں نہ کہ فضیلت میں۔

مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ شاگرد استاد سے فقاہت میں بڑھا ہوا ہوتا ہے، اس لئے علم کو پھیلانے کی کوشش اور دھن میں لگا رہنا چاہئے، کہ ہوسکتا ہے کوئی شاگرد ایسا مل جائے جو ترا کرلیجائے۔

روایت بالمعنیٰ

کما سمعہ: کا لفظ بتا رہا ہے کہ جس طرح سنا ہے بالکل اسی طرح دوسروں کو

پہونچائے کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہونی چاہئے۔ پس روایت نقل کرنے میں حدیث کے لفظ اور معنی دونوں کی رعایت کرنا ضروری ہے، مگر بضرورت محدثین کی اکثریت نے روایت بالمعنی کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ (مرقاۃ: ۱/۲۹۰، کتاب العلم)

حدیث نقل کرنے میں احتیاط لازم ہے

﴿۲۱۷﴾ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوْا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (رواه الترمذی) وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَجَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَلَمْ يَذْكُرْ اِتَّقُوْا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ۔

حواله: ترمذی شریف: ۲/۱۲۳، باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۲۹۵۱، ابن ماجة: ۴، باب التغلیظ فی تعمد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۳۳۔

حل لغات: اتقوا امر حاضر، جمع مذکر، باب افتعال سے، اتقی اتقاءً بچنا، پرہیز کرنا۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری جانب سے حدیث بیان کرنے سے بچو! مگر جس کو تم جانتے ہو، چنانچہ جس شخص نے مجھ پر جھوٹ بولا اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرلے۔ (ترمذی) ابن ماجہ نے اس حدیث کو ابن مسعود و جابر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور حدیث کے الفاظ "اِتَّقُوْ الْحَدِيْثَ عَنِّيْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ" کو ذکر نہیں کیا ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حدیث بیان کرنے کی جو فضیلتیں بیان کی گئی ہیں ان کی وجہ سے حدیث بیان کرنے میں کچھ بے احتیاطی ہو سکتی تھی، اس پر تنبیہ فرمادی کہ حدیث پاک بیان کرنے کی فضیلت اپنی جگہ پر درست ہے، مگر اس کی وجہ سے کسی قسم کی بے احتیاطی نہیں ہونی چاہئے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ حدیث پاک بیان کرنے میں بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے، جب تک کہ حدیث کا حدیث ہونا پختہ طور پر معلوم نہ ہو، اس وقت تک اس کو حدیث کے طور پر حدیث کہہ کر بیان کرنا انتہائی خطرناک ہے، جس کی وعید حدیث پاک میں بیان کی گئی ہے، اور اگر حدیث پاک بیان کرنے میں احتیاط کی اس درجہ تاکید نہ ہوتی تو پورے دین سے ہی اعتماد اٹھ جاتا۔

تفسیر بالرائے کا حکم

﴿۲۱۸﴾ **وَعَنْ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِيْ الْقُرْآنِ بِرَأْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ قَالَ فِيْ الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (رواه الترمذى)

حواله: ترمذی شریف: ۲/۱۲۴، باب ماجاء فی الذی یفسر برأیه، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۲۹۵۰۔

حل لغات: رَأْیٌ رائے، خیال، یتبوأ امر غائب تبوء المکان، ٹھکانہ بنانا۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے قرآن پاک میں اپنی عقل سے کچھ کہا، اسے چاہئے

کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرلے، اور ایک روایت کے الفاظ ہیں، جس شخص نے بغیر علم کے کچھ کہا اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے۔

تشریح: معلوم ہوا کہ جو شخص قرآن شریف میں اپنی رائے محض سے تفسیر کرے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

رائے محض کے معنی یہ ہیں کہ قرآن شریف کی کسی آیت کی ایسی تاویل کرے جو نہ صرفی ونحوی قواعد سے نکلتی ہو اور نہ فصاحت وبلاغت سے نکلتی ہو۔

اور محض اپنی رائے سے کہے کہ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں، ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ جیسا کہ ابوالکلام آزاد نے استباق کا ترجمہ کبڈی کھیلنے سے کیا، واستبقا الباب اور وہ کبڈی کھیلنے لگے، اور جس طرح سرسید خان نے فرشتوں کا انکار کردیا کہ وہ کوئی چیز نہیں ہیں، بلکہ یہی قوت سامعہ، شامہ، ذائقہ وغیرہ ہیں جن کو فرشتوں سے تعبیر کردیا۔ اسی طرح ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر۔

قرآن کریم کی تفسیر کیلئے جو علوم ضروری ہیں ان کے بغیر تفسیر کرنا ملحدوں اور زندیقوں کا کام ہے۔

حجۃ الاسلام امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن پاک کی ترجمانی ووضاحت اور تفسیر وبیان کے میدان میں اترنا اس شخص کے لئے حرام ہے جو نہ تو عربی زبان کی معرفت رکھتا ہو کہ جس میں قرآن پاک نازل ہوا اور نہ ان احادیث واقوال تک اس کی پہنچ ہو جو آیاتِ قرآنی کی تفسیر اس کے رموز ونکات سبب نزول اور ناسخ ومنسوخ کے بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے منقول ومروی ہیں، پس جس شخص نے قرآن پاک کی تفسیر ووضاحت میں کوئی ایسی بات کہی جس کی سند اور دلیل میں منقولات ومرویات میں سے کوئی چیز اس کے پاس نہ ہو، اور محض اس کی اپنی رائے اور ذہنی

اختراع کے طور پر ہوتو اس کا حال اس حدیث میں بیان ہوا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ، کتاب العلم)

ایضاً

﴿۲۱۹﴾ وَعَنْ جُنْدُبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِرَأْیِہٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَأَ۔ رواہ الترمذی وابوداؤد۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۲۳، باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۲۹۵۲، ابوداؤد شریف: ۲/۱۵۸، باب الکلام فی کتاب اللہ بغیر علم، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۳۶۵۲۔

حل لغات: اَخْطَأَ واحد مذکر غائب فعل ماضی باب افعال، غلطی کرنا، چوک کرنا۔

ترجمہ: حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور وہ صحیح ہے، تو بھی اس نے غلطی کی۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس کے اندر تفسیر کی اہلیت نہ ہو اس کا تفسیر کرنے کی جرأت کرنا ہی غلط ہے، خواہ اس کی بیان کردہ تفسیر صحیح ہو، یہ ایسے ہی ہے جیسے اگر کوئی مستند ڈاکٹر کسی کا علاج کرے اور وہ مریض مر بھی جائے تب بھی قانونا اس کے خلاف مقدمہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن اگر غیر مستند معالج کسی کا علاج کرے اور مریض صحت یاب بھی ہو جائے تب بھی اس

کے خلاف قانونی کاروائی کی جاسکتی ہے، یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کے علاج سے کتنے مریض شفایاب ہوگئے ہیں، کیونکہ اس نے غیر مستند ہوتے ہوئے کسی کا علاج کرکے ایسا راستہ اختیار کیا ہے جس میں ہلاکت کا خطرہ زیادہ ہے، ایسے ہی جس شخص کو علماء وقت تفسیر کا اہل نہ سمجھتے ہوں، اگر یہ قران کریم کی تفسیر کرتا ہے تو اس کا یہ اقدام ہی غلط ہے، اس نے تفسیر کی جرأت کرکے انتہائی خطرناک راستہ اختیار کیا ہے۔

اور علوم تفسیر پندرہ ہیں،

(۱) علم لغت، (۲) علم نحو، (۳) علم صرف، (۴) علم اشتقاق، اس لئے کہ اسم کے اشتقاق کے دو مادے ہوں تو مادوں کے مختلف ہونے سے معنی بھی مختلف ہوجاتے ہیں، (۵) علم معانی، (۶) علم بیان، (۷) علم بدیع، (۸) علم قرأت، (۹) علم عقائد، (۱۰) اصول فقہ، (۱۱) اسباب نزول وقصص، (۱۲) ناسخ ومنسوخ، (۱۳) فقہ، (۱۴) ان احادیث مبینہ کا جاننا جو مبہم ومجمل کی تفسیر میں واقع ہوئی ہیں، (۱۵) علم وہبی یہ ایسا علم ہے جس کا وارث اللہ تعالیٰ اس شخص کو بناتے ہیں جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا اور تقویٰ کی زندگی گذارتا ہے، (مرقاۃ: ۲۹۳،۹۲/۱، کتاب العلم)

قرآن پاک میں جھگڑا کرنا

﴿۲۲۰﴾ **وَعَنْ** اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمِرَاءُ فِی الْقُرْاٰنِ کُفْرٌ۔ رواہ احمد وابوداؤد۔

حوالہ: مسند احمد: ۲/۲۸٦، ابوداؤد شریف: ۲/۲۷٦، باب النھی عن الجدال فی القرآن، کتاب السنة، حدیث نمبر: ۴٦۰۳۔

حل لغات: اَلْمِرَاءُ، جھگڑا کرنا، مَاری فلاناً کسی کی مخالفت کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔

تشریح: المراء الخ: جو شخص قرآن کریم میں جھگڑے تو وہ کفر ہے، یعنی کفر کی طرح ہے، یہ عبارت زید کالاسد کی طرح ہے، حرف تشبیہ کو حذف کر دیا ہے، یعنی آج کفر نہیں تو کل کفر ہے، یعنی کفر کا ذریعہ بن جائے گا یعنی قرآن پاک میں فضول بحث کرنے والے کے بارے میں خطرہ ہوتا ہے کہ وہ کہیں کفر تک نہ پہونچ جائے اس لئے اجتناب ضروری ہے۔ اور یہ کہ کفر کی طرح ہے۔

علامہ زین العرب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ المراء فی القرآن سے قرآن پاک کے اندر شک کرنا مراد ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: "فلا تک فی مریة منه" یعنی اس کے کلام اللہ ہونے میں شک کرنا کفر ہے، صاحب بیضاوی فرماتے ہیں المراء سے مراد تدارؤ ہے، اور وہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی تکذیب کا قرآن ہی کے ذریعہ سے ارادہ کیا جائے اور اس میں تضاد ظاہر کیا جائے۔ شرح السنہ میں ہے کہ المراء سے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ جھگڑا قراءت کے بارے میں ہے، اس طریقہ پر کہ بعض قراءت مرویہ کا انکار کردے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو سات قراءتوں پر نازل فرمایا ہے، تو کفر کیساتھ دھمکی دینا اس لئے ہے تاکہ لوگ قراءت مرویہ سے متعلق جھگڑے اور ان کی تکذیب کرنے سے باز رہیں اس لئے کہ تمام قرآن پاک من جانب اللہ نازل ہوا ہے، جس پر ایمان لانا واجب ہے۔ (مرقاة: ۲۹۳/ ۱، کتاب العلم)

ایضاً

﴿۲۲۱﴾ وَعَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْماً يَتَدَارَؤُوْنَ فِي الْقُرْآنِ فَقَالَ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا ضَرَبُوْا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ وَاِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللّٰهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضاً فَلَا تُكَذِّبُوْا بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُوْلُوْا وَمَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوْهُ اِلٰى عَالِمِهٖ۔ (رواه احمد وابن ماجة)

حواله: مسند احمد: ۱۸۵/۲، ابن ماجة: ۹، باب في القدر، مقدمه، حدیث نمبر: ۸۵۔

حل لغات: يَتَدَارَؤُوْنَ جمع مذکر غائب، فعل مضارع، باب تفعل، مصدر تَدَارُءٌ، باہم جھگڑا کرنا، کلوا، امر حاضر جمع مذکر وکل (ض) وکلا، بھروسہ کرنا۔

ترجمه: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کے بارے میں سنا کہ وہ آپس میں قرآن کریم کے بارے میں جھگڑا کررہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہو گئے، انہوں نے کتاب اللہ کے بعض حصے کو بعض کے مخالف بتادیا، حالانکہ کتاب اللہ کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے، لہذا تم قرآن کے بعض حصے کو بعض کے ذریعہ جھٹلاؤ نہیں، اور اس کے بارے میں جتنا جانتے ہو اس کو بیان کرو، اور جو نہیں جانتے ہو اس کو جاننے والوں کے سپرد کردو۔

تشریح: یتدارؤن: وہ دفع کررہے تھے ایک دوسرے کی طرف "ضربوا کتاب الله بعضه ببعض" ٹکرادیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعض حصہ کو

بعض سے حالانکہ قرآن شریف میں ٹکراؤ نہیں بلکہ اس کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے، جیسے "علی الذین یطیقونہ" ہے اور اس کے مقابلہ میں "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" ہے ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے حالانکہ تعارض نہیں کیونکہ اول منسوخ ہے، ثانی سے یا اول میں طاقت نہ رکھنے والوں کا بیان ہے، اور دوسرے میں طاقت والوں کا۔

قولہ اِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِھٰذَا: یعنی تم سے پہلے لوگ یہود ونصاریٰ اسی اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، یہ اشارہ ہے تحقیر کی جانب یعنی اتنی معمولی سی چیز جس سے بچنا بہت آسان تھا، یا یہ اشارہ ہے تعظیم کی جانب یعنی اس کا ضرر اور نقصان اتنا بڑا اور زبردست ہے کہ جس کی وجہ سے تم سے پہلے لوگ ہلاک کر دیئے گئے اور کہا گیا ہے کہ مضاف محذوف ہے۔ بمثل ھذا الاختلاف المذموم.

قولہ ضَرَبُوْا کِتَابَ اللّٰہِ بَعْضَہٗ بِبَعْضٍ: بعضہ ببعض بدل البعض ہے اور جملہ اسم اشارہ کا بیان ہے، اور معنی یہ ہیں اہل توریت نے انجیل کو پس پشت ڈالدیا اور اہل انجیل نے توریت کو پس پشت ڈالدیا، اسی طرح یہود نے توریت کی ان باتوں کو جوان کے موافق نہیں تھیں ان کو پس پشت ڈالدیا اسی طرح نصاریٰ نے ان مضامین کو جوان کی مراد ومطلوب کے خلاف تھے، پس پشت ڈالدیا، اور کہا گیا ہے کہ کتاب اللہ سے مراد قرآن پاک ہے، یعنی انہوں نے قرآن پاک کے بعض حصہ کو بعض کے ساتھ ملادیا اور محکم متشابہ ناسخ ومنسوخ اور مطلق ومقید میں تمیز نہ کر سکے، اور ان تمام میں انہوں نے ایک ہی حکم جیسا فیصلہ کیا۔ (مرقاۃ:۱/۲۹۴)

قولہ وَ اِنَّمَا نَزَلَ کِتَابُ اللّٰہِ یُصَدِّقُ بَعْضُہٗ بَعْضاً: کتاب اللہ سے مراد جنس ہے، یعنی مثال کے طور پر انجیل نے بیان کیا کہ توریت اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور

وہ حق ہے اور قرآن پاک نے بیان کیا کہ تمام آسمانی کتابیں، حق ہیں، اسی طرح ناسخ بیان کرتا ہے کہ منسوخ پر عمل نہیں کیا جائیگا، اور محکم بیان کرتا ہے کہ تشابہ پر عمل نہیں کیا جائے گا اور مؤول دلیل کے ذریعہ سے بیان کرتا ہے کہ ظاہر پر عمل نہیں ہوگا، اسی طرح خاص ومقید بیان کرتے ہیں کہ عام اور مطلق پر عمل نہیں ہوگا، "فلا تکذبوا بعضه ببعض" بلکہ کہو کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری ہے، حق ہے، اور جس سے تم ناواقف ہو، جیسے تشابہات وغیرہ "فکلوہ الیٰ عالمہ" تو اس کو اس کے جاننے والے کے سپرد کردو اور وہ ذات اللہ تعالیٰ کی اور حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے یا پھر وہ شخص جو تم سے زیادہ جاننے والا ہو۔ (مرقاۃ: ۲۹۴/ ۱، کتاب العلم)

قرآن پاک سات حروف پر نازل ہوا ہے

﴿۲۲۲﴾ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ لِکُلِّ اٰیَۃٍ مِنْھَا ظَھْرٌ وَبَطْنٌ وَلِکُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ۔ رواہ فی شرح السنۃ۔

حواله: شرح السنة: ۲۶۳، کتاب العلم، باب الخصومة فی القرآن، حدیث نمبر: ۱۲۲۔

حل لغات: ظَھْرٌ پوشیدگی کے بعد ظاہر ہونا، (ف) مصدر ظھوراً، بَطْنٌ پوشیدہ ہونا، بَطَنَ (ن) بُطُوْناً.

ترجمه: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن کریم سات طرح نازل کیا گیا ہے، ان میں سے ہر آیت کا ایک ظاہر ہے، اور ایک باطن ہے، اور ہر حد کے واسطے ایک خبردار ہونے کی جگہ ہے۔

تشریح: اُنزِلَ الْقُرآنُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ الخ: عرب میں سات قبیلے تھے، اور ان کی جدا جدا لغت تھیں، بعض میں فرق تھا، ایسا نہیں کہ تمام ہی لغات مختلف ہوں تو عرب میں صرف یہ سات لغتیں مشہور تھیں، سب نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اجازت دیدی کہ اپنی لغت کے مطابق قرآن پڑھ لیا کرو۔

حدیث پاک کے بارے میں متعدد اقوال ہیں:

پہلا قول: جس کو بیہقی نے صحیح قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس سے مراد سات لغات ہیں، جو عرب میں فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے مشہور تھیں، یعنی (۱) قریش، (۲) طی، (۳) اور ہوازن، (۴) اہل یمن (۵) اور ثقیف، (۶) ہزیل (۷) اور بنو تمیم۔ قول مختار یہی ہے۔

دوسرا قول: یا سات قراءتِ متواترہ مراد ہیں، اور یہ قول خلیل نحوی کا ہے۔

تیسرا قول: یا مراد یہ ہے کہ قرآن کا ہر لفظ نہیں بلکہ اختلافی الفاظ سات طرح پڑھے جائیں گے، مثلاً فرمانِ باری تعالیٰ ہے: "**ولا تقل لھما اف**" تو لفظ "اُف" میں سات صورتیں ہیں، ضمہ، فتحہ، کسرہ اور یہی تینوں صورتیں تنوین کے ساتھ ہیں اور ایک صورت سکون کے ساتھ۔

چوتھا قول: یہ ہے کہ وہ سات معانی مراد ہیں جن پر قرآن کریم مشتمل ہے، یعنی (۱) امر، (۲) نہی، (۳) قصص، (۴) امثال، (۵) وعد، (۶) وعید (۷) اور وعظ۔

پانچواں قول: بعض نے سات معانی کا مصداق (۱) عقائد (۲) احکام، (۳) اخلاق، (۴) قصص، (۵) وامثال (۶) وعد (۷) وعید کو بتایا۔

چھٹا قول: یہ ہے کہ اس سے سات اقلیم مراد ہیں، یعنی قرآن کو سات اقلیم پر نازل کیا گیا تا کہ تمام اقالیم سبعہ پر قرآن کا حکم جاری ہو سکے۔

ساتواں قول: یہ ہے کہ لفظ سبعہ سے خاص عدد مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے، چنانچہ سبعہ سے کثرت کے معنی مراد لینا اس آیت میں بھی ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "سبعة ابحر مانفدت كلمات الله" بس سبعۃ احرف کی توجیہ میں سات اقوال کے نقل پر اکتفاء کیا گیا کیونکہ اس میں پینتیس اقوال ہیں اور ان میں اکثر غیر مختار ہیں۔

(مرقاة: ۱/۲۹۵، كتاب العلم، التعليق الصبيح: ۱/۱۵۶)

شیخ عبدالعزیز دباغ جو مشہور عارف صاحب کشف بزرگ گذرے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ساتھ انوار مراد ہیں کہ قرآن کریم کے ہر لفظ میں سات قسم کے انوار ہوتے ہیں، پھر اس کی تفصیل بھی بیان فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو ''ابریز تبریز''

قرآن پاک کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن

قوله لِكُلِّ ايَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ: قرآن پاک کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اس جملہ کی مراد کے سلسلہ میں بھی متعدد اقوال ہیں۔

متعدد اقوال

(۱)......ظہر سے وہ معنی مراد ہیں جس کو تمام اہل زبان سمجھتے ہیں، اور بطن سے وہ مراد ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے سمجھتے ہیں۔

(۲)...... یا ظہر سے وہ معنی مراد ہیں کہ جس کو اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور بطن سے وہ مراد ہیں کہ جس کو اہل تاویل منکشف کرتے ہیں۔

تفسیر و تاویل کا فرق

تفسیر وہ معنی جو روایت سے متعلق ہوں اور تاویل ایسے معنی ہیں جو درایت سے متعلق ہوں۔

(۳)...... یا ظہر سے مراد قراءت وتلاوت ہے، او بطن سے فہم وتدبر مراد ہے۔

(۴)...... یا ظہر سے لفظ او بطن سے معنی مراد ہیں۔

(۵)...... یا ظہر سے وہ معنی مراد ہیں جو لفظ سنتے ہی معلوم ہو جائیں او بطن سے وہ معنی مراد ہیں کہ جن کو علماء اصول دلالۃً یا اشارۃً یا اقتضاءً نکالتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ارشاد

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں اکثر و بیشتر بیان خداوندی صفات ونشانیاں احکام وقصص اور موعظت بالجنۃ والنار کا ہے، پس ظاہر سے خود اسی چیز کا احاطہ کرنا مراد ہے، جس کے لئے کلام کو لایا گیا ہے، اور آیات صفات میں اللہ کی نعمتوں سے متعلق تفکر وتدبر کرنا باطن ہے، اور ایسے ہی آیات احکام میں ایماء واشارہ اور اقتضاء سے استنباط کرنا باطن ہے، اور آیات قصص میں ثواب وعذاب مدح وذم کے مناط ومدار کو سمجھنا باطن ہے، نیز موعظت میں رقت قلب اور ظہور خوف ورجاء باطن ہے۔

(مرقاۃ: ۲۹۶/۱، کتاب العلم، التعلیق الصبیح: ۱۵۸/۱)

قولہ وَلِكُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ: حد کے معنی طرف اور انتہاء کے ہیں، بلندی سے

نیچے کی طرف دیکھ کر اطلاع پانے کی جگہ یعنی ہر ظاہر و باطن کے لئے ایک حد اور انتہاء ہے اور ایسا مقام ہے کہ جس پر چڑھ کر اس حد پر اطلاع پاسکے، پس ظاہر کی حد کے لئے مطلع علم لغت و نحو صرف علم بلاغت و شان نزول اور ناسخ و منسوخ اور تمام وہ علوم ہیں کہ جن سے ظاہری معنی تعلق رکھتے ہیں اور باطن کی حد کے لئے مطلع ریاضت و مجاہدات ہیں، جن سے تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب ہو کر باطن پر اطلاع پاسکے، علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ حد سے احکام شرع مراد ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"**واجدر ان لایعلموا حدود ما انزل الله**" یعنی ہر حکم شرع کے لئے قرآن میں موضع اطلاع ہے، اور اس مقام اطلاع پر چڑھ کر تمام احکام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی مطلع ہوتے تھے۔(**مرقاۃ: ۱/۲۹۷، کتاب العلم، التعلیق الصبیح: ۱/۱۵۸**)

فائدہ

قرآن پاک کے ظاہری معنی مراد کو سمجھنے کے لئے متعدد علوم کی ضرورت ہے، جن کو اوپر تفصیل سے بیان کیا جاچکا۔

اور باطنی معنی سمجھنے کے لئے صفائی قلب اور جلائے باطن کی ضرورت ہوتی ہے، بغیر اس کے باطنی معنی نہیں پہچانے جاسکتے ہیں۔

صحبت شیخ کی ضرورت

اور صفائی قلب اور جلائے باطن کے لئے صحبت شیخ کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے کہ عامۃً یہ چیز شیخ کامل کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ فقط

بنیادی علوم تین ہیں

﴿۲۲۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِلْمُ ثَلٰثَةٌ آيَةٌ مُحْكَمَةٌ اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا كَانَ سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ۔ رواه ابوداؤد وابن ماجة۔

حواله: ابو داؤد شریف: ۴۳/ ۲، باب ماجاء فی تعلیم الفرائض، کتاب الفرائض، حدیث نمبر:۲۸۸۵،ابن ماجه ص: ۵۴، باب اجتناب الرأی الخ.

حل لغات: مُحكمةٌ محكم کامؤنث ہے،جمع محكمات، مضبوط، مستحکم، عادلة، عادلٌ کامؤنث ہے،انصاف پرور،منصف۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم تین ہیں، (۱) آیت محکمہ۔ (۲) سنت قائمہ۔ (۳) فریضۂ عادلہ،اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زائد ہے۔

تشریح: یوں تو بہت سے علوم ہیں جیسا کہ اثناعشر علوم اوپر ذکر کئے گئے،مگران کی حیثیت خادم وچپراسی کی ہے جوان تین علوم کیلئے موقوف علیہ کے درجہ میں ہیں۔

(۱)...... ان تین میں سے ایک تو آیات محکمات ہیں، ان کے مقابلہ میں آیات متشابہات ہیں جن پر صرف ایمان لانا ضروری ہے، ان کے معانی کا جاننا ضروری نہیں۔البتہ آیات محکمات جاننے اور عمل کرنے کے واسطے ہیں۔

(۲)...... دوسرے سنت قائمہ ہے، یعنی صحیح احادیث کا علم،اورصحیح حدیثوں کو جاننے کے لئے سقیم احادیث کا جاننا بھی ضروری ہے۔

(۳)......تیسرا علم فریضۂ عادلہ ہے۔اس میں اجتہادی قیاسات وغیرہ ہیں۔

آیات محکمات کے علم سے مراد علم تفسیر ہے، جو دوسرے دو علموں کے لئے بمنزلہ صدر ہے،اور حدیث یعنی سنت قائمہ اس کے دائیں بازو پر ہے،اور تیسرا علم فریضۂ عادلہ اس کے بائیں بازو پر ہے۔

گویا علم تفسیر صدر اور علم حدیث وزیر اعظم،اور علم فقہ وزیر داخلہ ہے،اور ان کے علاوہ تمام علوم ان کے نوکر چاکر اور خادم ہیں۔اور دنیاوی تمام علوم زائد ہیں بیکار محض نہیں۔بلکہ ان کی حیثیت فنون کی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ارشاد

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہاں واجب علی الکفایہ کی تحدید وضبط مراد ہے، چنانچہ قرآن کریم کا لفظی اعتبار سے جاننا اور محکم آیات کو بالتفصیل جاننا واجب اور ضروری ہے، یعنی اس کے اسباب نزول اور مشکل مقام کی وضاحت اور ناسخ ومنسوخ کو پہچاننا وغیرہ، البتہ متشابہ آیات تو انکا حکم توقف ہے، یا پھر محکم ہی کی جانب رجوع کرنا ہے،اور سنت قائمہ تو سنت سے مراد وہ ہے جس سے عبادات ومعاملات سے متعلق احکام وسنن ثابت ہوں اور جن پر علم فقہ مشتمل ہے، قائمہ وہ طریقہ جو منسوخ نہ ہو، رائج ہو،اور جس پر جمہور صحابہ وتابعین چلے ہیں،اور فریضۂ عادلۃ سے وارثین کے حصے مراد ہیں،اور اسی سے ابواب قضاء ملحق ہیں،ان تینوں کے جاننے والے سے کسی شہر کا خالی رہنا حرام ہے،اس لئے کہ ایسے شخص پر دین کا مدار ہے،اور جو اس کے ماسوا ہے،وہ زائد اور فضل ہے۔

علامہ تورپشتیؒ کا ارشاد

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ آیت محکم جس میں کسی قسم کا خفاء نہ ہو اور سنت قائمہ وہ

ہے جو ثابت ہو، اور معمول بہا ہو، اور فریضۂ عادلہ سے عدل فی القسمۃ مراد ہیں، یعنی وہ سہام اور حصے جو تقسیم میں برابر ہیں، یا عادلہ سے مراد وہ احکام ہیں جو کتاب وسنت سے مستنبط ہوں، اگرچہ کتاب وسنت میں ان کی تصریح موجود نہ ہو، لیکن ان سے استنباط کر کے جو نکالا گیا یعنی اجماع اور قیاس وہ بھی اس کے مماثل ومعادل ہیں، اب یہاں کتاب وسنت اور اجماع وقیاس ہر ایک کی طرف اشارہ ہوگیا، جو اصولِ دین ہیں، جیسا کہ عبداللہ ابن عروہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ الفریضة العادلة ما اتفق عليه المسلمون لہٰذا اجماع اور قیاس دونوں فریضۂ عادلہ میں شامل ہوگئے۔ (التعليق الصبيح: ۱/۱۵۸)

وما كان سوى ذلك فهو فضل الخ: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تین علوم کے علاوہ باقی علوم شرعی دلیل اور حجت نہیں ہیں۔

بعض دنیاوی علوم کا حصول فرض کفایہ ہے

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ علم دین کے علاوہ جن علوم کو دنیا کہا جاتا ہے وہ علوم بھی کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ وہ بھی فی الجملہ محمود ہیں، بلکہ بعض علوم ایسے ہیں جو فرض کفایہ ہیں اور ان کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہے، اور علم دین کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہے یعنی اتنا علم دین جس کے ذریعے انسان اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق بنا سکے، وہ دین کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہے، یعنی اتنا علم دین جس کے ذریعے انسان اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق بنا سکے، وہ فرض عین ہے اور پورا علم دین وہ فرض کفایہ ہے، اسی طرح بعض دنیاوی علوم بھی فرض کفایہ ہیں۔

مثلاً کھانا پکانے کا علم! کہ اگر کسی کو نہ آئے تو لوگ بھوکے مریں گے تو اس لئے اس کا سیکھنا بھی فرض کفایہ ہوا کہ کچھ لوگ ہوں جو اس کو سیکھیں۔ یا طب! علاج معالجہ کا سیکھنا یہ بھی فرض کفایہ ہے، اس واسطے کہ اگر کوئی بھی طبیب نہ ہو تو معاشرے کے اندر لوگوں کا علاج کون کرے گا، کپڑا سینے کا علم فرض کفایہ ہے، اسی طریقہ سے بہت سے علوم کہ جن کے اوپر انسان

کی دنیاوی زندگی موقوف ہے وہ فرض کفایہ ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص انسانیت کی خدمت کی نیت سے ان علوم کو حاصل کرے تو وہ بھی اجر وثواب کا باعث ہے۔

دینی ودنیاوی علوم کے فرض کفایہ ہونے میں فرق

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بعض دنیاوی علوم بھی فرض کفایہ ہیں اور علم دین بھی فرض کفایہ ہے تو پھر دونوں میں کیا فرق رہا؟ وہ بھی اگر نیت صحیح کے ساتھ ہو تو اس پر بھی اجر وثواب اور اس میں بھی اگر نیت صحیح ہو تو اس پر بھی اجر وثواب اور اگر نیت یہاں خراب ہو تو اس کا بھی ثواب نہیں، اور وہاں خراب ہو تو اس کا ثواب نہیں، تو اس صورت میں دونوں بظاہر مساوی نظر آتے ہیں کہ ایک فرض کفایہ ہے اور دوسرا بھی فرض کفایہ ہے۔ ایک میں نیت شرط ہے تو دوسرے میں بھی نیت شرط ہے، لہٰذا دونوں مساوی ہو گئے۔ تو پھر فضائل علم کو کیوں علوم دین ہی کے ساتھ مخصوص کیا جارہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک فرض کفایہ ہونے میں اگرچہ مشترک ہیں، لیکن ایک چیز ہوتی ہے فرض کفایہ لعینہ یا حسن لعینہ اور دوسری حسن لغیرہ ہوتی ہے، تو علوم دنیویہ جو حسن ہیں وہ حسن لغیرہا ہیں، اور علوم دینیہ جو حسن ہیں وہ حسن لعینہا ہیں، اور ظاہر ہے کہ اصل فضیلت حسن لعینہا کی ہوتی ہے، اور حسن لغیرہا کی فضیلت ثانوی ہے۔ اس واسطے یہ کہا جاتا ہے کہ علم کی فضیلات سے اصل مقصود علم دین ہے۔ ورنہ فی نفسہ دنیاوی علوم بھی ناجائز نہیں، بلکہ اگر نیت درست ہو تو ان کا حصول بھی موجب ثواب ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو دنیاوی علوم عطا کئے گئے تھے

”وعلم آدم الاسماء کلها“ میں حضرت آدم علیہ السلام کو جو علم عطا فرمایا

گیا، راجح قول کی بنیاد پر دوسری قسم کا علم تھا، اس لئے کہ اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ دنیا میں کس طرح رہو، تو وہ بھی گویا فی نفسہ محمود ہے، لیکن وہ بذاتہ مقصود نہیں، بخلاف اللہ جل جلالہ کے علم دین کے کہ وہ بذاتہ مقصود اور بذاتہ حسن ہے، اس واسطے اس کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ (انعام الباری: ۲/۳۰)

واعظ کی تین قسمیں

﴿۲۲۴﴾ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُصُّ اِلَّا اَمِيْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ اَوْ مُخْتَالٌ۔ (رواہ ابوداؤد) وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ اَوْ مُرَاءٍ بَدَلَ اَوْ مُخْتَالٌ۔

حوالہ: دارمی: ۲/۲۱۰، کتاب الرقاق، باب النهي عن القصص، حدیث نمبر: ۲۷۷۹، ابوداؤد شریف: ۲/۶۰، باب في القصص، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۳۶۶۵۔

حل لغات: مختال، اس فاعل خاتَلَهٗ وختله (ن) ختلاً فریب دینا۔

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین طرح کے لوگ قصے بیان کریں گے۔ وعظ کہیں گے۔ (۱) حاکم۔ (۲) محکوم۔ (۳) تکبر کرنے والا۔ (ابوداؤد) دارمی نے اس حدیث کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے، اور دارمی کی روایت

میں لفظ مختال کے بجائے "مراء" (ریا کار) کا لفظ ہے۔

تشریح: لاَ یَقُصُّ مضارع منفی کا صیغہ ہے، لایَقْصُصْ یہ صیغہ نہی ہو جائیگا، معنی قصہ بیان کرنا، کسی کے نقشِ قدم پر چلنا۔ واعظ بھی پہلے لوگوں کے نقش قدم پر چلتا ہے، اس وجہ سے وعظ کا نام قصہ رکھدیا۔

نہیں وعظ کہتا ہے، نہیں تقریر کرتا ہے، یا نہ تقریر کرے اور نہ وعظ کہے مگر امیر۔

امیر سے امیر جماعت، امیر شہر، اور بادشاہ مراد ہے۔

یامأمور اور اس سے مراد جس کو وعظ کے لئے کہا جائے، مثلاً فلاں۔ اس کو خواہ حاکم مقرر کرے یا عوام درخواست کرے تقریر کریں۔

تو وعظ کا منصب یا تو امیر کا ہوتا ہے، یا مأمور کا اور جو نہ امیر ہو اور نہ مامور اور پھر وعظ کرے تو وہ متکبر ہے، تکبر کا کام کرتا ہے، یا مراء ہے، یعنی دکھاوے کے واسطے اپنی قابلیت جتانے کے واسطے وعظ و تقریر کرنے والا ہے۔

حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ تم دیکھو کہ وعظ کے کون سے منصب میں داخل ہو اور واعظ کو چاہئے کہ اپنے دل کو دیکھ لے کہ اس کا منشاء ریا کاری، جاہ پسندی، طلب شہرت، وغیرہ تو نہیں، وعظ کا منشاء صرف رضاء خداوندی اور مخلوق کی سچی خیر خواہی ہی ہونا چاہئے۔

فائدہ: اگر کسی شخص میں مخلوق کی سچی خیر خواہی ہے اور اسی جذبہ کے تحت صرف رضا خداوندی کے واسطے وہ وعظ کہتا ہے تو وہ خود مامور میں داخل ہے، یعنی وہ مامور من عنداللہ ہے۔

فائدہ (۲): اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکام کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی وعظ کہتے رہا کریں، اور جگہ جگہ بستی بستی ایسے حضرات کو مقرر کریں جو لوگوں کو وعظ کہیں اور ان کی اصلاح کی فکر کریں۔

لاعلم کافتوی دینا اور غلط مشورہ دینا

﴿۲۲۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اُفْتِیَ بِغَیْرِ عِلْمٍ کَانَ اِثْمُهٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاهُ وَمَنْ اَشَارَ عَلٰی اَخِیْهِ بِاَمْرٍ یَعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِیْ غَیْرِهٖ فَقَدْ خَانَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۵۹، باب التوقی عن الفتیا، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۳۶۵۷۔

حل لغات: اُفْتِیَ مجہول، مصدر اِفْتَاءٌ، فی المسئلة، شرعی حکم بیان کرنا، اشار علیه بکذا، مشورہ دینا، نصیحت کرنا، خانه، خان الشیء (ن) خوناً وخیانة، خیانت کرنا، غبن کرنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو بغیر علم کے فتوی دیا گیا، تو اس کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے فتوی دیا ہوگا، اور جس شخص نے اپنے بھائی کو کسی ایسے کام کے بارے میں مشورہ دیا جس کے بارے میں جانتا ہے کہ اس کی بھلائی اس میں نہیں ہے تو اس نے خیانت کی۔

تشریح: جو شخص انکل سے فتوی دیا گیا یعنی جس کو غلط مسئلہ بتایا گیا تو وہ اس پر عمل بھی غلط کریگا، مگر اس کا گناہ مفتی پر ہوگا، نہ کہ مستفتی پر اور اگر کوئی ایسے شخص سے مسئلہ پوچھے جو مفتی نہ ہو تو پھر اس کا گناہ اسی پر ہوگا، اس لئے مفتی کو چاہئے کہ خوب غور وخوض کے بعد مسئلہ بتائے۔

پس مفتی کے گنہگار ہونے کی دو شرطیں ہیں:

(۱)......وہ عالم نہ ہو۔

(۲)...... عالم ہے مگر تحقیق کے بغیر فتویٰ دیتا ہے۔

ان دونوں صورتوں میں مفتی گنہگار ہے اور اگر وہ عالم ہے، اور اپنی قدرت کے بقدر تتبع وتلاش کے بعد فتویٰ دیا مگر اتفاق سے غلط ہوگیا، تو اس صورت میں وہ گنہگار نہیں۔ اور اگر وہ عالم نہیں اور مستفتی بھی جانتا ہے کہ وہ عالم نہیں یا ہمیشہ یا اکثر غلط فتویٰ دیتا ہے اور وہاں دوسرے بڑے عالم بھی موجود ہیں اس کے باوجود مستفتی اس سے مسئلہ معلوم کرتا ہے اس صورت میں مستفتی بھی گنہگار ہوگا۔

اشار علی اخیہ: اس کا مادہ شور ہے۔ شور کے معنی شہد کو شہد کے چھتہ سے نکالنا اور شور کو شور اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جب شہد نکالتے ہیں تو مکھیاں شور کرتی ہیں، اور شہد نکالنے والے کو بہت برا بھلا کہتی ہیں، اس وجہ سے اب زور سے بولنے وغیرہ کو شور کہنے لگے۔

اشار: کا صلہ جب علیٰ آتا ہے تو اس کے معنی مشورہ دینے کے آتے ہیں، اور جب اس کا صلہ الیٰ آئے تو اشارہ کرنے کے معنی دیتا ہے۔

خیانت صرف کسی کا پیسہ لیکر نہ دینا ہی نہیں ہے، بلکہ مشورہ لینے والے کے حق میں جن چیزوں کو وہ مفید سمجھتا ہے ان کو چھپانا یا اس کے خلاف مشورہ دینا بھی خیانت کہلاتا ہے۔

مغالطہ آمیز سوال کی مخالفت

﴿۲۲٦﴾ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْاُغْلُوْطَاتِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۵۹/۲، باب ماجاء فی الفتیا، کتاب العلم، حدیث نمبر:۳۶۵۶۔

حل لغات: اغلوطات جمع ہے، واحد اُغلوطَة، وہ چیز جس کے ذریعہ غلطی میں مبتلا کیا جائے یا مغالطآمیز بات۔

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلطی میں ڈالنے والی چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: اغلوطہ: اس شئی کو کہتے ہیں جس سے لوگوں کو غلطی میں ڈالا جائے، ایسے مقدمات باطلہ سے کسی شی کو ثابت کرنے سے منع فرمایا ہے، مثلاً آپ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نفس ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ویحذرکم اللہ نفسہ یہاں نفس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ نفس ہے یہ صغریٰ ہوا، اور کل نفس ذائقة الموت یہ کبریٰ ہوا، پس نتیجہ نکلا اللہ ذائقۃ الموت، تو اس قسم کے مقدمات کو اغلوطہ کہتے ہیں۔

تم اس کو جواب دو کہ یحذرکم اللہ سے مراد ذاتِ خداوندی ہے، جو واجب الوجود ہے، اور کل نفس میں نفس سے مراد نفس ممکنہ ہے، لہذا نفس واجبہ کو نفس ممکنہ پر قیاس کرنا غلط ہے۔

اسی طرح پہیلیاں معلوم کرنا پیچیدہ اور مشکل قسم کے سوالات کرنا آنحضرت صلی اللہ نے ان سے بھی منع فرمایا، مگر یہ نہی اور مخالفت اس وقت ہے جب کہ یہ سوالات اپنی علمی برتری اور تفوق ظاہر کرنے کے لئے یا دوسرے عالم کو پریشان کرنے کے لئے ہوں، لیکن اگر علمی استعداد بڑھانے کیلئے یا اپنے اہل تعلق یا طلباء کے ذہن کو تیز کرنے اور ان کی صلاحیت کا اندازہ کرنے کے لئے ہوں تو پھر مضائقہ نہیں، جیسا کہ ایک مرتبہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا بتاؤ وہ درخت کونسا ہے جو مومن کے

ساتھ خاص مناسبت رکھتا ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جنگل کے مختلف درختوں کے بارے میں سوچنے لگے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

فائدہ: اس ممانعت میں بے ضرورت سوالات بھی ہیں کہ فلاں پیغمبر کی والدہ کا کیا نام تھا، یا دادا کا کیا نام تھا، یا فلاں پیغمبر کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی تھی، اس لئے کہ اول تو یہ چیزیں بے ضرورت ہیں، پھر اس طرح کی چیزیں معلوم کرنے سے منشاء یہ ہوتا ہے کہ ان کو معلوم کر کے پھر ان کے بارے میں علماء سے سوالات کرتے ہیں اور جب وہ جواب نہیں دیتے تو اپنی برتری ظاہر کرتے ہیں کہ فلاں سے یہ پوچھا تھا ان سے جواب نہیں دیا گیا۔ فقط

علم میراث کی اہمیت

﴿۲۲۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْآنَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ فَاِنِّیْ مَقْبُوْضٌ۔

(رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۲۹، باب ماجاء فی تعلیم الفرائض، کتاب الفرائض، حدیث نمبر: ۲۰۹۱۔

حل لغات: مقبوض جاں بلب، قُبِضَ فلانٌ روح قبض ہونا، مرنا، یا مرنے کے قریب ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم فرائض اور قرآن سیکھو! اور دوسروں کو بھی سکھاؤ، اس وجہ سے کہ

میں اٹھالیا جاؤں گا۔

تشریح: تعلموا الفرائض: فرائض کا اطلاق مواریث پر ہوتا ہے، یعنی وہ حصص جو کسی کے مرنے کے بعد اس کے ورثا کو ملتے ہیں تو مراد یہ علم فرائض ہوگا۔

اکثر میراث کے مسئلے قرآن شریف سے ثابت ہیں، اور ایک دو مسئلہ مثلاً جدہ وغیرہ کا حصہ تو یہ حدیث سے بھی ثابت ہے، اور قرآن کا ذکر کرنا تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہے۔

اور قرآن سے مراد یا تو خود قرآن پاک ہے یا اس سے احکام مراد ہیں، عبادات اور حلال وحرام وغیرہ احکام جو اکثر قرآن پاک سے ثابت ہیں اور بہت سے احکام احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔

علم عنقریب اٹھالیا جائے گا

﴿۲۲۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَشَخَصَ بِبَصَرِہٖ اِلَی السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ ھٰذَا اَوَانُ یُخْتَلَسُ فِیْہِ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰی لَایَقْدِرُوْا مِنْہُ عَلٰی شَیْءٍ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی: ۲/۹۴، باب ماجاء فی ذھاب العلم، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۵۳۔

حل لغات: شَخَصَ فلان بصرہٗ وببصرہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا، یختلس مجہول، اختلس الشیء دھوکے سے چھین لینا، اچک لینا۔

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف اپنی نگاہ

اٹھائی، اور ارشاد فرمایا: یہ وقت ہے کہ علم لوگوں سے اٹھالیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ علم کے ذریعہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھیں گے۔

تشریح: یُخْتَلَسُ: معروف ومجہول دونوں طرح ہے اگر لازم ہے تو معروف اور متعدی ہے تو مجہول۔ اختلاس کے معنی اچک لینا۔

اس کے دو مطلب ہیں۔

(۱)...... پہلا مطلب یہ ہے کہ عنقریب علم اس دنیا سے اٹھنا شروع ہو جائے گا، اور قیامت کے قریب ہوگا۔

(۲)......علم سے مراد وحی ہے، مطلب یہ ہے کہ اب وحی کا سلسلہ ختم ہونے والا ہے اس لئے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کسی پر وحی نہیں آسکتی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کا زمانہ قریب ہی ہے۔

مدینہ میں سب سے بڑا عالم

﴿۲۲۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ رِوَايَةً يُوْشِكُ اَنْ يَّضْرِبَ النَّاسُ اَكْبَادَ الْاِبِلِ يَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَلَا يَجِدُوْنَ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِيْنَةِ۔ (رواه الترمذی) وَفِیْ جَامِعِهٖ قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ اِنَّهٗ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَمِثْلُهٗ عَنْ عَبْدِالرَّزَّاقِ وَقَالَ اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰى وَسَمِعْتُ ابْنَ عُيَيْنَةَ اَنَّهٗ قَالَ هُوَ الْعُمَرِیُّ الزَّاهِدُ وَاِسْمُهٗ عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۹۷، باب ماجاء فی عالم المدینة، کتاب

العلم، حدیث نمبر:۲۶۸۰۔

حل لغات: یوشک افعال سے،نزدیک ہونا،اکباد واحد کَبِدٌ، جگر،کلیجہ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ زمانہ قریب ہے جب لوگ علم حاصل کرنے کے لئے اونٹوں کے جگر پھاڑ دیں گے،لیکن مدینہ کے عالم سے بڑا عالم نہیں پائیں گے۔(ترمذی)اور جامع ترمذی میں ابن عیینہ سے منقول ہے کہ مدینہ کے وہ عالم مالک بن انس ہیں،اور عبدالرزاق نے بھی یہی لکھا ہے،اور اسحاق بن موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے ابن عیینہ کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ عالم عمری زاہدی ہیں،جن کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ ہے۔

تشریح: روایۃ کے لفظ سے اس حدیث کا مرفوع ہونا معلوم ہو گیا،ورنہ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کا مقولہ ہے،یوشک فعل مضارع ہے، اوشک فعل کو اسم کے قریب کردیتا ہے۔

اَنْ یَّضْرِبَ النَّاسُ اَکْبَادَ الْاِبِلِ: کنایہ ہے سواریوں کو تھکا دینے سے اور چونکہ اس وقت سواری کے لئے اونٹ ہوتے تھے اس لئے ان کا ذکر کیا۔

اکباد: جگر۔مطلب یہ ہے کہ طالب علم کے لئے لوگ دور دراز جگہوں اور ملکوں کے سفر کریں گے،یہاں تک کہ سواریاں اونٹ بھی تھک جائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی فرمائی تھی اور اس کا مصداق زمانہ آچکا ہے۔

عالم مدینہ سے مراد مالک ابن انس ہیں،جن کو امام مالکؒ کہتے ہیں، انہیں بہت مقبولیت حاصل ہوئی، یورپ کے خطہ اندلس وغیرہ سے لوگ آپ کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں،جبکہ یہ بستی کسی کو معلوم ہی نہ تھی،اس زمانہ میں جبکہ نہ ہوائی جہاز تھے اور نہ

موٹر کار تھی، اور نہ کوئی دوسرا سواری کا انتظام تھا، چین تک کے لوگ آپ کے پاس علم دین حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں۔

عمری حضرت عمر کے خاندان سے ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے، ان کا نام عبدالعزیز ابن عبداللہ ہے، یہ بھی مدینہ کے مشہور عالم ہوئے ہیں، مگر ان کی شہرت امام مالکؒ سے کم ہے۔

امت میں مجددین پیدا ہوں گے

﴿۲۳۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ فِيمَا أَعْلَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۲۳۳، باب مایذکر فی قرن المائة، کتاب الملاحم، حدیث نمبر: ۴۲۹۱۔

حل لغات: یبعث، بعث الیه وله بھیجنا، یجدد، جدد الشیء، نیا کرنا، تازہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھ کو جو معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو برس پر ایک شخص کو بھیجتا ہے، جو اس کے دین کو تازہ کرتا ہے۔

تشریح: فیما اعلم: جہاں تک میں جانتا ہوں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نیچے والے اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ ہم اس کے مرفوع ہونے کی تو گارنٹی اور ذمہ داری نہیں لیتے البتہ غالب گمان یہی ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔

اس میں پیشین گوئی ہے، مجدد کی، کہ ہر سو سال کے بعد اس امت میں مجدد آتا ہے، مجدد دین کی تجدید کرتا ہے، پس دین کے اندر لوگوں نے جو دوسری چیزیں شامل کرلی ہیں، ان کو ظاہر کرتا ہے، جس سے دین صاف ستھر انکھر کر لوگوں کے سامنے آجاتا ہے۔

اس کی پہچان یہ ہے کہ علماء کے اکثر طبقے اس کے مجدد ہونے کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس کی دوسری پہچان یہ بھی ہے کہ اس کا کام دین کے ہر شعبہ میں ہوتا ہے۔ مجدد کی تیسری پہچان یہ ہے کہ وہ اوائل صدی میں ہوتا ہے۔ اور یہ مجددیت خود بھی تو مظنون ہی ہوا کرتی ہے، نہ کی متیقن چونکہ جس حدیث سے یہ ثابت ہوتی ہے، وہ بھی متیقن نہیں مظنون ہے۔

قوله من یجدد لها دینها: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ علماء نے اس کی تاویل میں کلام کیا ہے، اور ہر ایک نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، جو اپنے مذہب اور مکتب فکر پر قائم ہو اور علی العموم اس کا حمل کرنا بہتر ہے، چونکہ لفظ من کا وقوع واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے، نیز یہ فقہاء کے ساتھ خاص نہیں ہے، امت کا استفادہ فقہاء کرام سے اگرچہ کثیر ہے، لیکن اسی طرح امت کا نفع اٹھانا سربراہ مملکت وسلطنت اور محدثین عظام اور قراء واعظین اور زہاد کے ذریعہ سے بھی کثیر ہے، اس لئے کہ دین اور قوانین سیاست کی حفاظت اور عدل وانصاف کو پھیلانا یہ سربراہ مملکت اور اہل سلطنت کا پیشہ اور ذمہ داری ہے، اسی طرح قراء اور محدثین عظام قرآن پاک اور وہ احادیث جو شریعت کی اصل اور اس کی دلیل ہیں، ان کو محفوظ اور ضبط کر کے امت کو نفع پہنچاتے ہیں اور زاہدین وعظ ونصیحت اور لزوم تقویٰ پر ابھارنے کے ذریعہ سے نفع پہچاتے ہیں، لیکن مبعوث کا مصداق وہ ہے جو ان فنون میں سے ہر فن میں مشہور ہو، اور مہارت رکھتا ہو، جیسے پہلی صدی میں اہل سلطنت میں سے عمر ابن عبدالعزیز اور فقہاء میں محمد ابن علی الباقر اور قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ...... اور حسن بصری اور محمد بن سیرین وغیرہ اور قراء میں عبداللہ

بن کثیر اور محدثین میں ابن شہاب زہری وغیرہ اور دوسری صدی میں اہل سلطنت میں خلیفہ مامون رشید اور فقہاء میں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور اصحاب ابوحنیفہ میں لؤلؤ اور اصحاب مالکیہ میں اشہب اور قراء میں یعقوب الحضرمی اور محدثین میں یحییٰ بن معین اور زاہدین میں معروف کرخی اور تیسری صدی کے اندر سربراہ مملکت میں مقتدر باللہ اور فقہاء میں ابوالعباس بن شریح شافعی اور ابوجعفر طحاوی حنفی، اور ابن خلال حنبلی اور ابوجعفر رازی امامی اور متکلمین میں ابوالحسن اشعری اور قراء میں ابوبکر احمد بن موسیٰ ابن مجاہد اور محدثین میں ابوعبدالرحمٰن نسائی، چوتھی صدی کے اندر اہل سلطنت میں قادر باللہ اور فقہاء کرام میں ابوحامد اسفرائینی شافعی اور ابوبکر الخوارزمی حنفی اور ابومحمد عبدالوہاب مالکی، ابوعبداللہ الحسن حنبلی، اور متکلمین میں قاضی ابوبکر باقلانی اور ابن فورک اور محدثین میں حاکم ابن البیع اور قراء میں ابوالحسن حمامی اور زاہدین میں ابوبکر دینوری، اور پانچویں صدی کے اندر سربراہ مملکت میں مستظہر باللہ اور فقہاء میں امام ابوحامد غزالی شافعی، اور قاضی محمد بن مروزی حنفی، اور ابوالحسن زاعوی حنبلی اور محدثین میں رزین العبدری اور قراء میں ابوالفراء قلانسی یہ حضرات مذکورہ صدیوں میں زیادہ مشہور تھے۔ (الطیبی: ۴۴۰/۱، ۴۴۱/۱، کتاب العلم)

تحقیق حضرت فقیہ الامتؒ

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔

پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔

دوسری صدی کے مجدد حضرت امام شافعیؒ ہیں۔ ان دونوں کی مجددیت پر اتفاق ہے۔

تیسری صدی کے ابوبکر باقلانیؒ، ابوطیب صعلوکیؒ ہیں۔

پانچویں کے امام غزالیؒ ہیں۔

چھٹی کے امام رازیؒ وغیرہ ہیں۔

ساتویں کے تقی الدین ابن دقیق العید ہیں۔

آٹھویں کے زین الدین عراقی، شمس الدین جزری، تاج الدین بلقینی وغیرہ ہیں۔

نویں کے جلال الدین سیوطی، شمس الدین سخاوی وغیرہ ہیں۔

دسویں کے شہاب الدین رملیؒ، ملا علی قاریؒ ہیں۔

گیارہویں کے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ ہیں۔

بارہویں کے شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہیں۔

تیرہویں کے شاہ اسمٰعیل صاحبؒ ہیں۔

چودھویں کے حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ ہیں۔(فتاویٰ محمودیہ:۶/۲۵۶)

بعض اہل علم حضرات کی رائے ہے کہ علمائے دیوبند کی پوری جماعت چودہویں صدی کی مجدد ہے، ہر دور میں بڑے عالم کسی خاص شعبہ کی تجدیدی خدمت انجام دیتے رہے ہیں، علمائے دیوبند میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تجدیدی خدمات زیادہ نمایاں ہیں، اس لئے اہل علم کے ایک طبقہ نے حضرت تھانوی قدس سرہ کو مجدد تسلیم کیا ہے۔فقط

مجدد ایک ہوتا ہے یا پوری جماعت

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ مجدد کے بارے میں کہ وہ ایک ہوتا ہے یا پوری جماعت تحریر فرماتے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ تمام عالم کیلئے مجدد ایک ہوتا ہے یا مختلف، بعض کہتے ہیں کہ ایک ہوتا ہے، بعض کی رائے ہے کہ ایک جماعت ہوتی ہے، اور اس کا ہر فرد دین کے کسی خاص

شعبہ کی تجدید کرتا ہے۔ (کذا فی بذل المجہود: ۵/۱۰۴، فتاوی محمودیہ: ۶/۲۵۶)

ایضاً

﴿۲۳۱﴾ وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْعُذْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهُ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَأْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِهِ الْمَدْخَلِ مِنْ حَدِيْثِ بَقِيَّةَ بْنِ الْوَلِيْدِ عَنْ مَعَانِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْعُذْرِيِّ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرٍ فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ فِيْ بَابِ التَّيَمُّمِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

حواله: بیهقی سنن کبری: ۱۰/۲۰۹، کتاب الشهادات.

حل لغات: يَحْمِلُ، حَمَلَ العلم (ض) حَمْلاً نقل کرنا، علم پر عمل کرنا، خلف نیک اولاد سچا جانشین، عدول، عادل کی جمع ہے، انصاف پرور، منصف ینفون، جمع مذکر غائب، فعل مضارع، نفی (ض) نفیاً ہٹانا، دور کرنا، تحریف تفعیل کا مصدر ہے، الکلام، مختلف کردینا، بدل دینا، الغالین، اسم فاعل، غلو کرنے والے، غلا (ن) غلوا فی الدین، متشدد ہونا، انتحال، مصدر ہے، باب افتعال کا، غلط انتساب کرنا، علمی سرقہ، تاویل، باب تفعیل سے تشریح کرنا، مطلب بیان کرنا۔

ترجمه: حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن عذری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر بعد میں آنے والی جماعت کے نیک لوگ اس علم کو حاصل کریں گے، جس کے ذریعہ غلو کرنے والوں کی تحریف کو دور کریں گے اور

غلط کاروں کی غلطیوں کو رفع کریں گے اور جاہلوں کی تاویل کا رد کریں گے، اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث "فانما شفاء العی السوال" کو ہم "باب التیمم" میں ذکر کریں گے۔

تشریح: حدیث پاک میں علم سے مراد کتاب وسنت کا علم ہے اور علم فقہ بھی اس میں داخل ہے، اس لئے کہ علم فقہ بھی کتاب وسنت سے ہی ماخوذ ہے۔

خلف: وہ نیک صالح شخص جو کسی کے بعد آئے اور اپنے ماقبل والے کی صحیح قائم مقامی کرے اس میں واحد، تثنیہ، جمع کی قید نہیں۔

عدول: پرہیز گار امانت دار دیانت دار انصاف پسند حضرات مراد ہیں۔

عدول جمع ہے عادل کی اور یہ یحمل کا فاعل ہے۔

خلف جمع ہے خالف کی جیسے خدم جمع ہے خادم کی۔

بعد کے ہر طبقہ میں سے اس کے عادل لوگ اس علم کو طاب کریں گے۔

آگے ان عادلین کا کام یہ بتایا ہے کہ:

يَنْفُونَ[1] عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِيْنَ: ینفون ضرب اور سمع دونوں باب سے آتا ہے اس کے معنی دور کرنا، نفی کرنا۔

یعنی عادلین دور کریں گے اس علم سے تجاوز کرنیوالوں کی تحریف کو۔

غالین غلو کرنے والے حد سے گذرنے والے، دین کے اندر تجاوز کرنے والے۔

عدول امت کا کام یہ ہے کہ وہ دین سے غلط باتوں اور رواجوں کو دور کریں گے۔

وَ انْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ: اور دور کریں گے وہ باطل پرستوں کے غلط انتساب

---

[1] ینفون عنہ تحریف الغالین: یہ جملہ حالیہ ہے، غالین وہ لوگ جو کتاب وسنت کے اندر معنی مرادی سے تجاوز کرنے والے اور ان سے انحراف کرنے والے ہیں جیسے قدریہ اور جبریہ وغیرہ کے قول۔

(مرقاۃ: ۳۰۳/ ۱، کتاب العلم)

کو معطل کہتے ہیں باطل پرست کو۔

انتحال: غلط اسناد کرنا، مقالہ لکھا کسی اور نے اور اسناد کردی اس کی اپنی طرف، مضمون کسی کا اس کی نسبت کردی اپنی طرف، شعر کسی کا اور نسبت کردی اپنی طرف، تو ان کا دوسرا کام غلط اسنادوں کو دور کرنا ہے، معلوم ہوا کہ عدول امت غلط اسناد کو دور کرتے ہیں۔

وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِيْنَ: اور جاہلین کی غلط تاویلات جن کا منشاء صحیح نہیں دور کریں گے، مطلب یہ ہے کہ باطل علم کو ختم کر کے صحیح علم کی اشاعت کریں گے تو عدول امت کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ علم صحیح کے تحقیقی مشاغل میں مصروف رہتے ہوں، چاہے تقریر کے ذریعہ اور چاہے تحریر کے ذریعہ چاہے خلوت میں اور چاہے جلوت میں، اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو وہ عدول کے بجائے ادول ہمزہ کے ساتھ ہوں گے۔

فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ: ناواقفیت کا علاج سوال کرنا ہے، اور جہالت کا علاج معلوم کرنا ہے: "فاسئلو اھل الذکر"

﴿الفصل الثالث﴾

طالب علم کا مقام

﴿۲۳۲﴾ وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ۔ (رواہ الدارمی)

حوالہ: سنن دارمی: ۱/۱۱۲، مقدمہ باب فی فضل العلم والعالم،

حدیث نمبر: ۳۵۴۔

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ سے بطریق ارسال روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کی غرض سے علم حاصل کر رہا ہو، تو جنت میں اسکے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔

تشریح: حسن نامی بہت سے حضرات ہیں مگر جب مطلقاً حسن بولتے ہیں تو مراد حضرت حسن بصریؒ ہوتے ہیں۔

حسن بصریؒ کے تمام مراسیل معتبر ہیں اور امام اعظمؒ بھی ان پر اعتبار کرتے ہیں۔

امام مالکؒ کے یہاں سعید ابن المسیبؒ کے مراسیل مقبول ہیں۔

اور امام شافعیؒ نے بھی حضرت حسن بصریؒ کے مراسیل کو قبول کیا ہے۔

فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ: جو شخص علم حاصل کرتا کرتا مرجائے دراں حالیکہ اس کی نیت علم پر عمل کرنے اور احیاءِ دین کی ہو تو اس کے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق رہے گا، یعنی چونکہ یہ نبی نہیں ہے اس لئے وہ محل تو نہ دیا جائیگا، البتہ اس سے نچلا درجہ اس کو ملے گا۔

اس لئے کہ یہ نبی کا وارث ہے اور جو کام نبی کا ہے دین کی اشاعت اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنا ان کو برائیوں سے روکنا اچھائیوں کی دعوت دینا یہی کام اس کا بھی ہے، اسلئے حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد اس کا درجہ ہوگا اور درمیان میں صرف وحی اور درجہ نبوت کا فرق ہوگا، پس طلباء اور حضرات علماء کے لئے کیا ہی خوشخبری ہے، اور کیا ہی مرمٹنے کی چیز ہے۔ اللھم اجعلنا منھم.

اگر کوئی چاہے تو وہ اپنی پوری زندگی کو طالب علمانہ بنا سکتا ہے، حکیم الامت حضرت

مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے تھے، کہ لوگ نامعلوم مجھے کیا کیا سمجھتے اور کہتے ہیں حالانکہ میں تو صرف ایک طالب علم ہوں۔

دیگر مشائخ اور حضرات محدثین بھی زندگی بھر اپنے آپ کو طالب علم ہی شمار کرتے تھے۔

تو کیوں نہ انسان اسی منصب کو اپنائے رکھے، جس کے پیروں تلے فرشتے اپنے پر بچھائیں رکھیں، اور جس کے ذریعہ انسان نبوت کے درجہ کے قریب پہنچ جائے۔

عالم دین کا مرتبہ

﴿۲۳۳﴾ وَعَنْهُ مُرْسَلاً قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ اَحَدُهُمَا كَانَ عَالِماً يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَالآخَرُ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ اَيُّهُمَا اَفْضَلُ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ هٰذَا الْعَالِمِ الَّذِيْ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِيْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ (رواه الدارمی)

حواله: سنن دارمی: ۱۰۹/۱، مقدمه باب فی فضل العلم و العالم، حدیث نمبر: ۳۴۰۔

حل لغات: المكتوبة، اسم مفعول، كتب (ن) كتابة فرض کے معنی میں ہے۔

ترجمه: حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان میں سے ایک

عالم تھا، جوفرض نماز پڑھتا تھا، پھر بیٹھ کر لوگوں کو علم سکھاتا تھا، اور دوسرا شخص دن میں روزے رکھتا، اور رات کو عبادت کرتا تھا، ان دونوں میں سے بہتر کون ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس عالم کو جوفرض نماز پڑھتا ہے پھر بیٹھ کر علم سکھاتا ہے، اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھتا ہے، اور رات میں عبادت کرتا ہے، ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی مجھے تم میں سے ادنیٰ شخص پر فضیلت حاصل ہے۔

تشــریح: مطلب یہ ہے کہ عالم کو تو عابد پر وہ فضیلت ہے جس کو ناپا نہیں جا سکتا، اور نہ تو لا جا سکتا ہے، بس یوں سمجھو کہ عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسے مجھ کو ادنیٰ مؤمن پر فضیلت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت نہ تخمینہ میں آ سکتی ہے، اور نہ اندازہ سے متصور ہو سکتی ہے، یعنی عالم کو عابد پر ایسی لا متناہی اور غیر معمولی فضیلت ہے، جس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ع

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

عبادت تو پرندے بھی کرتے ہیں، شام کو وہ گھنٹوں تک اجتماعی ذکر جہری کرتے ہیں اور ان کے سر میں درد تک نہیں ہوتا، عبادت تو دوسری تمام مخلوق کرتی ہے، فرشتے بھی عبادت کرتے ہیں کہ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور جس کو جس عبادت میں لگا دیا قیامت تک اسی میں لگے رہیں گے۔

مگر علومِ نبوت کی تدریس و تحصیل انسان کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا، اور انسان بھی صرف وہ جو کامل ہو۔ اس لئے اس کا رتبہ بھی بہت بلند ہے، اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد اس کا مرتبہ ہے، اس لئے کہ عبادت کا نفع لازم ہے، صرف اپنی ذات کے لئے ہے اور علم کا نفع متعدی ہے کہ اس کا نفع دوسروں کو پہونچتا ہے۔

نیز علم یا تو فرض عین ہے، یا فرض کفایہ اور عبادت زائدہ نافلہ ہے اور فرض کا ثواب نفل

سے زیادہ ہوتا ہی ہے۔ (مرقاۃ: ۳۰۴/۱، کتاب العلم)

بہترین فقیہ کی شان

﴿۲۳۴﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِيْهُ فِي الدِّيْنِ إِنِ احْتِيْجَ إِلَيْهِ نَفَعَ وَإِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ أَغْنَى نَفْسَهُ۔ (رواہ رزین)

حوالہ: رزین، اس حدیث کا مکمل حوالہ نہیں مل سکا۔

حل لغات: احتیج، ماضی مجہول، ضرورت، مصدر، احتیاجاً، ضرورت ہونا، استغنی عنہ بے نیاز ہونا، اغنی اللہ فلاناً بے نیاز کرنا، مالدار بنانا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بہتر شخص وہ ہے جو دین کی سمجھ رکھتا ہو اگر اس کے پاس کوئی ضرورت لائی جائے تو اس کو نفع پہنچائے اور اگر اس سے بے پروائی برتی جائے تو اپنے آپ کو بے نیاز کرے۔

تشریح: بہترین فقیہ فی الدین وہ ہوتا ہے کہ اگر لوگوں کو اس کی طرف ضرورت ہو تو نفع دیوے، مسئلہ پوچھیں تو ان کو مسئلہ بتائے، سبق پڑھیں تو سبق پڑھائے، اور اگر لوگ اس سے استغناء ظاہر کریں تو وہ اور مستغنی بن جائے، بے پرواہ بن جائے۔

حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز ایک عالم دین کے شایان شان ہونی چاہئے، وہ یہ ہے کہ وہ اپنے علمی وقار کو محفوظ رکھے، اپنی ضرورتوں کو عوام پر پیش نہ کرے، خود کو ان کا محتاج ظاہر نہ کرے، ان کی مجالست و مصاحبت میں دلچسپی نہ رکھے، اور ان کی دنیوی آسائشوں

اورمنافع میں کسی قسم کا لالچ نہ رکھے، لیکن اس عالم کے لئے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ عوام سے مطلق بے تعلق اور کنارہ کش ہوکر رہ جائے اور ان سے کچھ واسطہ ہی نہ رکھے، بلکہ اس کو چاہئے کہ دینی ضرورتوں اور دینی تقاضوں کی بقدر ان سے میل جول بھی رکھے، اور اپنے علم اور دینی حیثیت سے ان کو فائدہ بھی پہونچاتا رہے، بلکہ لوگ دینی ضروریات میں اگر اس کے محتاج ہوں اور کوئی دوسرا عالم ان کو دینی فائدہ پہچانے والا نہ ہوتو پھر اس کو عوامی میدان میں بھی داخل ہونا چاہئے، ہاں اگر لوگ اس کے محتاج نہ ہوں اور اس سے دین کا فائدہ اٹھانے کی خواہش اور طلب ظاہر نہ کریں تو پھر اس کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو بھی ان سے بے نیاز کرلے، اور اپنے اوقات کو عبادت، دینی کتابوں کے مطالعہ اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ علم دین کی خدمت میں صرف کرے۔ (مرقاۃ: کتاب العلم)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علماء کو نصیحت

﴿۲۳۵﴾ وَعَنْ عِكْرِمَةَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ حَدِّثِ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ اَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ فَإِنْ اَكْثَرْتَ فَثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هٰذَا الْقُرْآنَ وَلَا اُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيْثٍ مِنْ حَدِيْثِهِمْ فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيْثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ وَلٰكِنْ اَنْصِتْ فَإِذَا اَمَرُوْكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَشْتَهُوْنَهُ وَانْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ فَإِنِّي عَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهُ لَا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۹۳۸، باب مایکرہ من السجع فی الدعاء کتاب الدعوات، حدیث نمبر: ۶۳۳۷۔

حـل لغات: اَبَیْـتَ ابیٰ (ف) ابیً انکار کرنا، تُـمِـلَّ اَمَلَّ اَحَدٌ اَحَداً کسی کو پریشان کرنا، اکتا دینا، الـفینـک، الفاہ، الفاءً پانا، اتفاقاً ملنا، تـقـطـعُ قطع (ف) قطعاً کاٹنا، انـصـت، امر باب افعال سے، اَنْـصَـتَ فلاناً خاموش کرنا، یشتھون، جمع مذکر غائب، فعل مضارع، اشتھـیٰ الشـیء (افتعال) زیادہ خواہش رکھنا، دل سے چاہنا، عھدت، واحد متکلم، ماضی، (س) الشیء واقف ہونا۔

ترجمہ: حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جمعہ کو لوگوں کے سامنے حدیث بیان کیا کرو، اگر یہ قبول نہیں تو دو بار اور اگر اور زیادہ کرو تو تین بار، اور تم لوگوں کو اس قرآن سے اکتاہٹ میں نہ ڈالو، اور میں تمہیں اس حالت میں نہ پاؤں کہ تم لوگوں کے پاس آؤ اور وہ اپنی باتوں میں مشغول ہوں اور تم ان کی باتوں کو کاٹ کر ان کے سامنے وعظ ونصیحت شروع کردو اور تم ان کو اکتا دو، تمہیں خاموش رہنا چاہئے اور جب وہ تم سے کہیں اور خواہش مند ہوں تو تم ان کے سامنے بیان کردو اور تم دعا، میں مقفی عبارت سے بچو اور اس سے صرف نظر کرو، چنانچہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے۔

تشـریح: حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ شاگرد ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے شاگردوں کو نصیحت فرماتے ہیں کہ ہفتہ بھر میں صرف ایک بار جمعہ کے دن عام وعظ وخطاب کیا کرو، اور اگر تم ایک بار سے انکار کرو کہ ایک بار سے کیا ہوتا ہے تو دو مرتبہ کرلیا کرو، اور اگر زیادہ چاہو تو صرف تین مرتبہ، اور لوگوں پر اس قرآن کو بوجھ نہ بناؤ، اور ایسا نہ ہو کہ تم لوگوں کے پاس جاکر ایسے وقت وعظ شروع کرو جب کہ وہ اپنے کام میں مشغول ہوں، بلکہ پہلے فضا ہموار اور ماحول تیار کرلو، اور جب لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوں اور وعظ کی درخواست کریں تو پھر تقریر کرو، اور قافیہ بندی سے بچو کیونکہ اس

سے تصنع پیدا ہو جاتا ہے، میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پایا ہے وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔

اشکال مع جواب

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حدیث پاک میں دعا میں مقفّٰی عبارت سے منع کیا گیا ہے، حالانکہ ادعیۂ ماثورہ میں عام طور پر مقفّٰی مسجع عبارت پائی جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تکلف سے منع کیا گیا ہے کہ آدمی بہ تکلف مقفّٰی مسجع عبارت لائے کہ اس سے خشوع وخضوع ختم ہو جاتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعاؤں میں بلا تکلف مقفّٰی مسجع عبارت نکلتی تھی اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فصاحت وبلاغت کے اس اعلیٰ معیار پر تھے، کہ بلا ادنیٰ قسم کے تکلف کے ایسی مقفّٰی مسجع عبارتیں از خود نکلتی تھیں کہ دوسرے ہزار تکلف کر کے بھی ایسی عبارت نہیں لا سکتے۔ فقط

فائدہ

حدیث پاک سے حضرات علمائے کرام کی ذمہ داری معلوم ہوئی کہ وعظ ونصیحت میں عوام کا خیال رکھیں، ایسا طریقہ اختیار نہ کریں جس سے وہ اکتاہٹ میں مبتلا ہو جائیں۔

طالب علم پر اجر وثواب

﴿۲۳۶﴾ وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَاَدْرَكَهٗ كَانَ لَهٗ كِفْلَانِ مِنَ الْاَجْرِ فَاِنْ

لَمْ يُدْرِكْهُ كَانَ لَهُ كِفْلٌ مِنَ الْاَجْرِ۔ رواه الدارمی

حوالہ: سنن دارمی :۱۰۸/۱ ، مقدمہ باب فی فضل العالم والعلم، حدیث نمبر:۳۴۰۔

حل لغات: ادرکہ پانا، حاصل کرنا، کفلان تثنیہ ہے،واحد کفل ، جمع اکفال حصہ۔

ترجمہ: حضرت واثلہ ابن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جوشخص علم کا طالب ہوا اور اسے علم حاصل بھی ہو گیا تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا، اور اگر اس کو علم حاصل نہیں ہوا تو اس کو ایک ثواب ملے گا۔

تشریح: ادراک کہتے ہیں کسی کی انتہائی کو پہونچنا، مطلب یہ ہے کہ علم حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر درس وتدریس اور اس کی نشر واشاعت میں مشغول ہو گیا تو اس صورت میں مشقت زیادہ ہے، اس لئے اجر بھی دوگنا ہے، اور اگر علم کے کمال کو نہیں پہونچ سکا تو پھر بھی چونکہ اس نے محنت کی کوشش کی اس لئے ایک اجر اس کو تب بھی ملے گا، یعنی ع

اس میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

وہ اعمال جن کا ثواب جاری رہتا ہے

﴿۲۳۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْماً عَلِمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَداً صَالِحاً تَرَكَهٗ اَوْ مُصْحَفاً وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِداً بَنَاهُ اَوْ بَيْتاً لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهَراً اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِیْ صِحَّتِهٖ وَحَيَاتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ

مَوْتِہٖ۔ (رواه ابن ماجة والبيهقى فى شعب الايمان)

حواله: ابن ماجه: ۲/۲۲، باب ثواب معلم الناس الخير، حدیث نمبر: ۲۴۲، بيهقى فى شعب الايمان: ۷/۲۴۷-۲۴۸، باب فى الزكوة، حدیث نمبر: ۳۴۴۸۔

حل لغات: يلحق لحق (س) لَحُقاً بشيءٍ ملنا، مصحفاً المصحف، لکھے ہوئے اوراق کا مجموعہ، قرآن کریم، (ج) مصاحف، ورثه (ض) ورثاً وارث ہونا، بناه (ض) بناء تعمیر کرنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن کو اس کے عمل اور جن نیکیوں کا ثواب اس کے مرنے کے بعد بھی ملتا ہے اس میں ایک تو علم ہے، جس کو اس نے سیکھا اور اس کو پھیلایا، دوسرے نیک اولاد ہے، جسے اپنے بعد چھوڑا، تیسرے قرآن ہے جو وارثوں کے لئے چھوڑا ہو، چوتھے مسجد ہے جس کو اپنی زندگی میں بنایا ہو، پانچویں مسافرخانہ ہے جس کو اس نے تعمیر کیا ہو، چھٹے نہر ہے جس کو اس نے جاری کیا ہو، اور ساتویں وہ صدقہ ہے جس کو اس نے اپنی تندرستی اور اپنی زندگی میں اپنے مال سے نکالا ہو، ان تمام چیزوں کا ثواب اس کے مرنے کے بعد بھی اس کو ملتا ہے۔

تشریح: حدیث پاک میں ان اعمال کو بیان کیا گیا ہے جن کا اجر موت پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

(۱)......علم کہ مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب برابر ملتا رہتا ہے، جتنے بلاواسطہ شاگرد ہیں اور ان شاگردوں کے شاگرد بالواسطہ آپ کے شاگرد ہیں ان تمام کے برابر ثواب تنہا آپ کو ملتا رہتا ہے۔ جب تک وہ نیک اعمال کرتے رہیں گے اور پڑھنے پڑھانے وعظ ونصیحت میں لگے رہیں گے ان سب کے برابر آپ کو بھی اجر ملتا رہے گا۔

(۲)......ولد صالح یعنی والدین مر گئے، مگر ان کی نیک اولاد رہ گئی اس لئے ان کے اعمال کا

ثواب والدین کو بھی ملے گا، کیونکہ ان کی نیکی اور صلاح میں والدین کی تربیت کا خاص دخل ہے۔

(۳)......کوئی قرآن پاک وراثت میں چھوڑا کہ جب تک اس کو پڑھتے رہیں گے اس کو ثواب ملتا رہیگا یہی حکم اس وقت ہے جب کہ قرآن پاک کسی مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کردیا ہو یہی حکم تمام دینی کتابوں کا بھی ہے۔

(۴)......کوئی مسجد بنادی جب تک اس مسجد میں لوگ نماز پڑھتے رہیں گے ان سب کے ثواب کے برابر اس کو بھی ثواب ملتا رہے گا۔

(۵)......کوئی مسافرخانہ بنادیا جب تک لوگ اس میں آرام کریں گے اور ٹھہریں گے اس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا۔ کوئی درسگاہ یا مدرسہ میں کوئی طلباء کی رہائش کے لئے کوئی کمرہ بنادیا وہ بھی اسی حکم میں ہے۔

(۶)......کوئی نہر جاری کردی جب تک مخلوق خدا اس سے فائدہ اٹھاتی اور سیراب ہوتی رہے گی ان سب کا ثواب اس کو ملتا رہے گا۔ کوئی کنواں کھودوادیا یا نل اور بورنگ کروادیا وہ بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

(۷) کوئی صدقہ جو اپنے مال سے دیا ہو، یہ سب ایسے اعمال ہیں جن کا اجر وثواب مرنے کے بعد بھی انسان کو ملتا رہتا ہے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ ان اعمال کی کوشش کرتے رہنا کہ مرنے کے بعد بھی اس کو اجر وثواب ملتا رہے۔

طالب علم اور بینائی جانے کی فضیلت

﴿۲۳۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنَّهٗ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكاً فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهٗ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ وَمَنْ سَلَبْتُ كَرِيْمَتَيْهِ اَثَبْتُهٗ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ وَفَضْلٌ فِيْ عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ فَضْلٍ فِيْ عِبَادَةٍ وَمِلَاكُ الدِّيْنِ الْوَرَعُ۔ رواه البيهقي في شعب الايمان۔

حواله: بیهقی فی شعب الایمان: ۵۳-۵۴/ ۵، باب فی المطاعم والمشارب، حدیث نمبر: ۵۷۵۱۔

حل لغات: سلبتُ (ن) الشیء چھین لینا، کریمتیه تثنیہ ہے، بیش قیمت چیز، مراد آنکھیں ہیں، مـــــلاک، کسی معاملہ کی اصل، روح، جوہر، خلاصہ، الـــــورع پرہیز گاری، تقویٰ، ج اوراع.

تــرجــمــه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ جو شخص طالب علم کے لئے کوئی راستہ اختیار کرے تو میں اس پر جنت کے راستے کو آسان کر دوں گا، اور جس شخص کی دونوں آنکھیں میں نے چھین لی ہیں تو میں اس کا بدلہ اسے جنت دوں گا، اور علم کے اندر زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے اور دین کی جڑ پرہیز گاری ہے۔

تشریح: قوله ان الله عز وجل اوحى الى الخ: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی اس سے معلوم ہوا کہ وحی خفی اور غیر متلو مراد ہے، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ حدیث حدیث قدسی ہے۔

قوله من سلک سلکا فی طلب العلم سهلت له طريق الجنة الخ: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم کا ہر راستہ جنت کا ایک

راستہ ہے، اور جنت کا راستہ ابواب علم کے بغیر نہیں کھل سکتا، بشرطیکہ اخلاص ہو، جس کے طفیل عمل کی توفیق ہو جانے۔ (مرقاۃ: ٣٠٦/١، کتاب العلم)

کریمتین سے آنکھیں مراد ہیں، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان کا اکرام کرو جو چیز کریم ہو اس کا اکرام کرنا چاہئے، تو ان کا اکرام کرو اور ان کا اکرام یہ ہے کہ انہیں سرمہ لگاؤ، بدنظری سے آنکھوں کی حفاظت کرو۔ ان سے قرآن پاک کی تلاوت کرو اور دینی کتابوں کا مطالعہ کرو، اور اگر کسی مصلحت کی بنا پر کسی کی آنکھ لے لیتا ہوں تو اس کے بدلہ میں جنت دوں گا، یعنی آنکھ لینے پر جو شخص صبر کرتا ہے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

وَفَضْلٌ فِیْ عِلْمٍ خَیْرٌ مِنْ فَضْلٍ فِیْ عِبَادَۃٍ: اور علم کی زیادتی عبادت کی زیادتی سے بہتر ہے۔

اول فَضْلٌ میں تنوین تقلیل کے لئے اور دوسرے فضل میں تنوین تکثیر کے لئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ علم کے اندر تھوڑی سی زیادتی عبادت کے اندر بہت زیادتی سے بہتر ہے۔ فقط

وَمِلَاکُ الدِّیْنِ الْوَرَعُ: اور دین کی اصل بنیاد پرہیزگاری ہے، اس لئے اس پرہیزگاری کو اختیار کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔

اور پرہیزگاری سے مراد یہ ہے کہ ان تمام محرمات اور مشتبہات اور ہر قسم کے طمع اور ریا وشہرت پسندی وغیرہ سے بچے۔ یہی دین کی اصل بنیاد ہے، کہ پھر تھوڑا عمل بھی بہت ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں خاص درجہ رکھتا ہے۔

رات میں پڑھنے پڑھانے کی فضیلت

﴿٢٣٩﴾ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَۃً

مِنَ اللَّیْلِ خَیْرٌ مِنْ إِحْیَائِهَا۔ رواه الدارمی۔

حوالہ: دارمی: ۱/۱۵۷، مقدمہ باب مذاکرۃ العلم، حدیث نمبر: ۶۱۴ر

حل لغات: تدارس تفاعل سے پڑھنا مذاکرہ کرنا، تکرار کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رات میں تھوڑی دیر کا پڑھنا تمام رات عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

تشریح: قولہ تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ إِحْيَائِهَا: لیل کو میت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، جس میں کوئی نفع اور فائدہ نہیں ہے اور استعارہ تخیلیہ کے طور پر لیل کے لئے احیاء کو ثابت کیا گیا ہے، پھر اس سے تہجد کی نماز کی طرف اشارہ کیا ہے، اس لئے کہ قیام لیل کے تمام فائدے قائم کے لئے ہیں اور جو اس کو چھوڑ کر سو گیا وہ اس عظیم نفع سے محروم ہو گیا، ''تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا ومما رزقنٰھم ینفقون فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون'' [ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے رہتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے، یہ ان کو انکے اعمال کا صلہ ملا ہے] نفس کو نکرہ لائے ہیں، اور اس کو سیاق نفی میں رکھا اور لوگوں کی نظروں اور ذہنوں سے اس سامان عیش وخوشی کو پوشیدہ کر دیا۔ جو تہجد والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمع کر کے ذخیرہ کے طور پر رکھا ہے، یعنی ایک عظیم نوع کا ثواب ان کے لئے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات سے خفیہ وپوشیدہ رکھا ہے، کسی

نفس کو اس کی خبر بھی نہیں اور نہ کوئی مقرب سے مقرب فرشتہ اس سے باخبر ہے، اور نہ کسی نبی مرسل کو اس کی خبر ہے، پس جب تہجد کا یہ اجر وثواب ہے، تو اس علم کے ثواب کا کیا کہنا کہ جس کا ایک ساعت کا پڑھنا پڑھانا پوری رات کی عبادت یعنی قیام لیل سے افضل ہے، اور وجہ اس کی یہی ہے کہ عبادت کا فائدہ صرف اپنی ذات کے لئے ہے، اور علم سیکھنے سکھانے کا فائدہ متعدی ہے۔ فقط (الطیبی: ۴۴۷/۱، کتاب العلم)

تعلیمی مجلس عبادت کی مجلس سے بہتر ہے

﴿۲۴۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِ الْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ۔ رواه الدارمی۔

حوالہ: دارمی: ۱/۱۱۱، ۱/۱۱۲، باب فضل العلم والعالم، حدیث نمبر: ۳۴۹۔

حل لغات: یرغبون جمع مذکر غائب، فعل مضارع (س) الی شیء مائل ہونا، مشتاق ہونا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گذر ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں بھلائی کی راہ پر ہیں؛ لیکن ان میں سے ایک دوسرے سے بہتر ہے، ایک

جماعت خدا سے دعا کر رہی ہے، اور اس سے اپنی رغبت کا اظہار کر رہی ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے انہیں دے اور اگر چاہے نہ دے اور دوسری جماعت فقہ اور علم حاصل کر رہی ہے، اور جاہلوں کو سکھا رہی ہے، تو یہ لوگ افضل ہیں اور میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی مجلس میں بیٹھ گئے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے اندر دو جماعتیں تھیں، ایک طرف صوفیاء کرام بیٹھے ہوئے تھے، اور دوسری طرف علماء، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کی تحسین فرمائی، اور فرمایا کہ یہ دونوں ہی جماعتیں خیر پر ہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرق مراتب بیان فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صوفیاء کے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہے ہیں اور اس کی طرف رغبت ظاہر کر رہے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز ان کو دیوے یا نہ دیوے۔

پھر علماء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ علماء فقہ اور علم سکھا رہے ہیں، جاہلوں کو عالم بنا رہے ہیں، پس یہ صوفیاء سے افضل ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہے، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کے درمیان بیٹھ گئے۔

قولہ فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ الخ: پہلی جماعت صوفیاء کو اپنی مشیت کے ساتھ مقید کیا چاہے دے چاہے نہ دے اور دوسری جماعت کو مطلق رکھا اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ دونوں جماعتوں میں بہت فرق ہے۔

قولہ وَأَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ أَوِ الْعِلْمَ: یہ راوی کو شک ہوا کہ فقہ کا لفظ فرمایا یا علم کا۔

وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ أَفْضَلُ الخ: ان کو افضل فرمایا اس لئے کہ

اس میں دو عبادتیں جمع ہیں، اولاً سیکھنا، ثانیاً جاہلوں کو سکھانا اولاً کمال حاصل کرنا، پھر دوسروں کو کمال سکھانا، اس لئے یہ افضل ہوئے۔

قولہ ثم جلس فیھم الخ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس جماعت میں تشریف فرما ہوئے یہ ظاہر فرمانے کے لئے کہ میں اس جماعت میں سے ہوں اور یہ میری جماعت ہے، اور "انما بعثت معلما" سے اس کی طرف اشارہ بھی فرمادیا اس لئے اس جماعت میں تشریف فرما ہوئے کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم کی ضرورت تھی۔ فقط

چالیس حدیث محفوظ کرنے کی فضیلت

﴿۲۴۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَدُّ الْعِلْمِ الَّذِیْ اِذَا بَلَغَهُ الرَّجُلُ كَانَ فَقِيْهاً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثاً فِیْ اَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِيْهاً وَكُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعاً وَشَهِيْداً۔

حوالہ: بیھقی فی شعب الایمان: ۲/۲۷۰، باب فی طلب العلم، حدیث نمبر: ۱۷۲۶۔

حل لغات: حَدٌّ ج حدود، آخری حصہ، کنارہ، شافعاً۔ سفارش کرنے والا، شفع (ف) شفعاً لِفلانٍ الیٰ فلانٍ کسی سے کسی کی سفارش کرنا۔ شھیداً ج شھداء، گواہ، حاضر وباخبر۔

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ علم کی مقدار کیا ہے؟ کہ جب انسان کو اتنا علم حاصل ہو جائے تو آدمی فقیہ ہو جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص دین کے متعلق چالیس احادیث میری امت کے لئے محفوظ کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو فقیہ بنا کر اٹھائے گا، اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے والا اور گواہی دینے والا ہوں گا۔

تشریح: مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ: یہ علیٰ متعلق ہے اس کو جس کو یہ متضمن ہے: "مَنْ حَفِظَ مبلغا عَلٰی اُمَّتِیْ" کہ جس نے چالیس احادیث یاد کر کے میری امت کو پہنچادی، یا کم از کم تین فرد کو پہنچادی تو وہ بس فقیہ ہے۔

قوله في امر دينها الخ: اس سے معلوم ہوا کہ وہ چالیس احادیث ایسی ہوں جن کا دین سے تعلق ہو خواہ اعتقاداً خواہ علماً خواہ عملاً۔ (مرقاۃ: ۱/۳۰۸، کتاب العلم)

علمائے ناشرین کی فضیلت

﴿۲۴۲﴾ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا؟ قَالُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ: اللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِيْ آدَمَ وَاَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهٗ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَمِيْرًا وَحْدَهٗ اَوْ قَالَ اُمَّةً وَاحِدَةً۔

حواله: بيهقى فى شعب الايمان: ۲/۲۸۱، باب نشر العلم، حدیث نمبر: ۱۷۶۷۔

حل لغات: اجود اسم تفضیل، سب سے بڑا سخی جودا سخی ہونا، سخاوت کرنا، نَشَرَ (ن) مصدر نشورا پھیلانا۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو سب سے بڑا سخی کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سب سے بڑے سخی ہیں، اور انسانوں میں سب سے بڑا سخی میں ہوں، اور پھر میرے بعد لوگوں میں سب سے بڑا سخی وہ شخص ہوگا جس نے علم سیکھا اور اس کو پھیلایا، وہ قیامت کے دن ایک امیر یا ایک جماعت کی شکل میں آئیگا۔

تشریح: قولہ اللّٰہُ اَجوَدُ جُوَداً الخ: اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ سخی ہونا تو ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ سخی حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں کیونکہ کوئی کمال کسی آدمی میں ان کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا، جو کچھ کسی کو ملتا ہے انہیں کے دربار سے ملتا ہے۔

اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات اور مخلوق کو وجود بخشا، حدیث قدسی میں ہے: "**لولاک لما خلقت الافلاک والارضین**" اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا نہ کرتا، یہ حدیث الفاظ کے اعتبار سے محدثین نے اس پر کلام کیا ہے، مگر معنیً ثابت ہے، اور متعدد روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اور ظاہر ہے سخاوت بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسی تھی کہ پوری کائنات میں آپ کی سخاوت سب سے زیادہ تھی۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ سخی علماء ناشرین ہی ہیں۔ جنہوں نے اولاً علم سیکھا پھر دوسروں کو سکھایا اور اس کو دنیا میں نشر کیا، اس کو پھیلایا، خواہ

وعظ وتذکیر کے ذریعہ خواہ درس وتدریس کے ذریعہ خواہ تصنیف وتالیف کے ذریعہ سب اس میں داخل ہیں۔

اور یہ علماء قیامت میں ایک حاکم کی طرح شان وشوکت کے ساتھ آئیں گے، یا امت واحدہ کی طرح یا تنہا ایک عالم ایک جماعت بن کر آئیگا، اس لئے کہ اس کے ساتھ اس کے شاگردوں کی جماعت ہوگی کہ اس کے ذریعہ جتنے لوگوں کو ہدایت ہوئی وہ سب اس کے ساتھ ہوں گے۔ اس طرح تنہا ایک عالم پوری جماعت اور پوری امت کی طرح قیامت میں آئیگا۔

فضیلت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے: "کان امة قانتا لله" کہ معاذ رضی اللہ عنہ ایک مطیع وفرمانبردار جماعت ہیں ان سے کہا گیا کہ امت تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا گیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: امت وہ ہے جو خیر کو سکھلائے، جس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔

"معاذ امة قانت لله لیس بینه وبین الله یوم القیامة الا المرسلون" جس کی وجہ وہ ہے جو دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ امت میں حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ (مرقاۃ: ۳۰۹/۱، کتاب العلم)

دو حریص کبھی آسودہ نہیں ہوتے

﴿۲۴۳﴾ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْهُوْمَانِ لَایَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِی الْعِلْمِ لَایَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِی الدُّنْیَا لَایَشْبَعُ مِنْهَا رَوَی الْبَیْهَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الثَّلَاثَةَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَقَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ فِیْ حَدِیْثِ اَبِی الدَّرْدَاءِ هٰذَا مَتْنٌ مَشْهُوْرٌ فِیْمَا بَیْنَ النَّاسِ وَلَیْسَ لَهٗ اِسْنَادٌ صَحِیْحٌ۔

حواله: بیهقی فی شعب الایمان: ۲/۲۷۱، باب فی الزهد وقصر الامل، حدیث نمبر: ۱۰۲۷۹۔

حل لغات: منهومان، تثنیہ ہے، منہوم کا، حریص، شوقین، نَھِمَ (س) نَھْماً فی الشیء کسی چیز کی حد سے زیادہ خواہش کرنا۔

ترجمه: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو حریص آسودہ نہیں ہوتے ہیں، ایک علم کا حریص وہ علم سے آسودہ نہیں ہوتا، اور دوسرے دنیا کا حریص وہ دنیا سے آسودہ نہیں ہوتا، تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں، امام احمدؒ نے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں فرمایا ہے اس کا متن مشہور ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

تشریح: قوله منهومان الخ: دو ایسے حریص ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے، ایک علم کا حریص، دوسرے دنیا کا حریص۔ علم کا حریص خواہ کتنا ہی علم حاصل کر لے مگر مزید علم کے لئے برابر اس کی حرص باقی رہتی ہے، بلکہ اس کی حرص بڑھتی رہتی ہے، چونکہ ارشاد ربانی ہے، "وقل رب زدنی علما" اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باجودیکہ آپ کو اولین وآخرین کے علوم دیے گئے، مگر پھر بھی ارشاد فرمایا: کہ آپ علم کی زیادتی کی دعا فرمایا کیجئے، معلوم ہوا کہ علم کی کوئی انتہاء نہیں اور علم کی زیادتی کی حرص مطلوب وپسندیدہ ہے، اس لئے علم کا طالب کبھی سیر نہیں ہوتا، خواہ اس کو کتنے ہی علوم حاصل ہو جائیں۔ ایسے ہی دنیا کا حریص خواہ دنیا بھر کا مالک ہو جائے، مگر پھر بھی حرص باقی رہتی ہے، بقول شیخ سعدیؒ: ؎

ہفت اقلیم گر بگیرد بادشاہ
ہم چناں در بند اقلیم دگر

حدیث شریف میں دو قسم کی حرص کا ذکر کیا گیا ہے، ایک محمود ہے، ایک مذموم، حرص فی العلم محمود ہے، حرص فی الدنیا مذموم فقط۔

منهوم: حریص، لالچی۔

اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ طالب علم وہ ہوتا ہے جو کبھی سیر نہ ہو، زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی حرص وطمع ہو، اور اس کی نشر واشاعت کی بھی خواہش ہو۔ استاذ کو بھی چاہئے کہ طلباء میں علم کی حرص اور ذوق وشوق پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں حفاظ حدیث کا متفق علیہ فیصلہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اگرچہ کثیر طرق سے ثابت ہے، اور حفاظ حدیث کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل جائز ہے۔ فقط (مرقاۃ: ۱/۳۰۹، کتاب العلم)

صاحب علم اور طالب دنیا

﴿۲۴۴﴾ **وَعَنْ عَوْنٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْيَا وَلَا يَسْتَوِيَانِ أَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزْدَادُ رِضًى لِلرَّحْمٰنِ وَأَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَتَمَادٰى فِي الطُّغْيَانِ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ "كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغٰى أَنْ رَاٰهُ اسْتَغْنٰى" قَالَ وَقَالَ الْآخَرُ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔ رواه الدارمي۔**

حواله: سنن دارمی: ۱/۱۰۸، مقدمه باب فی فضل العلم و العالم، حدیث نمبر: ۳۲۲۔

حــل لـغـات: يَشْبَعَانِ، تثنیہ مذکر غائب، فعل مضارع (س) آسودہ ہونا،

یَسْتَوِیَانِ مصدر استواء برابر ہونا، **یتمادیٰ تمادی فی الامر** کسی کام میں انتہاء کو پہنچنا، **فی غیہٖ** گمراہی میں مبتلا رہنا، **الطغیان** حد سے بڑھی ہوئی سرکشی و نافرمانی، ظلم و استبداد، **یخشی خَشِیَ** (س) **خشیۃً** ڈرتے رہنا۔

ترجمہ: حضرت عون رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دو حریص کبھی آسودہ نہیں ہوتے ہیں۔ (۱) عالم، (۲) دنیادار؛ لیکن یہ دونوں برابر نہیں ہیں، کیوں کہ عالم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی زیادہ کرتا ہے، اور دنیا دار سرکشی میں اضافہ کرتا ہے، پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی، ترجمہ یہ ہے: ہرگز نہیں حقیقت یہ ہے کہ آدمی جب اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے تو سرکشی کرتا ہے، اور دوسرے شخص کے بارے میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ترجمہ یہ ہے: خدا کے بندوں میں سے عالم ہی خدا سے ڈرتے ہیں۔

تشریح: قولہ صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْیَا وَلَایَسْتَوِیَانِ: یعنی علم دین حاصل کرنے والا شخص اور ایک دنیا دار آدمی نتیجہ وانجام کے اعتبار سے برابر نہیں ہوسکتے، اس لئے کہ صاحب علم کا مقصود ومطلوب رحمٰن کی خوشنودی اور اس کی رضامندی کے حصول میں زیادتی ہوتا ہے، جبکہ ایک دنیا دار آدمی کثرت مال ودولت اور منصب وجاہ کے سبب اپنے کو لوگوں سے مستغنی اور بے نیاز سمجھ لیتا ہے، تو سرکشی میں بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عون سے فرمایا، اس سے پہلی حدیث مرفوع تھی، یہ حدیث موقوف ہے۔

فیتمادیٰ: زیادتی کرنا۔

کَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی: یہ دلیل ہے ثانی یعنی صاحب الدنیا کی، اور **اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ** دلیل ہے،

صاحب علم کی، یہ لف ونشر غیر مرتب ہے، جو ایک اسلوب بدیع ہے۔ اور کلام کی صفت ہے۔

علماء کا امراء سے اجتناب

﴿۲۴۵﴾ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُنَاساً مِنْ أُمَّتِيْ سَيَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ وَيَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ يَقُوْلُوْنَ نَأْتِي الْأُمَرَاءَ فَنُصِيْبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِيْنِنَا وَلَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنٰى مِنَ الْقَتَادِ إِلَّا الشَّوْكُ كَذٰلِكَ لَا يُجْتَنٰى مِنْ قُرْبِهِمْ إِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ كَأَنَّهُ يَعْنِي الْخَطَايَا۔ (رواه ابن ماجة)

حواله: ابن ماجه: ۲۳، مقدمه، باب الانتزاع بالعلم والعمل به، حدیث نمبر: ۲۵۵۔

حل لغات: نعتزل افتعال سے، مصدر اعتزال الشیء وعنه کنارہ کش ہونا، الگ ہونا یُجْتَنٰی الجتنیٰ الثمرة پھل وغیرہ توڑنا، حاصل کرنا، قتاد ایک سخت درخت کے کانٹے سوئی کی طرح ہوتے ہیں، الشوک کانٹا اشواک۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں بہت سے لوگ دین میں سمجھ حاصل کریں گے، اور وہ قرآن پڑھیں گے، وہ کہیں گے کہ ہم امراء کے پاس آتے ہیں اور ان کی دنیا میں سے حاصل کرتے ہیں، اور اپنے دین کو ان سے الگ رکھتے ہیں، لیکن ایسا ہوگا نہیں، جس طرح خار دار درخت سے صرف کانٹا ہی حاصل ہوتا ہے، اسی طرح امراء کی صحبت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا مگر حضرت محمد ابن صباح کہتے ہیں کہ گویا آنحضرت نے فرمایا: گناہ حاصل ہوتے ہیں۔

تشریح: اناسا بھی ہے، اورناسا بھی جب ہمزہ کاناس ماردیتے ہیں تو یہ ناس رہ جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک نقل فرماتے ہیں، کہ میری امت کے کچھ عالم وقاری ہوں گے جو امیروں کے یہاں جائیں گے، اورکہیں گے کہ ہم ان کی دنیا سے حصہ حاصل کرلیتے ہیں، اور اپنے دین کو بچالیتے ہیں، آنحضرت نے ارشادفرمایا: کہ ایسا ہرگزنہیں ہوسکتا کہ امیروں کے پاس جائیں اوردین بچ جائے، جس طرح خاردار درخت سے کانٹوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ایسے ہی ایک عالم امیروں کے پاس جائے اور غلطی کاشکار نہ ہو، بہت دشوار ہے، کم ازکم اتنا تو خیال وہاں جاکر آہی جائیگا کہ اللہ تعالیٰ سے ہم اتنی محبت کرتے ہیں اورپھر بھی تنگی ترشی سے گذر ہوتا ہے۔اور ان کو ایسی ایسی نعمتیں اوراسباب حاصل ہیں، تو صرف یہی خیال ایک عالم کی بربادی کے واسطے کافی ہے اورساتھ ہی خیال کرتا ہے کہ میں بھی کسی طرح ایسے ہی اسباب حاصل کروں جس سے میں بھی ایسے ہی ٹھاٹ دکھلاؤں۔

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ كَأَنَّهُ يَعْنِيْ الْخَطَايَا الخ: محمد بن صباح فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشادکے آخر میں لفظ الا کے بعد کوئی لفظ ارشادنہیں فرمایا اور جملہ کو نامکمل چھوڑ دیا تو گمان یہ ہے کہ یہاں الا کے بعد خطایالفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرمانا چاہتے تھے مگرآنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زبان سے ادانہیں فرمایا حذف کردیا اس صورت میں مطلب ہوگا کہ حکمرانوں کی قربت ونزدیکی سے سوائے گناہ کے کوئی اورچیز حاصل نہیں ہوتی اوراس لفظ کوحذف فرماکراس طرف اشارہ فرمایا کہ حکمرانوں کی قربت ونزدیکی کا نقصان اتنا شدید ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔(مرقاۃ:۱/۳۱۰)

فائدہ: معلوم ہوا کہ اہل علم کو دنیا دار امراء کی صحبت سے اجتناب ضروری ہے، مگر یہ کہ کوئی دینی تقاضہ ہو تو بمجبوری بضرورت بقدر ضرورت ملاقات کر سکتے ہیں، جیسے بضرورت تو بیت الخلاء اور ہسپتال وغیرہ میں بھی جانا ہوتا ہے، مگر وہاں بھی بقدر ضرورت ہی جاتے ہیں۔ فقط

دنیا طلبی علماء کو ذلیل کرتی ہے

﴿۲۴۶﴾ **وَعَنْ** عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوْا الْعِلْمَ وَوَضَعُوْهُ عِنْدَ اَهْلِهٖ لَسَادُوْا بِهٖ اَهْلَ زَمَانِهِمْ وَلٰكِنَّهُمْ بَذَلُوْهُ لِاَهْلِ الدُّنْيَا لِيَنَالُوْا بِهٖ مِنْ دُنْيَاهُمْ فَهَانُوْا عَلَيْهِمْ سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ اٰخِرَتِهٖ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُوْمُ اَحْوَالَ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِيْ اَيِّ اَوْدِيَتِهَا هَلَكَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مِنْ قَوْلِهٖ مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

حوالہ: ابن ماجہ: ۲۳، مقدمہ، باب الانتفاع بالعلم والعمل به، حدیث نمبر: ۲۵۷، بیهقی فی شعب الایمان: ۲/۳۰۷ ،۳۰۶، حدیث نمبر: ۱۸۸۸۔

حل لغات: لسادوا ساد (ن) سیادۃ، حکمراں ہونا، بلند رتبہ ہونا، بذلوا (ن) بذلاً خرچ کرنا، لینالوا، نال (س) نیلاً، پانا، حاصل کرنا، هانوا، هان (ن) هوناً، حقیر وذلیل ہونا، هموم، واحدهم، رنج، غم، فکر، تشعبت، تشعب، تفعل سے، بکھرنا، پھیلنا، اودية وادی کی جمع ہے، ٹیلہ، جنگل وغیرہ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اہل علم علم کی حفاظت کریں اور علم کو اس کے اہل ہی کو سکھائیں تو بلاشبہ وہ اپنے علم کے ذریعہ سے دنیا والوں کے سردار بن جائیں، لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیا داروں پر خرچ کیا، تاکہ اس کے ذریعہ وہ دنیا کو حاصل کریں تو دنیا والوں کی نگاہ میں ذلیل ہو گئے، میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنے مقاصد میں سے صرف ایک مقصد یعنی آخرت کے مقصد کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیوی مقصد کو پورا کر دیتا ہے، اور جس شخص پر دنیا کے حالات چھا جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی فکر نہیں رہتی خواہ وہ کسی بھی جنگل میں ہلاک ہو۔ (ابن ماجہ) بیہقی نے اس حدیث کو شعب الایمان میں ابن عمر سے آپ کے قول "**من جعل الهموم**" سے آخر تک روایت کیا ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرنے میں بہت ہی زیادہ محتاط تھے، اگر ان کو ذرا بھی شک ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہ کرتے، جب حدیث بیان کرتے تو پہلے وضو پھر غسل کرتے پھر مسند پر بیٹھ کر لرزتے کانپتے ایک دو حدیث بیان فرماتے۔

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اہل علم اس کی حفاظت کرتے یعنی اس کو حاصل کر کے اہل کو پڑھاتے اور علم کا اہل وہ ہوتا ہے جو استاذ و ذرائع علم کا ادب کرے اور اس پر عمل کرے کیونکہ اگر بے ادبوں اور نا اہلوں کو علم پڑھایا جائے تو وہ متکبر و مغرور ہو جاتے ہیں اور جو با ادب ہوتا ہے وہ تواضع اور چشم پوشی کرتا ہے، تو اگر اہل علم حضرات ان دو باتوں پر عمل کرتے تو "**لسادوا به اهل زمانهم**" کا مصداق ہوتے اور معاصرین کے سردار بن جاتے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**يرفع الله الذين امنو منكم والذين اوتو العلم درجات**" [اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے درجے

بلند کردیگا۔](بیان القرآن)

علامہ طیبی فرماتے ہیں علم رفع درجات کا سبب اس لئے ہے کہ علم بلند رتبہ ومرتبہ والا ہے، اور جو چیز رفیع القدر ہوتی ہے وہ اپنے طالب اور حفاظت کرنے والے کو بھی بلند رتبہ اور مرتبہ والا بنادیتی ہے۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں علم مذکر ہے اس کو خود دار اور غیرت مند حضرات ہی پسند کرتے ہیں، گویا امام زہری کے کلام میں بطریق مفہوم دنیا سے مقابلہ کا اشارہ ہے۔

الدین ذکر و الدنیا انثیٰ کہ دین مذکر ہے اور دنیا مونث ہے، لہذا ناقص العقل اور ناقص الدین لوگ ہی دنیا کو پسند کرتے ہیں کامل العقل اور کامل الدین حضرات دنیا کو پسند نہیں کرے۔(مرقاة: ١/٣١٠)

اس سے معلوم ہوا کہ آج جو اہل علم پریشان وخوار پھر رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ان دو باتوں پر عمل نہیں کیا ورنہ علم ان کو اپنے زمانہ کا امام وسردار بنادیتا، اور آج بھی ان باتوں پر عمل کرنے والے علماء جہاں جاتے ہیں لوگ ان کو سروں پر اٹھاتے ہیں، مگر انہوں نے علم دین کو اہل دنیا پر خرچ کیا تا کہ اس کے ذریعہ دنیا کا کچھ حصہ حاصل کرلیں، اس علم فروشی سے اہل دنیا کی نظروں میں وہ ذلیل ورسوا ہوگئے۔

یہ حدیث بیان کرکے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے نبی کی اضافت ان کی طرف کی ہے تا کہ وہ اچھی طرح متوجہ ہوکر غور سے بات سنیں، یہ بھی مخاطب کو تشویق وتوجیہ کا ایک طریقہ ہے، اپنی نسبت سے انسان جلدی تیار ہوجاتا ہے۔ کہ جو تمام غموں پر غم آخرت کو غالب کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کی کفایت فرماتے ہیں، اور جس پر طرح طرح کے دنیاوی افکار سوار رہیں تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پروہ نہیں رہتی چاہے وہ کسی بھی وادی میں پڑا پڑا ہلاک ہوجائے۔

تشعبت: شاخ در شاخ ہونا، پراگندہ ہونا علیحدہ علیحدہ غم ہو جائیں، افکار پریشانی کا ہجوم ہو جائے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اہل علم حضرات کو چاہئے کہ علم کی حفاظت کریں، اپنے مقام کو پہچانیں، دنیا سے بے رغبتی اختیار کریں اور صرف اپنی آخرت کی فکر کریں، جب عالم اس پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو وہ عظمت عطا کرتا ہے کہ بڑے بڑے دنیا دار اس کے آگے پیچھے پھرتے ہیں۔

بھولنا علم کی آفت ہے

﴿۲۴۷﴾ وَعَنْ الْاَعْمَشِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آفَۃُ الْعِلْمِ النِّسْیَانُ وَاِضَاعَتُہٗ اَنْ تُحَدِّثَ بِہٖ غَیْرَ اَھْلِہٖ۔ رواہ الدارمی مرسلاً۔

حوالہ: دارمی: ۱/۱۵۸، مقدمہ باب مذاکرۃ العلم، حدیث نمبر: ۶۲۴۔

حل لغات: آفۃ، ج آفات، مصیبت، اضاعۃ، افعال سے، ضائع کرنا۔

ترجمہ: حضرت اعمش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم کی آفت بھولنا ہے اور اس کا ضائع کرنا یہ ہے کہ اس کو نا اہل کے سامنے بیان کیا جائے۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کی آفت نسیان ہے۔

نسیان کی دو قسمیں ہیں: (۱) اختیاری (۲) غیر اختیاری

غیر اختیاری نسیان کے زوال کی کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اختیاری کے اسباب کو زائل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مثلاً دروغ گوئی اور معصیت سے نسیان پیدا ہوتا ہے، شرمگاہ کو بار بار دیکھنے زیادہ پانی پینے اور مرطب غذائیں کھانا بھی نسیان کو پیدا کرتا ہے اس لئے ان سب چیزوں سے بچنا چاہئے۔

اور علم کی اضاعت نا اہل کو پڑھانا ہے، نا اہل و نا کارہ آدمی کو پڑھانا یہ علم کو ضائع کرنا ہے، وہ تجھ کو اور تیرے علم کو بدنام کریں گے۔

قولہ آفَةُ الْعِلْمِ النِّسْيَانُ: حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اسباب نسیان سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے جیسا کہ اس کی تلاش اور طلب سے اعراض کرنا یا ایسی چیزوں کے اندر مشغول ہو جانا جو دل پر غفلت کا پردہ ڈال دیتی ہیں جیسے دنیوی آسائش اور زیبائش یا جو چیزیں عقل کو مغلوب یا اس کو ختم کر دیتی ہیں، جیسا کہ شہوت پرستی کی صورتیں اختیار کرنا اور اپنے کو معصیت کے اندر ملوث رکھنا، امام شافعیؒ کا شعر ہے۔

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ

فَاَوْصَانِيْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِيْ

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنْ اِلٰهِ

وَنُوْرُ اللهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِيْ

[میں نے اپنے استاذ حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے ترک معصیت کی نصیحت فرمائی، اس لئے کہ علم درحقیقت اللہ تعالیٰ کا نور ہے، اور اللہ تعالیٰ کا نور نا فرمان کو نہیں ملتا۔]

قولہ وَ اِضَاعَتُهٗ اَنْ تُحَدِّثَ بِهٖ غَيْرَ اَهْلِهٖ: نا اہل سے مراد یا تو وہ شخص ہے جو علم حاصل کرنے اور علمی باتیں سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا یا پھر وہ شخص مراد

ہے جو علم پر عمل نہ کرے، اور علم کو دنیا طلبی کا ذریعہ بنائے۔ (مرقاۃ: ۱/۳۱۱)

علماء کے قلوب سے علم کے نکل جانے کا سبب

﴿۲۴۸﴾ وَعَنْ سُفْيَانَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لِكَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ اَرْبَابُ الْعِلْمِ قَالَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ بِمَا يَعْلَمُوْنَ قَالَ فَمَا اَخْرَجَ الْعِلْمَ مِنْ قُلُوْبِ الْعُلَمَاءِ قَالَ الطَّمَعُ۔ رواه الدارمی۔

حوالہ: سنن دارمی: ۱۵۱/۱۵۲/۲، مقدمہ باب صيانة العلم، حدیث نمبر: ۵۸۴۔

حل لغات: ارباب، ربّ کی جمع ہے، مالک، آقا، ارباب العلم، علم والے، الطمع (ف) طمعاً لالچی ہونا۔

ترجمہ: حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال فرمایا صاحب علم کون ہیں؟ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا وہ لوگ جو اپنے علم کے مطابق عمل کریں، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: علماء کے دل سے علم کو کیا چیز نکالدیتی ہے؟ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ''لالچ''

تشریح: احبار: حبر کی جمع ہے، یہ ان کا لقب تھا، گویا تنہا کئی علماء کے برابر تھے، طمع سے علم کا اثر جاتا رہتا ہے، اور لالچ میں آ کر آدمی ناکردنی حرکت کر بیٹھتا ہے، جو اس کو ہرگز زیب نہیں دیتی۔

اور اس سے علم کا نور علم کی برکت علم کی تاثیر جاتی رہتی ہے، علم کی روح نکل جاتی ہے،

اور ان چیزوں کی وجہ سے انسان کے اندر ریا کاری شہرت پسندی جیسی مذموم چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا علم کی اصل برکت اور تاثیر کیلئے عمل، اخلاص، تقوی و پرہیز گاری ضروری ہے۔ اور یہ چیزیں عامۃً صحبت مشائخ کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں، اس لئے تحصیل علم کے ساتھ ساتھ صحبت مشائخ کی بھی ضرورت ہے، جس کی طرف عامۃً توجہ نہیں ہوتی۔

مخلوق میں سب سے بدترین برے علماء ہیں

﴿۲۴۹﴾ وَعَنِ الْاَحْوَصِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ لَاتَسْئَلُوْنِيْ عَنِ الشَّرِّ وَاسْئَلُوْنِيْ عَنِ الْخَيْرِ يَقُوْلُهَا ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ۔

(رواہ الدارمی)

حوالہ: سنن دارقطنی: ۱۱٦/۱، مقدمہ باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ، حدیث نمبر: ۳۷۰۔

حل لغات: شرار، شر (ن) شراً شری اور فسادی ہونا، شرار شر کی جمع ہے، بدکار، بدطینت۔

ترجمہ: حضرت احوص ابن حکیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برائی کے بارے میں دریافت کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مجھ سے برائی کے بارے میں مت پوچھو؛ بلکہ بھلائی کے

بارے میں سوال کرو اور یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمائی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: برے لوگوں میں سب سے برے علماء ہیں اور بھلے لوگوں میں سب سے بھلے علماء ہیں۔

تشریح: لاتَسْئَلُوْنِیْ عَنِ الشَّرِّ: یعنی مجھ سے محض شر کے بارے میں نہ پوچھا کرو کیونکہ میں نبی رحمت ہوں نیکی و بھلائی کو پھیلانا اور لوگوں کو اچھے راستہ پر لگانا میرا مشن ہے، **وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین** یعنی برائی اور بروں کے متعلق دریافت کرنا پسندیدہ چیز نہیں ہے۔

اَلاَ اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَیْرَ الْخَیْرِ خِیَارُ الْعُلَمَاءِ: کہ بروں میں سب سے بدتر برے علماء ہیں اور اچھوں اور بھلوں میں سب سے بہتر اور بھلے علماء ہیں اس لئے کہ علماء کی نیکی اور برائی صرف ان کی ذات تک محدود نہیں، بلکہ وہ پورے عالم و کائنات کی صلاح و فلاح اور فساد و بگاڑ کا سبب بنتے ہیں، تمام دینی اور دنیوی معاملات کا مدار انہیں پر ہوتا ہے، اور تمام مسائل انہیں کے ذریعہ سے الجھتے اور سلجھتے ہیں، یا اس لئے فرمایا کہ آخرت کے اندر سب سے زیادہ سخت عذاب علماء سوء کو ہوگا، اور جنت کے اندر اعلیٰ مقامات اور مراتب علمائے حق کو حاصل ہونگے۔

شرار العلماء: بدترین علماء جو علم پر عمل نہ کریں۔ ایسے لوگ دوسروں کی ہدایت کے بجائے دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بنتے ہیں، اسلئے بدترین خلق ہوتے ہیں۔

خیار العلماء: بہترین علماء جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں۔ دوسروں کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں اور کتنے لوگ ان کے ذریعہ توبہ کرتے ہیں، ہدایت پاتے اور فلاح یاب ہو جاتے ہیں۔ یقیناً ایسے حضرات بہترین خلائق ہیں۔

سب سے بدترین بے عمل عالم

﴿۲۵۰﴾ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَالِمٌ لَایَنْتَفِعُ بِعِلْمِہٖ۔ (رواہ الدارمی)

حوالہ: دارمی: ۹۳/۹۴/۱، مقدمہ باب العمل بالعلم، حدیث نمبر: ۲۶۲۔

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ قیامت کے دن اللہ تعالی کے نزدیک مرتبے کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے بدتر ایسا عالم ہوگا جس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا ہوگا۔

تشریح: لا ینتفع: معروف ومجہول دونوں طرح ہے یہ خود ان کا قول ہے، علم کا پھل اور اس کا نفع اس کا عمل ہوتا ہے، سب سے بدترین وہ عالم ہے جس نے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا یعنی اس پر عمل نہیں کیا۔ یا اس سے لوگوں کو فائدہ نہیں ہوا، یعنی اس نے ایسا طریق کار اختیار کیا جس کی وجہ سے لوگ علم حاصل کرنے سے رک گئے، عالم کو چاہئے کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کرے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ علم سیکھنے اور مسائل پوچھنے اس کے پاس آئیں۔

یعنی علم جیسی دولت ہوتے ہوئے انسان بھٹکتا پھرتا ہے، نہ خود فائدہ اٹھاتا ہے، نہ دوسروں کو فائدہ پہونچاتا ہے، ایسا ہی ہے جیسے آنکھیں ہوتے ہوئے اندھوں کو کنویں میں گرانے سے بچانے کے بجائے خود ہی کنویں میں جا کر گر جاتا ہے، اسی لئے ان کو بدترین درجہ والا کہا گیا ہے۔

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ "ویل للجاهل مرة وويل للعالم سبع مرات" کہ [جاہل کے لئے ایک مرتبہ ہلاکت ہے، اور عالم کے لئے سات مرتبہ ہلاکت ہے] جیسا کہ وارد ہے: "اشد الناس عذابا يوم القيامة عالم لم ينفعه الله بعلمه" [قیامت کے دن سب سے سخت عذاب میں گرفتار وہ عالم ہوگا جس کے علم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نفع نہیں پہنچایا] (مرقاۃ: ۱/۳۱۲)

اسلام ڈھانے کے اسباب

﴿۲۵۱﴾ وَعَنْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ قَالَ: قَالَ لِيْ عُمَرُ هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الْإِسْلَامَ قُلْتُ لَا قَالَ يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْاَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ۔ (رواه الدارمی)

حوالہ: دارمی: ۱/۸۲، مقدمه باب فی کراهية اخذ الرائی، حدیث نمبر: ۲۱۴۔

حل لغات: زلة، لغزش ٹھوکر، جدال، جادله، مجادلةً وجدالاً جھگڑا کرنا، بحث کرنا، المضلین، مضل کی جمع ہے، گمراہ، یهدم (ض) مصدر ھدماً ڈھا دینا۔

ترجمہ: حضرت زیاد بن حدیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اسلام کو ڈھا دینے والی چیز کیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عالم کا پھسلنا، منافق کا کتاب اللہ میں جھگڑنا اور گمراہ سرداروں کا فیصلہ اسلام کو ڈھا دیتا ہے۔

تشریح: ہر چیز کے گرانے کے آلات ہوتے ہیں اسلام بھی ایک قلعہ ہے اور اس کو گرانے والا ہتھیار عالم کی غلطیاں اور لغزشیں ہیں۔

يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اسلام کو منہدم کردینے سے مراد اسلام کے ارکان خمسہ کا بیکار کردینا ہے، عالم کا پھسلنا یعنی دینی مسئلہ میں غلطی کرنا اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کو ترک کر کے خواہشات کی پیروی کرنا اسلام کے ارکان کو بیکار کردینا ہے۔ اور یہاں زلۃ عالم کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ زلۃ عالم بعد والی دونوں خصلتوں کے لئے سبب ہے۔

غلطی ایک عالم سے ہوتی ہے مگر عوام میں بدگمانی اور بدظنی تمام علماء کے متعلق پیدا ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے نشر اسلام وعلوم نبوت کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، اور منافقین کے کتاب کے اندر لڑائی جھگڑے بھی اسلام کو ڈھادیتے ہیں، اور گمراہ حاکموں کے فیصلے بھی اسلام کو ڈھادیتے ہیں اس لئے گمراہ لوگوں کو ہرگز لیڈر وامیر نہ بناؤ، اور عالم زلت یعنی لغزش سے بچے اور اسی طرح منافقین کو موقع نہ دے کہ وہ جدل وجدال پر آجائیں۔

علم کی دو قسمیں

﴿۲۵۲﴾ وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ الْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَاكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَاكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَى ابْنِ آدَمَ۔ (رواه الدارمی)

حواله: دارمی: ۱/۱۱۴، مقدمه باب التوبيخ لمن يطلب العلم لغير الله، حدیث نمبر: ۳۶۴۔

حل لغات: النافع نفع بخش، سودمند، نفع (ف) نفعاً فائدہ دینا، حجة دلیل، برہان، ج حججٌ.

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں علم کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ علم جو دل میں ہے، یہ نفع دیتا ہے، اور دوسرا وہ علم جو زبان پر ہے، یہ علم اللہ تعالیٰ کی آدمی پر حجت ہے۔

تشریح: علم کی بہت سی قسمیں اور شاخیں ہیں، یہاں علم کا محل بتانا مقصود ہے، کہ علم کی دو جگہ ہیں: ایک علم دل میں ہوتا ہے، یہی علم نافع ہے اور ایک علم صرف زبان پر ہوتا ہے یہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِیْ الْقَلْبِ فَذَاکَ الْعِلْمُ النَّافِعُ:
یعنی علم معرفت یا علم شرعی کی دو قسمیں ہیں، فعلم میں فاء تفصیلیہ ہے، یعنی علم کی ایک قسم تو دل میں حاصل ہوتی ہے۔ فذالک العلم النافع میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ یہ علم ایسی کمال رفعت و بلندی میں ہے جو ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا اور فذالک میں فاء سببیہ ہے یعنی یہ علم دل میں حاصل ہوتا ہے اور دل چونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا محل اور مقام ہے اس لئے یہ علم دارین میں نفع پہنچانے والا ہے، علم کی دوسری قسم وہ ہے جو زبان پر جاری ہے اور چونکہ یہ علم مخلوق سے متعلق ہے اس لئے اس میں ریاء و شہرت اور امراء کی مداہنت کے خطرات موجود ہیں اس لئے یہ علم اللہ تعالیٰ کی جانب سے اولادِ آدم پر حجت ہے۔ ان میں اول قسم کو علم باطن اور دوم کو علم ظاہر سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یہ دونوں قسمیں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں، یعنی علم باطن اس وقت تک کارآمد نہیں ہوگا جب تک ظاہر کی اصلاح نہ کی جائے اسی طرح علم ظاہر اس وقت تک مکمل اور پورا نہیں ہوتا، جب تک باطن کی اصلاح نہ کی جائے۔

امام مالکؒ کا ارشاد

اسی کو امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے، "**من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق ومن جمع بينهما فقد تحقق**" [کہ جس نے

علم دین کے اندر سمجھ بوجھ حاصل کی اور تصوف کو اختیار نہیں کیا تو وہ راہِ حق سے ہٹ گیا اور جس نے تصوف تو اختیار کیا لیکن دینی سمجھ بوجھ حاصل نہیں کی تو اس نے زندیقیت اختیار کی اور جس نے تفقہ فی الدین اور تصوف دونوں کو حاصل کیا تو یہ حقیقت شناس اور محقق بن گیا]

(مرقاۃ: ۳۱۳/ ۱، کتاب العلم)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا ارشاد

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ایک دوسرے معنی بیان کئے ہیں کہ علم نافع وہ علم ہے جس کا نور دل ودماغ اور ذہن وفکر کو روشنی عطا کرتا ہے اور جب یہ روشنی پوری طرح پھیل جاتی ہے تو پھر دل ودماغ کے اوپر سے وہ پردے چاک ہو جاتے ہیں جو دین وشریعت کی صحیح فہم اور حقائق اشیاء کی دریافت تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔

ایضاً

﴿۲۵۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ فِیْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ یَعْنِیْ مَجْرَی الطَّعَامِ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۳/ ۱، باب حفظ العلم، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۱۲۰۔

حل لغات: وعائین تثنیہ ہے، واحد وعاءٌ، ج اوعیۃ، بثثتہ (ن) بثاً الشیء پھیلانا، البلعوم، نرخرا، حلق، جمع بلاعم، بلاعیم۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دوطرح کے علم یاد کئے ہیں، ان میں سے ایک کوتو میں نے تمہارے درمیان پھیلادیا ہے، اور دوسرا وہ علم ہے کہ اگر میں اس کو بیان کروں تو میرا یہ گلا کاٹ ڈالا جائے۔

تشریح: حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَيْنِ: میں نے علم کے دو برتن بھرے ہیں یعنی میں نے دوقسم کا علم حاصل کیا ہے، ایک کو میں بتا چکا ہوں وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اور دوسرے کو اگر میں بتلا دوں تو میری گردن اڑادی جائے یہ سب اسرار خداوندی ہیں دنیا میں جس نے بھی اسرار خداوندی کو ظاہر کیا ہے اسی کو قتل کر دیا گیا، منصور نے ذرا سا ظاہر کیا تھا تو اس کا سر اڑادیا گیا، اور اسی طرح سرمد کو قتل کر دیا گیا۔

جب ایک عورت تک اپنے اسرار وخفیہ گوشے زندگی کے ظاہر کرنے سے ناراض ہو جاتی ہے تو اللہ اپنے اسرار کے اظہار پر کیوں ناراض نہ ہوں گے، حدیث شریف سے معلوم ہو گیا کہ علومِ شریعت کو بیان کرنا ضروری ہے، علوم اسرار کا بیان کرنا ضروری نہیں بلکہ ہر کسی کے سامنے مناسب بھی نہیں۔

اس لئے کہ حقیقت توحید کے اسرار کا علی وجہ المراد بیان کرنا دشوار کام ہے، جس کو الفاظ سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

صوفیا کا کلام ہے: "**صدور الاحرار قبور الاسرار**" [کہ شریف اور نیک طبیعت انسانوں کے سینے بھیدوں اور رازوں کے لئے قبر ہیں] یعنی جو راز ان کے سینے میں چلا جاتا ہے وہ اس کو افشاء نہیں کرتے ایک قول کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ علم سرداران منافقین یا بنوامیہ کے ظالم وجابر حکمرانوں سے متعلق تھا، یا دوسرے فتنوں کے ظہور

سے متعلق تھا، شیخ ابہریؒ فرماتے ہیں کہ علماء نے اس دوسرے والے علم کو ان احادیث پر محمول کیا ہے جن کے اندر ظالم امراء وسلاطین کے ناموں اور ان کے احوال کو بیان کیا گیا ہے، اور خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں لیکن اپنی جان کا خوف کرتے ہوئے اس کی تصریح نہیں فرماتے تھے، جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''اعوذ باللہ من راس الستین و امارۃ الصبیان'' اور اشارہ فرماتے یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کی جانب اس لئے کہ وہ ۶۰ھ میں قائم ہوئی، چنانچہ اللہ تعالی نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور خلافت یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک سال پہلے ہی آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی۔ (مرقاۃ: ۱/۳۱۳)

''اللہ اعلم'' کہنا علم کی ایک قسم ہے

﴿۲۵۴﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ بِهٖ وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ فَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ اَنْ تَقُوْلَ لِمَا لَا تَعْلَمُ اللّٰهُ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔

(متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۱۰، باب وما انا من المتکلفین، سورۃ ص، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۸۰۹، مسلم شریف: ۲/۳۷۲، کتاب صفۃ المنافقین واحکامھم، باب الدخان، حدیث نمبر: ۲۷۹۸.

حل لغات: المتکلفین، اسم فاعل، جمع ہے، واحد متکلف، تکلف برتنے والا، دل کی بات کے خلاف ظاہر کرنے والا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! جو شخص کسی بات کو جانتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اسے بیان کردے، اور جو نہ جانتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ کہے کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے، اس لئے کہ جس چیز کا اسے علم نہیں ہے اس کے بارے میں "اللہ زیادہ جانتا ہے" کہنا بھی علم کی ایک قسم ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: "**قل ما الخ**" یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میں اس قرآن پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا، اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں۔

تشریح: عبداللہ جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مراد ہوتے ہیں، چونکہ قاعدہ ہے کہ "**المطلق اذا یطلق یراد به الفرد الکامل**" اور یہ کامل تھے، اگرچہ کامل تو اور بھی تھے مگر یہ اکمل تھے، اور انکی اکملیت سب کے نزدیک مسلم ہے۔

قوله یَا اَیُّهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَیْئًا فَلْیَقُلْ بِهٖ وَمَنْ لَمْ یَعْلَمْ فَلْیَقُلْ اَللّٰهُ اَعْلَمُ: **الناس** علماء اور غیر علماء سب کو شامل ہے، یعنی جس شخص کے پاس علوم دینیہ کا کچھ حصہ ہو اور اس سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اب اگر یہ مسئول بہ جواب دینے اور سمجھنے کا اہل ہے تو اس کو جواب دیدینا چاہئے تاکہ **کتمان علم** کا وبال اس پر نہ پڑے اور علم کی نشر و اشاعت کے عظیم ثواب سے بھی محرومی نہ رہے اور جو اتنی لیاقت نہیں رکھتا کہ جواب دے سکے تو اس کو صاف طور پر "**اللہ اعلم**" کہدینا چاہئے اس لئے کہ نامعلوم شئی کے متعلق "**اللہ اعلم**" سے جواب دینا یہ بھی علم کا ایک حصہ ہے جیسا کہ فرشتوں نے کہا تھا "**لاعلم لنا الا ما علمتنا**" اور اپنی جانب سے علم کی نفی کرنے میں حیاء نہ کرے اس لئے کہ انسان کی جہالت اس کے علم سے بہت بڑھی ہوئی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، "**وما اوتیتم من العلم الا قلیلا**" پس اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم بہت وسیع ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ''لا ادری'' فرمانا

علامہ زمخشریؒ نے ربیع الابرار میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی چیز کے متعلق پوچھا گیا جب کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر تھے تو آپ نے فرمایا: "لا ادری" [میں نہیں جانتا] پھر ان سے کہا گیا آپ نے کیسے کہدیا کہ "لا ادری" حالانکہ آپ تو منبر پر چڑھے ہوئے ہیں، اور یہ تو "لا ادری" کہنے کا مقام نہیں ہے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اپنے علم کی بقدر اوپر چڑھا ہوا ہوں اگر میں اپنے جہل کی بقدر اوپر چڑھتا تو یقیناً آسمان پر پہنچ جاتا۔

حضرت امام مالکؒ کا "لا ادری" فرمانا

اسی وجہ سے حضرات سلف فتویٰ دینے سے بہت ڈرتے تھے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتے تھے، یہاں تک کہ امام مالک علیہ الرحمہ سے چالیس مسئلے دریافت کئے گئے تو آپؒ نے صرف چار (۴) مسئلوں کا جواب عنایت فرمایا اور چھتیس مسئلوں کے متعلق "لا ادری" فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا: "قل ما اسئلکم علیه من اجر و ما انا من المتکلفین" [آپ فرمادیجئے کہ تبلیغ دین پر میں تم سے کوئی بدلہ نہیں لوں گا اور نہ ہی میں متکلفین میں سے ہوں''یعنی یہ کہ بطور تصنع اور تکلف کے اپنی جانب سے ایسی باتیں پیش کرنے لگوں جن کا میں اہل نہیں ہوں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لاعلمی کا اظہار

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے "وفاكهةً وابّاً" میں اب سے متعلق پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کونسا آسمان مجھے سایہ دیگا اور کونسی زمین مجھے اٹھائے گی

جب کتاب اللہ میں میں ایسی باتیں کہوں گا جن کا مجھے علم نہیں ۔(مرقاۃ:۱/۳۱۴)

استاذ کے انتخاب میں احتیاط

﴿۲۵۵﴾ وَعَنْ ابْنِ سِيْرِيْنَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ قَالَ إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۱، مقدمہ باب فی بیان الاسناد من الدین، حدیث نمبر: ۷۔

حل لغات: تاخذون جمع مذکر حاضر، فعل مضارع، اخذ (ن) اخذا لینا۔

ترجمہ: حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ یہ علم دین ہے لہذا دیکھ لو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

تشریح: ابن سیرین کا نام محمد ہے، سیرین ان کی والدہ کا نام ہے، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جاریہ تھیں انہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، یہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، ان کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ یہ محمد ابن سیرینؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر ہی میں پیدا ہوئے تھے، یہ فرماتے ہیں کہ استاذ کا انتخاب اچھا کرو جس سے تم علم حاصل کرو پہلے اس کو اچھی طرح دیکھ لو۔

کبھی کبھی ظرف کے بدلنے سے علم بدل جاتا ہے، اگر پاخانہ کے برتن میں دودھ ڈال دیا جائے تو برتن کی وجہ سے دودھ خراب ہو جائے گا، اسی طرح اگر استاذ متقی نہ ہو تو تقویٰ کہاں سے آئیگا۔

مطلب یہ ہے کہ دین کا علم حاصل کرنے کا ارادہ کرو تو خوب جانچ پرکھ کر ایسے اساتذہ اور ایسی درسگاہوں کا انتخاب کرو جو علمی رسوخ تدریسی قابلیت عملی پختگی اور پاکیزہ ماحول کے اعتبار سے قابل اعتماد ہوں اور اگر یہ کہا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا کہ حضرت ابن سیرین علیہ الرحمہ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ دراصل حدیث اور علم حدیث کی خدمت حاصل کرنے والوں کو متنبہ کیا کہ جب بھی کوئی حدیث حاصل کرو اور کسی سے سنو تو اس کو قبول کرنے میں احتیاط سے کام لو، پہلے راوئ حدیث کے حالات اچھی طرح معلوم کرلو کہ وہ دیندار پرہیز گار اور قوی الحافظہ ہے، یہ نہیں کہ ہر کس و ناکس سے خصوصاً اہل بدعت سے جو دیندار نہ ہوں حدیث سن کر روایت کرنے لگو۔ (مرقاۃ: ۳۱۴/۱، کتاب العلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصیحت

﴿۲۵۶﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ اِسْتَقِيْمُوْا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبَقاً بَعِيْداً وَاِنْ اَخَذْتُمْ يَمِيْناً وَشِمَالاً لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالاً بَعِيْداً۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۸۱/۲، باب الاقتداء، بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الاعتصام، حدیث نمبر: ۷۲۸۲۔

حل لغات: معشر ج معاشر ایک طرز کے لوگ، وہ جماعت جس کے مشاغل ایک جیسے ہوں، سبقتم، سبق (ض) سبقاً آگے بڑھنا، ضللتم، ضل (ض) ضلالاً گمراہ ہونا۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے قاریوں کی جماعت! سیدھے

رہو؛اس لئے کہ تم نے بہت دور کی سبقت حاصل کرلی ہے، اگر تم دائیں بائیں مڑ گئے،تو تم بڑی گمراہی میں جاپڑو گے۔

تشریح: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب سر ورازداں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو راز کی باتیں بتلادیا کرتے تھے۔

یا معشر القراء: اے طالب علموں کی جماعت **استقیموا:** سیدھے راستے پر رہو، **فقد سبقتم سبقا بعیدا:** بے شک تم بہت آگے بڑھ گئے ہو،تم نے طالب علموں کے دستور کو چھوڑ دیا ہے، اور اگر اس کو مجہول پڑھا جائے تو معنی ہوں گے کہ تم پر سبقت کی گئی ہے کہ لوگ آگے نکل گئے، اور تم پیچھے چھوڑ دیئے گئے، اور اگر تم سیدھا راستہ چھوڑ کر دائیں بائیں پھر گئے تو بہت دور کی گمراہی میں گر پڑو گے۔

قولہ اِسْتَقِیْمُوْا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبَقاً بَعِیْداً: یعنی راہ شریعت وطریقت اور جادۂ حقیقت پر مضبوطی سے قائم رہو اس لئے کہ راہ راست پر مضبوطی سے قائم رہنا ہزار کرامتوں سے بہتر ہے اور استقامت کے معنی ہیں اچھے اور صحیح عقیدے پر جمے رہنا علم نافع اور عمل صالح پر مداومت اختیار کرنا اخلاص خالص رکھنا اللہ تعالیٰ سے تعلق وحضوری رکھنا اور ماسوی اللہ سے دوری اختیار کرنا ہے، "سبقتم" صحیح روایت کے مطابق معروف ہے لیکن اس کا مجہول پڑھا جانا مشہور ہے، معروف پڑھنے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ راہ استقامت پر چلو اس لئے کہ تم نے اسلام کا اول اور شروع پایا ہے گویا کہ تم اسلام کے اندر پہلے نمبر پر ہو، اگر تم کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑے رہے تو خیر کے اندر سبقت کرنے والے ہوگے، اس لئے کہ جو لوگ تمہارے بعد آنے والے ہیں اگر چہ وہ تم جیسا عمل کریں لیکن وہ تمہارے مقام ومرتبہ کو نہیں پہنچ سکیں گے، اور متبوع کا مرتبہ تابع سے اوپر ہوتا ہے، اور اگر اس کو مجہول پڑھیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ اس استقامت کے ساتھ متصف تھے وہ تم سے

سبقت کر گئے، پس تم لوگ استقامت میں پیچھے کیسے رہ گئے؟ اور یہ تمہارا پیچھے رہ جانا استقامت کے راستوں سے انحراف تک پہنچا دے گا جو ابدی ہلاکت کا موجب ہوگا۔ (مرقاۃ: ۱/۳۱۵)

وَاِنْ اَخَذْتُمْ یَمِیْناً وَشِمَالاً لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلاَلاً بَعِیْداً: اور اگر تم نے راہ راست سے اعراض کر کے دائیں بائیں مڑ کر گمراہی کے راستوں میں گھسنے کی کوشش کی تو یاد رکھو گمراہی میں بہت دور جا پڑو گے، جہاں سے تمہارا لوٹنا بھی بعید ہوگا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''و ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ و لا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ'' [اور یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔] (بیان القرآن)

ریاکار قراء کا انجام

﴿۲۵۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ کُلَّ یَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ یَدْخُلُهَا قَالَ الْقُرَّاءُ الْمُرَاؤُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ۔ رواه الترمذی، وَکَذَا ابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ فِیْهِ وَاِنَّ مِنْ اَبْغَضِ الْقُرَّاءِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی الَّذِیْنَ یَزُوْرُوْنَ الْاُمَرَاءَ قَالَ الْمُحَارِبِیُّ یَعْنِی الْجَوَرَةَ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۶۳، باب ماجاء فی الریاء والسمعة،

باب الزهد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

حل لغات: جب بڑا کنواں، گڑھا، جمع جبابٌ، و اجباب، یتعوذ، تعوذ منہ، پناہ چاہنا، ابغض اسم تفضیل، بغض الیہ، (ک) بغاضۃً مبغوض ہونا، قابل نفرت ہونا، یزورون، زارہ (ن) زیارۃ ملاقات کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم لوگ غم کے کنویں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غم کا کنواں کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ دوزخ کی ایک وادی ہے جس سے دوزخ ہر دن چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کون داخل ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قرآن پڑھنے والے جو اپنے اعمال دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں "خدا کے نزدیک مبغوض ترین وہ قاری ہیں جو سرداروں سے ملاقات کرتے ہیں" اس حدیث کے راوی محاربی نے کہا ہے کہ سرداروں سے مراد ظالم لوگ ہیں۔

تشریح: تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ: جب کنواں، حزن: غم۔

جیسے ظالم ظلم کرتا ہے مگر ایک اس سے بھی بڑا ظالم ظلم کرتا ہے تو اس ظالم کو بھی اس پر ترس آنے لگتا ہے۔ اسی طرح جہنم کو بھی جب الحزن سے تکلیف پہنچتی ہے، اس لئے جہنم بھی جب الحزن سے روزانہ چار سو بار اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہے، اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ جہنم سے مراد جہنم پر مقرر کئے ہوئے فرشتے مراد ہوں کہ وہ بھی پناہ مانگتے ہیں، اس صورت میں جہنم سے پہلے اس کا مضاف محذوف ہوگا۔ اور چار سو مرتبہ سے اس کی تکثیر بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اس

میں وہ قراء اور علماء ڈالے جائیں گے جو لوگوں کے دکھلانے کے واسطے اعمال کرتے ہیں یعنی ریاکار اہل علم وعمل اس میں ڈھکیلے جائیں گے۔ اللهم احفظنا منه.

اَلْجَوْرَةُ: جمع ہے جائر کی، جیسے کفرۃ جمع ہے کافر کی۔

فتنہ پرور علماء

﴿۲۵۸﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اَنْ يَاْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَايَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَايَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَاؤُهُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ۔ رواه البيهقى فى شعب الايمان۔

حواله: بیهقی فی شعب الایمان: ۲/۳۱۱، باب فی نشر العلم، حدیث نمبر: ۱۹۰۸۔

حل لغات: عامرة آباد، خراب ویران، ادیم ظاہری حصہ، ج اُدُمٌ، ادیم السماء آسمان کی نچلی سطح۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام میں سے صرف اس کا نام باقی رہ جائے گا، اور قرآن میں سے صرف اس کے نقوش باقی رہ جائیں گے، ان کی مسجدیں آباد ہوں گی، لیکن یہ ہدایت سے ویران ہوں گی، ان کے علماء آسمان کے نیچے کی مخلوق میں سب سے بدتر ہونگے، ان ہی سے فتنہ پیدا ہوگا، اور ان ہی میں لوٹے گا۔

تشریح: یو شک: فعل مضارع ہے، افعالِ مقاربہ میں سے ہے جو یہ بتاتا ہے کہ میری خبر میرے اسم کے پاس آ چکی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئیگا، کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائیگا، شعائر اور مذہبی نشانات ختم ہو جائیں گے صرف ان کا نام باقی رہ جائے گا، جن پر اسلام کامل کا اطلاق کرنا صحیح نہ ہوگا۔ لفظ صلوٰۃ، زکوۃ لفظ صوم، لفظ حج وغیرہ ان کی روح اور حقیقت ختم ہو جائے گی، صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے۔

یعنی مسلمانوں کے تمام احوال واطوار بدل جائیں گے، لباس بدل جائیگا، اعمال بدل جائیں گے وضع قطع بدل جائیگی اور صرف عبدالرحمٰن، محمد، اسلام الدین وغیرہ ان کے نام باقی رہ جائیں گے، اور تو کیا مرکز اسلام عرب کی زمین میں السلام علیکم کی جگہ "صباح الخیر" "مساء الخیر" جیسے جاہلیت کے الفاظ مستعمل ہوں گے، دور جاہلیت میں سلام کے لئے صبح وشام کے علاوہ علاحدہ الفاظ تھے۔

وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ: یعنی اس کے علوم ومعارف اس کی عظمت آداب دل سے نکل جائیں گے۔ قرآن شریف کی تلاوت ختم، اس پر عمل ختم اس کے الفاظ کی قرأت اور کتابت باقی رہ جائے گی، وہ بھی عبادت کے طور پر نہیں صرف رسم اور عادت کے طور پر قراء حضرات مخارج حروف اور تجوید کے اعتبار سے الفاظ قرآن کی خوب رعایت کریں گے، خوش الحانی کے ساتھ پڑھیں گے، مگر اس کی روحانیت ختم ہو جائے گی، اس کے اوامر ونواہی کی پابندی کی بالکل فکر نہیں کریں گے۔ صرف قرآن کی رسم باقی رہ جائیگی، اور اس کے الفاظ وآیات کے تعویذ ونقوش بنا کر بیچے جائیں گے، جس طرح آج کیلنڈروں اور تعویذات وغیرہ کی خرید وفروخت ہو رہی ہے۔

مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدَى: مسجدیں آباد ہوں گی رنگ وروغن سے مزین اور ٹائل ومرمر سے مرصع مگر سجدۂ شوق اور ہدایت حق سے ویران ومحروم۔

ایک جگہ گئے تو قاری صاحب نے جو امام تھے بہت غلط قرآن کریم نماز میں پڑھا، اور تنہائی میں بہت عمدہ ان سے کہا گیا تو جواب دیا کہ آپ نے یہ تو بڑی جلدی کہدیا کہ نماز میں ایسا پڑھا اور ویسا پڑھا، پر یہ نہیں دیکھا کہ یہ لوگ دیتے کیا ہیں، پڑھنا سب طرح جانتے ہیں، مگر جیسا ان کا لینا دینا ویسا ہی ہمارا گانا بجانا۔

عُلَمَاؤُهُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ: اس آسمان کے نیچے سب سے بدترین علماء ہوں گے، ادیم: چمڑے کو کہتے ہیں، یہ زائد لفظ ہے صرف تحسین کے واسطے لایا گیا ہے۔

اسی لئے کہا گیا ہے: "فَسَادُ الْعَالِمِ فَسَادُ الْعَالَمِ" ایک عالم کے اندر بگاڑ کا آجانا پورے عالم کے بگاڑ کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس لئے کہ اس کی بدعملی کا نقصان صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ پورے عالم پر اس کا اثر پڑتا ہے۔

مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعُودُ: ان ہی سے فتنہ نکلے گا اور انہیں کی طرف لوٹے گا۔

دنیوی اغراض کی وجہ سے دین کے نام پر نئے نئے جھنڈے اٹھائیں گے، دنیاداروں ظالموں اور جابروں کی مدد وحمایت کریں گے، جس کے نتیجہ میں خود ان کے دینی مراکز میں جھگڑے فساد کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا۔ (مرقاۃ: ۱/۳۱۶)

علم پر عمل نہ کرنا علم کو اٹھا دینا ہے

﴿۲۵۹﴾ وَعَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيدٍ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

شَیْئاً فَقَالَ ذَاکَ عِنْدَ اَوَانِ ذِھَابِ الْعِلْمِ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ یَذْھَبُ الْعِلْمُ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَنُقْرِءُہُ اَبْنَائَنَا وَیُقْرِءُہُ اَبْنَائُنَا اَبْنَائَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ فَقَالَ ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ زِیَادُ اِنْ کُنْتُ لَاَرَاکَ مِنْ اَفْقَہِ رَجُلٍ بِالْمَدِیْنَۃِ اَوَلَیْسَ ھٰذِہِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی یَقْرَؤُنَ التَّوْرَاۃَ وَالْاِنْجِیْلَ لَا یَعْمَلُوْنَ بِشَیْءٍ مِمَّا فِیْھِمَا۔ رواہ احمد وابن ماجۃ۔ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ عَنْہُ نَحْوَہُ وَکَذَا الدَّارِمِیُّ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ۔

حوالہ: مسند احمد: ۱۶۰/ ۴، ابن ماجہ شریف: ۳۰۳، باب ذھاب القرآن و العلم، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۴۰۴۸، ترمذی شریف: ۹۵/ ۲، باب ماجاء فی ذھاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۵۳، دارمی: ۸۹/ ۹۰، مقدمہ باب فی ذھاب العلم، حدیث نمبر: ۲۴۰۔

حل لغات: اوان وقت، ج آونۃ، ثکلت ثَکِلَ (س) ثکلاً اولاد کو گم کرنا۔

ترجمہ: حضرت زیاد ابن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی چیز کا ذکر کیا پھر ارشاد فرمایا: یہ اس وقت ہوگا جب علم جاتا رہے گا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علم کیسے جاتا رہے گا؟ حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں، اور ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھائیں گے، اور یہ سلسلہ قیامت تک چلے گا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا زیادؓ! تم کو تمہاری ماں گم کرے، میں تمہیں مدینہ کے لوگوں میں بڑا سمجھدار سمجھتا تھا، کیا یہود و نصاریٰ توریت وانجیل کو پڑھتے نہیں ہیں، لیکن ان کی کتابوں کے اندر جو کچھ ہے اس میں کسی چیز پر وہ عمل نہیں کرتے۔ (احمد، ابن ماجہ) اور ترمذی نے ایسی ہی روایت زیاد سے، اور دارمی نے اسی طرح ابو امامہ سے نقل کی ہے۔

تشریح: ثکلتک امک: تیری ماں تجھے روئے یہ ماں کو دعا دی ہے کہ

تیری ماں کی عمر اتنی طویل ہو کہ وہ تم سے بھی زیادہ اور بعد تک زندہ رہے۔ اور یہ کلمہ صرف اظہار تعجب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں اظہار تعجب کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔

اِنْ كُنْتُ لَأَرَاكَ مِنْ اَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِيْنَةِ: میں تجھے مدینہ کے فقیہوں میں سے افقہ خیال کیا کرتا تھا۔

کیا یہ یہود و نصاریٰ تورات و انجیل کو نہیں پڑھتے پڑھاتے ہیں، لیکن جو علم ان کی کتابوں میں ہے اس پر عمل نہیں کرتے اور جو عمل نہ کرے وہ جاہل ہی ہے، اسی طرح ایک وقت آئے گا کہ تم لوگ عمل سے بالکل خالی ہو جاؤ گے، اور جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے وہ جاہل ہی کے درجہ میں ہے۔ (مرقاۃ: ۳۱۷/۱، کتاب العلم)

علم سیکھنے سکھانے کی اہمیت

﴿۲۶۰﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ فَإِنِّيْ اِمْرَأٌ مَقْبُوْضٌ وَالْعِلْمُ سَيُقْبَضُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتّٰى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِيْ فَرِيْضَةٍ لَا يَجِدَانِ اَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا۔ رواه الدارمی والدارقطنی۔

حوالہ: سنن دارمی: ۸۳/ ۸۴/ ۱، مقدمہ باب الاقتداء بالعلماء، حدیث نمبر: ۲۲۱۔

حل لغات: یختلف مصدر اختلاف (افتعال) مختلف ہونا، باہم فرق ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کہ علم کو سیکھو اور سکھاؤ، فرائض سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، اس لئے کہ میں ایک شخص ہوں جو اٹھایا جاؤں گا اور علم بھی اٹھالیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو شخص ایک فرض کے بارے میں اختلاف کریں گے، اور کسی کو ایسا نہ پائیں گے جو ان کے درمیان فیصلہ کردے۔

تشریح: تَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ: اسمیں یہ بھی احتمال ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تنہا مراد ہوں یا پھر مخاطب ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہوں اور حکم عام ہو، اور جمع کا صیغہ لانا تعظیم کے طور پر ہو، اور علم سے علم شرعی اپنے تمام انواع کے ساتھ مراد ہے۔

تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ: یہاں فرائض سے یا تو احکام اسلام مراد ہیں یا علم میراث مراد ہے، اور اسے خود بھی سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔

تعلموا القرآن وعلموه الناس الخ: قرآن پاک سیکھو اور اس کو لوگوں کو سکھاؤ اس سے علوم قرآن احکام قرآن علم تفسیر وغیرہ مراد ہے۔

اسلئے کہ در حقیقت میں ایک انسان ہوں جس کو موت آنا یقینی امر ہے، میری زندگی کی فرصت کو غنیمت سمجھو اور میرے بعد علم بھی اٹھ جائے گا اہل علم کو اٹھائے جانے کے ذریعہ سے۔

وَتُظْهَرُ الْفِتَنُ: اور نئے نئے فتنے رونما ہوں گے یہاں واؤ محض جمعیت کے لئے ہے، پس ممکن ہے کہ علم کا اٹھایا جانا فتنہ کے سبب سے ہو یا فتنہ کا ظاہر ہونا علم کے اٹھائے جانے کے سبب سے ہو یہاں تک کہ دو شخص یا دو وارث اسلام کے کسی حکم کے بارے میں یا میراث کے حصہ سے متعلق جھگڑیں گے لیکن قلت علم اور فتنوں کی کثرت کے سبب کسی ایسے شخص کو نہیں پائیں گے جو حکم بن کر ان کے درمیان فیصلہ کرادے اور ان کے جھگڑے کو ختم کرادے۔(مرقاۃ:۸ ا/۷ ا/۳ ا/۱)

علم غیر نافع کی حقیقت

﴿۲۶۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ عِلْمٍ لَا یُنْتَفَعُ بِهٖ کَمَثَلِ کَنْزٍ لَا یُنْفَقُ مِنْهُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (رواه احمد والدارمی)

حوالہ: مسند احمد: ۲/۴۹۹، دارمی: ۱/۱۴۸، مقدمہ باب البلاغ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر: ۵۶۱۔

حل لغات: کَنْزٌ زمین میں دبا ہوا مال، مدفون خزانہ، ج کنوز، ینفق (افعال) مصدر انفاق، خرچ کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس علم سے نفع نہ اٹھایا جائے اس کی مثال اس خزانہ کی طرح ہے جس کو خدا کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے۔

تشریح: علم سے دو طرح فائدہ اٹھایا جاتا ہے ایک تو یہ کہ اس پر عمل کریں، دوسرے دوسروں کو اس کی تعلیم دیں۔

اسی طرح خزانہ سے بھی دو طرح فائدہ اٹھایا جاتا ہے ایک تو آدمی اپنی ذات پر خرچ کرکے اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، دوسرے ضرورت مند لوگوں پر خرچ کیا جائے۔ پس اگر کوئی شخص علم پر نہ عمل کرتا ہے، نہ دوسروں کو سکھاتا ہے تو یہ علم اس خزانہ کے مثل ہو گیا کہ مالک اسے نہ اپنے اوپر خرچ کرتا ہے، نہ دوسروں پر خرچ کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ بے فیض ہونے میں دونوں برابر ہیں، اور یہ تشبیہ دونوں کے بے فیض ہونے اور فائدہ نہ اٹھانے میں ہے، دوسری چیزوں میں نہیں اور کسی دوسری چیز سے تشبیہ ہو بھی کیسے سکتی ہے جب کہ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے، اور خزانہ خرچ کرنے سے گھٹتا ہے، علم باقی رہنے والی دولت اور خزانہ ہے۔ فقط

تــم

الجزء الثالث بحمد اللہ تعالی

و احسانہ و توفیقہ تعالی و بمنہ و کرمہ

ویلیہ الجزء الرابع اولہ کتاب الطہارۃ انشاء اللہ

تعالی ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب

علینا انک انت التواب الرحیم بحرمۃ حبیبک

سید المرسلین وصلی اللہ تعالی علیہ

وعلی الہ و اصحابہ اجمعین

الی یوم الدین

محمد فاروق غفرلہ